مدارس اور جامعات کی نصابی ضرورتوں کے مطابق

مطالعہ سیرت طیبہ ﷺ

تاریخی ترتیب سے

سید عزیز الرحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مطالعۂ سیرت طیبہ

تاریخی ترتیب سے

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

مدارس اور جامعات کی نصابی ضرورتوں کے مطابق

مطالعۂ سیرت طیبہ

تاریخی ترتیب سے

مرتب

سید عزیز الرحمن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز
اے۔۴/۱۸، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔ ۷۴۶۰۰، فون: ۳۶۶۸۴۷۹۰
zawwar academy publication

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ

نام کتاب: مطالعۂ سیرت طیبہ
مرتب: سید عزیز الرحمٰن
سن اشاعت: جمادی الثانی ۱۴۴۶ / دسمبر ۲۰۲۲ء
صفحات: ۳۲۸
ناشر: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز
اے-۴/۱۸، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی-۷۴۶۰۰، فون: ۳۶۶۸۴۷۹۰
info@rahet.org - www.rahet.org
zawwar academy publication
research academy for higher education & technology

فہرست مضامین

تعارف سیرتِ طیبہ	۹
اعجازِ سیرت	۲۱
عربوں کی خوبیاں اور خامیاں	۲۹
نسب مطہر اور اجداد کا تعارف	۳۹
اجداد کا تعارف	۴۱
بنو اسماعیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	۴۹
ولادت باسعادت	۶۱
نوجوانی	۶۹
وحی کا آغاز	۷۹
علانیہ تبلیغ	۸۹
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ساحر مشہور کرنا، ہجرتِ حبشہ، مال کی پیش کش	۹۹
مقاطعہ، عام الحزن، طائف کا سفر	۱۰۹
واقعۂ معراج	۱۱۹
مدینے میں اسلام کی ابتدا	۱۲۹
ہجرت مدینہ	۱۳۹
ہجرت کی اہمیت اور مدینہ منورہ میں قیام	۱۴۹
ابتدائی مدنی زندگی	۱۵۹
جہاد کا آغاز	۱۶۷

غزوۂ بدر	۱۷۷
غزوۂ احد	۱۸۷
غزوۂ حمراء الاسد، بنو نضیر	۱۹۵
غزوۂ احزاب	۲۰۵
غزوہ بنو قریظہ	۲۱۵
عمرۃ الحدیبیہ	۲۲۵
غزوۂ خیبر	۲۳۵
عمرۃ القضا اور خالد بن ولید و	۲۴۵
دیگر کا اسلام	۲۴۵
فتح مکہ	۲۵۳
مسجد حرام میں داخلہ	۲۶۳
غزوۂ حنین وطائف	۲۷۳
حج صدیق اکبرؓ، غزوۂ تبوک	۲۸۳
غزوۂ تبوک	۲۸۵
حجۃ الوداع	۲۹۵
وقت رخصت	۳۰۷
شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۳۱۷
کتابیات	۳۲۷

پیش گفتار

اردو میں سیرت طیبہ پر اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ اس کا احاطہ کرنا بھی آسانی کے ساتھ ممکن نہیں رہا۔ لیکن اس کے باوجود جب تدریس سیرت کی بات کی جاتی ہے تو تدریسی نقطہ نظر سے سیرت پر زیادہ کتب نظر نہیں آتیں۔ جس قدر موجود ہیں وہ سیرت کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کافی محسوس نہیں ہوتیں۔ تدریسی نقطہ نظر سے سیرت طیبہ پر کتب کی ضرورت بھی مختلف درجات کے لیے الگ الگ ہے، ظاہر ہے کہ پرائمری کی سطح کے بچوں کے لیے جو کتب تحریر کی جائیں گی وہ میٹرک کی سطح کے لیے مفید نہیں ہوسکتیں، اسی طرح میٹرک کے بچوں کے لیے لکھی جانے والی کتب اس کے بعد کے درجات کے لیے مفید ثابت نہیں ہوں گی، اس لیے ہر درجے کے لیے الگ درسی کتاب کی ضرورت بھی اپنی جگہ پر موجود ہے۔

اس دوران ایک پیش رفت یہ ہوئی ہے کہ ہائر ایجوکیشن کمیشن نے بی ایس کی سطح پر آٹھ سمسٹرز میں مناسب کریڈٹ آورز کے ساتھ سیرت طیبہ کی تدریس کو لازمی قرار دیا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ بہت اہم ہے لیکن اس کی وجہ سے سیرت کے درس و تدریس سے وابستہ حضرات کی ذمے داریوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس لیے کہ جب صورت حال یہ ہو کہ مدارس سے لے کر جامعات تک سیرت طیبہ پڑھنے پڑھانے کی روایت ہی کہیں موجود نہ رہی ہو تو یک بارگی ملک بھر کی سیکڑوں جامعات میں سیرت کی تدریس کی کا فریضہ انجام دینے والے اساتذہ کیوں کر ہمیں میسر آسکتے ہیں۔ اس لیے ارادہ ہوا کہ سیرت طیبہ کے حوالے سے ایک ایسی متوسط حجم کی کتاب تیار کر دی جائے، جو اس دورانیے میں ہمارے اساتذہ کے لیے مفید ہو سکے، جس میں اساتذہ کی کمی کا سامنا ہو سکتا ہے، یا اساتذہ کی جانب سے تدریسی سیرت میں رہ نمائی کی عدم دست یابی کی شکایت سامنے آسکتی ہے۔ اس ضمن میں تردد یہ درپیش رہا کہ خاص طور پر بی

ایس کی سطح ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں تدریس کا فریضہ انجام دینے والے اساتذہ کو کسی نصابی کتاب کا پابند کیا جائے، یہ تو تخصص اور اختصاص کی سطح ہے، یہاں تو اساتذہ کی ذمے داری ہوتی ہے کہ نصابی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ازخود اپنے تدریس کا لوازما تیار کریں اور طلبہ کے سامنے پیش کریں، نیز طلبہ کو بھی پڑھنے کی طرف راغب کرتے ہوئے مختلف نوعیتوں کی مشقوں کے ذریعے پڑھنے اور ان میں تحقیق کی لگن اور جذبہ بیدار کریں، لیکن کافی غور وفکر اور مشورے کے بعد یہی طے ہوا کہ ابتدائی نوعیت کی ایک کتاب مرتب کر دی جائے، تاکہ تساہل پسند مزاجوں کو بھی کم از کم یہ شکایت نہ رہے کہ سیرت کی تدریس کیسے کی جائے۔

ہماری یہ کتاب کوئی مستقبل طبع زاد کتاب کا درجہ نہیں رکھتی، بل کہ والد گرامی قدر جناب حافظ سید فضل الرحمن کی معروف کتاب ہادی اعظم کو تاریخی ترتیب سے تدریسی ضرورتوں کے مطابق تشکیل جدید کے بعد اس صورت میں پیش کیا جا رہا ہے، البتہ شروع کے ایک دو اسباق اس پر اضافہ ہیں، نیز درمیان میں بھی جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی اختصار کے ساتھ کہیں کہیں چند جملوں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ نیز زبان کو مزید سہل بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور حوالہ جات سے کتاب کو بھاری بھر کم نہیں بنایا گیا، البتہ آخر کتاب میں استفادے کے لیے چند کتب کا صرف نام درج کیا گیا ہے۔ ان میں بھی اکثر کتب اردو کی ہیں کہ عملیت پسندی کا تقاضا یہی ہے کہ کم سے کم کے درجے میں چند چیزیں اپنے اساتذہ کو احترام کے ساتھ پیش کر دی جائیں۔ خدا کرے کہ پڑھنے کی روایت زندہ ہو اور خدا کرے کی سیرت پاک سے اور اس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم اپنا ایمانی رشتہ مزید شعوری بنیادوں پر استوار کر سکیں۔

درمیان درمیان میں جہاں جہاں قرآن کریم کے حوالے آرہے ہیں، وہاں بھی اکثر مقامات پر صرف ترجمے اور مختصر حوالے پر اکتفا کیا گیا ہے، دیگر بیانات کو بلا حوالہ شامل کتاب کیا گیا ہے، تفصیل اور حوالوں کے خواہش مند ہادی اعظم (تین جلدیں) ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ہر سبق دس سے بارہ صفحات پر مشتمل ہے، اور ہر سبق کے آخر میں چند توضیحی سوالات بھی درج کیے گئے ہیں، تاکہ اس سبق کو سمجھنا اور اس کے مقاصد جاننا آسان ہو سکے۔

سید عزیز الرحمن

۲۹ جمادی الاول ۱۴۴۶ھ / یکم دسمبر ۲۰۲۴ء

تعارف سیرتِ طیبہ

سیرت

سیرتِ طیبہ کے موضوع کو ذاتِ رسالت مآب سے نسبت کے طفیل جو اہمیت، مقام، قدر و منزلت اور قبولیت حاصل ہے، وہ یقیناً محتاجِ بیان نہیں۔ اگر ہم اپنے اس مذہبی لٹریچر کا جائزہ لیں جو کسی بھی زبان میں مسلمانوں نے اب تک پیش کیا ہے، تو اس کا ایک بہت بڑا حصہ ان مباحث، موضوعات اور عنوانات پر مشتمل ہوگا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات وصفات سے تعلق رکھتے ہیں۔ دنیا بھر کے علوم وفنون میں فنِ سیرت کو یہ ایک عجیب امتیاز اور اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے۔

مطالعۂ سیرت کی وسعتوں کے حوالے سے سیرت کے چند پہلوؤں کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سیرت کے معانی و مفاہیم کو متعین کرلیا جائے، تاکہ پھر اس کی روشنی میں دیکھا جاسکے کہ عہدِ حاضر میں اس موضوع نے کیا کیا وسعتیں اختیار کی ہیں؟

لفظ سیرت سار یسیر سے مشتق ہے، جو باب ضرب یضرب سے آتا ہے، اس کے معنیٰ چلنے پھرنے، چال چلن، کردار، سنت، طریقے، روش، شکل وصورت، ہیئت وغیرہ کے آتے ہیں۔

لفظ سیرت آغاز میں ہر ایک کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے، چناں چہ عوانہ بن حکیم کلبی (م ۱۴۷ھ) کی کتاب سیرۃ معاویہ و بنی اُمیہ، اور واقدی (م ۲۰۷ھ) کی کتاب سیرۃ ابی بکر و وفاتہ اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ بعد میں بھی لفظ سیرت کا یہ عمومی استعمال جاری رہا، چناں چہ اُردو میں بھی اس کی روایت نظر آتی ہے، علامہ شبلی کی سیرت النعمان اور سید سلیمان ندوی کی

سیرتِ عائشہ معروف کتب ہیں، البتہ اب ہمارے عرف اور عام محاورے میں جب لفظ صرف سیرت کا استعمال ہوتا ہے، تو اس سے مراد سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام ہی ہوتی ہے۔
ڈاکٹر سید عبداللہ فنِ سیرت کی نہایت جامع تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سیرت کا مفہوم طریقے و مذہب، سنت، ہیئت، حالت اور کردار تک محدود نہیں، بل کہ اس سے مراد داخلی شخصیت، اہم کارنامے اور اکابر کے حالاتِ زندگی بھی ہیں۔

یہاں اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے سیرت کے مطلق مفہوم کا ذکر کیا ہے، لیکن دوسرے مقام پر وہ اس مؤقف کو کہ سیرت سے مراد صرف نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ ہے، بالکل واضح اسلوب میں بیان کرتے ہیں:

تمام اشخاص کی بایوگرافی (سوانح) کو سیرت کہنا زیادتی ہے، کیوں کہ سیرت کے لفظ کو اُصولی طور پر آں حضرت ﷺ کے حالات ہی سے مخصوص سمجھنا چاہیے۔

اسی مفہوم کے حوالے سے ایک بات اور بھی ہے، خود قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویہ میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے، چناں چہ قرآنِ حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ (طٰہٰ: ۲۱)

اسے پکڑلو، اور خوف نہ کرو، اسے ہم پھر پہلی والی ہیئت پر لے آئیں گے۔
یہاں پر دیکھیے سیرت سے مراد ہیئت، شکل وغیرہ ہے۔
حدیث میں اس سے بھی واضح استعمال ملتا ہے، ایک روایت میں ہے:

قام علی رضی الله عنه علی المنبر، فذکر رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال، قبض رسول الله ﷺ و استخلف ابو بکر رضی الله عنه فعمل بعمله وسار بسیرته، حتیٰ قبضه الله عزوجل علیٰ ذالك، ثم استخلف عمر رضی الله عنه علیٰ ذٰلك فعمل بعملهما وسار بسیرتهما حتی قبضه الله عزوجل علیٰ ذٰلك.

مغازی کے عنوان سے تحریر فرمائیں، اُن کا زمانۂ تحریر بھی تقریباً ایک ہی ہے، یہ چار نام ہیں: موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ)، محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ)، معمر بن راشد (م ۱۵۴ھ) اور ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن سندی (م ۱۷۰ھ)۔

ان میں ابو معشر زیادہ قابلِ غور ہیں، ایک تو وہ سندھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرے ان کی کتاب کا زمانۂ تحریر موسیٰ بن عقبہ سے زیادہ دور نہیں ہے، لیکن وہ شاگرد موسیٰ بن عقبہ کے ہی تھے، اور موسیٰ بن عقبہ کو محدثین بھی تسلیم کرتے ہیں، حال آں کہ وہ عام طور پر مغازی نگاروں کو اپنے معیار کا قرار نہیں دیتے، چناں چہ امام مالک محمد بن اسحاق کے سخت ناقد ہیں۔ لیکن وہ بھی موسیٰ بن عقبہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں۔

ابو معشر کے سوا اس عہد کی تمام اہم ترین کتب، کسی نہ کسی صورت میں شائع ہو چکی ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں۔

سیرت کے نام سے پہلی کتاب جو شائع شدہ ہمارے درمیان موجود ہے، وہ سلیمان بن طرخان التیمی (م ۱۴۳ھ) کی سیرت الرسول ﷺ ہے، جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔

مجالسِ سیرت

سیرت نگاری کے حوالے سے یہ بات بھی اہم ہے کہ اسلام کے دورِ اول میں جب کہ مسلمانوں میں قرآنِ حکیم اور اس سے متعلقہ علوم وفنون نیز احادیثِ نبویہ کے حوالے سے شغف اور دل چسپی بڑھ رہی تھی، اور جا بہ جا ان کے حلقے قائم تھے، خلفائے راشدین بہ ذاتِ خود ان حلقوں کو قائم اور اُن کی سر پرستی فرماتے تھے، اور ان علوم کے ماہرین کی بڑی تعداد صحابۂ کرام میں موجود تھی، اسی دور میں مغازی کے زیرِ عنوان سیرتِ طیبہ پڑھنے اور پڑھانے کا رجحان بھی موجود تھا، اور یہ رجحان مسلسل مضبوط ہو رہا تھا، جس کا ایک سبب ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے مسلمانوں کے تعلقِ خاص کے علاوہ یہ بھی تھا کہ اسلام سے قبل بھی اہلِ عرب کے ہاں خاندانی وقبائلی فخر ومباہات کے اظہار کا خاص اہتمام تھا، اور چوں کہ ان کے ہاں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا، اس لیے وہ ان کاموں کے لیے اپنے خداداد بے مثال حافظے سے فائدہ اُٹھاتے تھے اور اس مقصد کے لیے خاص مجالس آراستہ کرتے تھے۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ عربوں کی یہی روایت اسلام کی آمد کے بعد غزوات وغیرہ کے بیان کی صورت اختیار کر گئی۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر و فقہ کے بڑے اور جید ترین امام ہیں، آپؓ نے اپنی مجالس کے لیے مختلف ایام کے لیے مختلف موضوعات مقرر فرمائے تھے۔ ان میں وہ ایک دن صرف سیرتِ طیبہ کا درس دیا کرتے تھے، جس کے لیے اس وقت کے محاورے کے مطابق سیرت نگار مغازی کا لفظ استعمال کرتے تھے۔

اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ مغازی وغیرہ کے بیان سے صحابۂ کرام کا مقصد سننے والوں کو شوق دلانا اور انہیں ثابت قدمی، شجاعت اور جواں مردی کی تلقین ہوتا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے صاحب زادے محمد بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ہمارے والد ہمیں غزوات و سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے بیٹو! یہ تمہارے آبا کا شرف و افتخار ہیں، سو تم انہیں ہرگز ضائع نہ کرنا (بل کہ انہیں یاد رکھنا)۔

غزوات و سرایا سے مسلمانوں کی اس دل چسپی کا اثر تھا کہ خواتین میں بھی یہ موضوع پسند کیا جاتا تھا، اور وہ بھی اس سلسلے میں خاصے ذوق و شوق کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ اُمِ سعد جمیلہ بنتِ سعد بن ربیع اپنی والدہ عمرہ بنتِ حزم بن زید کا واقعہ یوں بیان کرتی ہیں کہ میں غزوۂ خندق کے روز دو سال کی تھی، اور میری والدہ میرے ہوش سنبھالنے کے بعد مسلمانوں کے غزوۂ خندق کے حوالے سے واقعات مجھے سناتی تھیں۔

اس سلسلے کے اور بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ اسلامی حکومت خصوصاً خلفائے راشدین اور اُن کے متصل بعد کے حکم رانوں نے بھی مغازی کو خاصی توجہ دی۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بیٹے کے معلم سلیمان کلبی کو یہ ہدایت جاری کی تھی کہ اسے حلال و حرام، خطبات اور مغازی کے بارے میں صاحبِ نظر بناؤ۔

مغازی کا یہ درس دینے والے صحابہؓ و تابعین پھر بڑے جوش اور جذبے سے یہ درس دیا کرتے تھے، اور اس دوران اُن پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حضرت عکرمہؓ جب غزوات کا بیان کرتے تھے تو سننے والا شخص یہ کہتا تھا کہ گویا وہ خود مجاہدین کو جہاد میں مصروف دیکھ رہا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مغازی کے زیرِ عنوان مطالعۂ سیرت، صحابۂ کرامؓ اور

تابعین کے عہد میں ہی مسلمانوں کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا، جسے بعد میں مزید وسعت حاصل ہوئی، اور پہلے سیرت کے جامع انداز میں بیانات تحریری شکل میں آنا شروع ہوئے، اور بعد میں سیرت نگاری مزید وسعتیں اختیار کرتی چلی گئی۔

مطالعۂ سیرت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (کی ذات مبارکہ) میں عمدہ نمونہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت مبارکہ کو عام طور پر ہم شاید وہ توجہ نہیں دے پاتے جو اس کا مقام اور اس کا حق ہے، جس کی بہت سی وجوہ ہوسکتی ہیں، لیکن ایک چیز واضح ہے کہ اس کو ہم نے کبھی سبق اور درس کے طور پر نہیں، صرف سعادت کے طور پر لیا ہے۔ پھر اس میں بھی ہمارے پیش نظر انتخاب ہوتا ہے اور ذہن میں یہ خیال رہتا ہے کہ اگر سیرت طیبہ کے کسی ایک پہلو پر بھی بات کردی گئی، یا اس کے کچھ حصے کا مطالعہ کرلیا گیا تو شاید اس کا حق ادا ہوگیا۔ سیرت طیبہ کو کہیں سے بھی بیان کردیا جائے، اس کے سعادت ہونے میں دو رائے نہیں ہوسکتیں، لیکن اس کو ''سیرت پڑھنا پڑھانا'' نہیں کہہ سکتے، جب تک کہ پورے علم سیرت کو کم از کم ایک بار پورے تسلسل کے ساتھ نگاہوں سے نہ گزار لیا جائے۔

پھر یہ محض مطالعہ بھی کافی نہیں، بل کہ دورانِ مطالعہ چند مزید پہلو بھی پیشِ نظر رہنے چاہییں:

الف: مطالعۂ سیرت کی اسانید۔ مطالعۂ سیرت کے دوران اس کی استنادی حیثیت بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔

ب: مصادر و ماخذ شناسی۔ سیرت کے بنیادی مصادر کیا ہیں، کس کا کیا مقام ہے، کون کس سے استفادہ کرتا ہے۔

ج: درایتی مسائل۔ اگر روایتی اعتبار سے بیان درست بھی ہو، تب بھی یہ غور و فکر کہ کیا درایتی اعتبار سے یہ روایت قابل حجت ہے؟

د: اختلافِ روایت اور مشکلات سیرت۔

ہ: اسباق سیرت۔ واقعات سیرت سے حاصل ہونے والے اسباق اور ان کی عصری تطبیق۔

سیرت کا بہ طور خاص مطالعہ کیوں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ جب ہم قرآن کریم یا احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں، تو پھر علیحدہ سے سیرت طیبہ کا مطالعہ کیوں کیا جائے؟ ان سوالات کے جوابات سے پہلے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ غور کریں کہ مطالعہ سیرت کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے؟ آخر سیرت طیبہ کو پڑھنا ہمارے لیے کیوں اتنا اہم ہے؟

ذات رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ﷺ کا ایک تعارف قرآن کریم نے رحمۃ للعالمین کروایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی حیثیت سے ہماری نظر میں اس کی افادیت اور ضرورت کیا ہے؟ اسی طرح قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ ایک ''مثالی نمونہ'' ہیں۔ اس کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو دیکھنا، پڑھنا اور سمجھنا یہ بھی سیرت کی اہمیت ہے۔ رول ماڈل ایسی ذات ہوتی ہے جو عملی زندگی میں رہ نمائی کا فریضہ انجام دے۔ پھر عملی زندگی کے بہت سے پہلو ہیں، انسان کو اپنی پیدائش سے لے کر وفات تک انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جس جس حوالے سے رہ نمائی کی ضرورت پیش آسکتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں وہ تمام پہلو اجمالاً موجود ہیں۔ اس لیے آپ کی ذات میں اسوۂ حسنہ ہونے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ذات کو مثالی نمونہ بنانے کے بعد ہمیں کسی اور جانب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوسکتی، بل کہ بہ طور مسلمان ہمیں تو کسی اور جانب دیکھنے کی اجازت بھی نہیں ہوسکتی۔

آج کے دور میں مطالعہ سیرت کی ضرورت

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو مثالی نمونہ کہا گیا ہے، اس پر غور کرتے ہوئے ایک سوال یہ ذہن میں آسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے آپ کی حیات مبارکہ میں کچھ مسائل موجود تھے۔ ان میں سے کچھ مسائل بعد کی دنیا میں ختم ہو گئے اور کچھ نئے مسائل پیدا ہو گئے۔

چناں چہ ان تمام مسائل کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ وہ مسائل جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی تھے اور آج بھی اسی طرح ہیں۔

۲۔ وہ مسائل جو اس وقت تھے، آج موجود نہیں۔

۳۔ وہ مسائل جو اس زمانے میں نہیں تھے، آج موجود ہیں۔

چناں چہ عام انسانی ذہن یہ کہتا ہے کہ جو مسائل اس زمانے میں تھے اور آج بھی اسی طرح موجود ہیں، ان میں تو سیرت طیبہ سے رہ نمائی مل سکتی ہے، لیکن وہ مسائل جو آپ کے زمانے میں نہیں تھے، بعد میں کسی وقت پیدا ہوئے اور آج بھی موجود ہیں، ان معاملات میں سیرت سے رہ نمائی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ رہے وہ مسائل جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھے، اب ختم ہو گئے، اس میں ہمیں رہ نمائی کی کیا ضرورت ہے؟

غور کیا جائے تو قرآن کریم میں چند انبیا کا ذکر بڑے تکرار کے ساتھ ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، حضرت عیسیٰ، حضرت شعیب، حضرت ابراہیم، حضرت نوح علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر ہے۔ ہر دوسری تیسری سورت میں کہیں اختصار اور کہیں تفصیل سے، کہیں پہلا ٹکڑا اور کہیں واقعے کا آخری ٹکڑا، لیکن تسلسل کے ساتھ یہ ذکر قرآن کریم میں بار بار آتا ہے۔ دراصل قرآن حکیم ہمیں یہ ذہن نشین کروانا چاہتا ہے کہ جو مسائل مختلف انبیائے کرام کے زمانے میں تھے اور وہ مسائل جو آج ہمیں درپیش ہیں، حقیقت کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر انسان تبدیل نہیں ہوا۔ انسان پر مادیت کا غلبہ ہے، انسان چمک کی طرف دوڑتا ہے، انسان حاصل زیادہ کرنا چاہتا ہے اور دینا کم چاہتا ہے، انسان کے اندر حسد ہے، بغض ہے، لڑنے کا مادہ ہے اور انسان کے اندر کاہلی ہے۔ یہی چیزیں پہلے لوگوں میں بھی موجود تھیں، اور آج ہمارے اندر بھی تھوڑے فرق سے موجود ہیں۔ گویا اس حوالے سے اس قدر زمانہ گزر جانے کے باوجود آج کے انسان اور ماضی بعید کے انسان میں کچھ فرق نہیں آیا۔

چناں چہ قرآن کہتا ہے کہ وہ کیفیتیں جو مزاج کو تعمیر کرتی ہیں یا اس کو بگاڑتی ہیں، وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کے انسان میں موجود ہیں، ان میں تبدیلی نہیں آئی۔ انسان آسائش میں خوش ہوتا ہے، اور اگر آسائش چھین لی جائے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ یہ

فرق اُس زمانے میں بھی تھا، اِس زمانے میں بھی ہے۔ اس زمانے میں آسائشیں الگ تھیں، آج کی آسائشیں الگ ہیں۔ چناں چہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا زمانہ ہو یا آج کا عہد ہو، اس میں فرق اس لیے نہیں ہے کہ انسان وہی ہے، اس کی نفسیات اور خواہشات وہی ہیں۔ نفس کے تقاضے، شیطان کے وساوس، جذبات کے دھوکے یہ سب اس عہد میں بھی موجود تھے، اور اِس عہد میں اسی طرح موجود ہیں، البتہ کہیں کہیں تقاضوں میں فرق ضرور واقع ہو چکا ہے، لیکن بنیادی مزاج اور انسانی تقاضے ایک جیسے ہیں۔

اس لیے قرآن کریم کو ماننے والا ہر شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں اسوۂ حسنہ کا ہونا بھی قیامت تک کے لیے ہے، اس کو کسی محدود دائرے میں بند نہیں کیا جا سکتا۔

مثال کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سے لے کر چودہویں صدی تک مشینی زندگی کا آج والا تصور نہیں تھا۔ فضائی، ماحولیاتی آلودگی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ آلودگی کب آئی؟ جب مشین آئی ہے۔ مشین آنے کے بعد وہ کام جو چند مہینوں میں ہوتا تھا، وہ چند لمحوں میں ہونے لگا۔

یہ تو اس عمل کا فائدہ ہوا، لیکن اسی مشین کے ذریعے دوسرے نقصانات بھی ہوئے کہ انسانی زندگی مصنوعیت کی طرف چلی گئی۔ انسانی زندگی کے اندر دوسرے غیر معمولی قسم کے وہ خطرات آ گئے کہ انسان آج صرف اپنی بیماریاں شمار کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ یہ سب مشینی زندگی کا تحفہ ہے، اور اس کے جو دوسرے نقصانات سامنے آ رہے ہیں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ پڑھنے اور پڑھانے والوں نے جب ماحولیات کا جائزہ لیا، حال آں کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی تک ماحولیات نام کا کوئی مضمون دنیا میں موجود نہیں تھا، پھر رفتہ رفتہ پی ایچ ڈی اور پوسٹ ڈاکٹریٹ کی سطح تک یہ مضمون وسیع ہو گیا۔

ماحولیات اور سیرت طیبہ کے موضوع پر درجنوں مضامین اور کتب موجود ہیں۔ یہ سیرت طیبہ کا اعجاز ہے، چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک کے لیے پیغمبر و رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے، لہٰذا اگر اس سے ہزار گنا مشکل معاملہ بھی انسانیت کو درپیش ہو تو سیرت طیبہ میں اس کا بھی

حل ضرور موجود ہوگا۔صرف سیرت طیبہ پڑھنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر شخص کو کام یابی کی تلاش ہوتی ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے، پھر کام یابی کے حصول کے لیے کام یاب شخصیات کی طرف نظر اٹھنا اور ایسے لوگوں کو تلاش کرنا بھی فطرت کا تقاضا ہے، جو اپنے اپنے مقام پر کام یاب قرار پائے۔ ہر دور میں انسان نے کام یابیوں کے سفر کے لیے کام یاب لوگوں کے حالات جاننے کی کوشش کی، اور ان کی خدمات اور سوانحی اشاروں کو توجہ سے پڑھا اور ان سے اپنے لیے سبق حاصل کرنے کی کوشش کی۔

اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ہر دور اور ہر عہد کے انسان کی ضرورت ہے، ایسی ضرورت جس میں کسی کو کلام نہیں۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور سیرت کے اوراق خود اس بات کی گواہی ہیں کہ کام یاب سے کام یاب ترین شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ نمائی کا محتاج ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ کس کس کو کہاں کہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راہ نمائی مل سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائدانہ صلاحیتیں ہمارے قائدین کی کیسے رہ نمائی کرتی ہیں؟ طائف کے سفر میں جب آپ لہولہان ہوجاتے ہیں تو رحمت حق جوش میں آتی ہے، ملک الجبال کو بھیجا جاتا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو دونوں اطراف کے پہاڑوں کو ملا کر اس شر پسند، مقام نبوت سے نا آشنا اور ظالم آبادی کو صفحۂ ہستی سے نابود کردیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تجویز قبول نہیں فرمائی۔ دیکھیے ہمیں یہاں کیا درس ملتے ہیں؟ تحمل، صبر، برداشت، عفو، درگزر، انتقام کے بجائے معاف کرنا۔مگر سب سے بڑا درس یہ ملتا ہے کہ قائدین کو ہمیشہ حوصلہ بلند اور ہمتیں جوان رکھنی چاہییں۔ مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ مایوسی سے ناامیدی جنم لیتی ہے اور ناامید شخص قوم کی تو کیا اپنی رہ نمائی سے بھی قاصر رہتا ہے۔ یہ ناامیدی ہی ہے جو انسان کو خودکشی جیسے انتہائی اور آخری اقدام پر مائل کرتی ہے، اور یہ امید ہی ہے جو انسان میں آگے بڑھنے کی امنگ پیدا اور کچھ کرنے کا جذبہ جوان رکھتی ہے۔ یہ وہ درس ہے جو مطالعۂ سیرت سے ہمیں حاصل ہوتا ہے۔

ایک مدبر اور سیاست کار کی حیثیت سے کسی کو رہ نمائی درکار ہے تو دیکھیے کہ حدیبیہ کے مقام پر کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کی بنیاد رکھی۔ نتائج کے حوالے سے دیکھیں تو یہ وہ لمحہ

ہے جب اسلام اپنی پوری قوت سے ابھر کر سامنے آیا۔قریش نے اسی لمحے شکست پالی تھی جب اہلِ مکہ کا آزادانہ میل جول مسلمانوں کے ساتھ شروع ہو گیا تھا، انہوں نے مسلمانوں کے رہن سہن کا قریب سے مشاہدہ کیا تو ان کے حسنِ سلوک وحسنِ معاشرت سے گھائل ہو گئے اور بالآخر اجنبیت نے اسلام کے رشتے میں بدل کر مودت ومحبت کی عظیم مثالیں قائم کر دیں۔ دوسری جانب یہود کی بڑھتی ہوئی سرکشی سے نمٹنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یک سوئی ملی تو مسلمانوں کو ہر محاذ پر کامیابی ملتی چلی گئی، اور بالآخر انا فتحنالك فتحا مبينا (سورۃ فتح، جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی) کا آسمانی وعدہ زمینی حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔ یہ تھا نبوت کا تدبر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دور اندیشی، جو ہمارے لیے آج بھی مشعل راہ ہے۔

مشکلات میں جینے کا حوصلہ درکار ہو تو دربارِ نبوت سامنے رکھیے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کیجیے، دیکھیے دشمن چہار جانب سے حملہ آور ہے، جان لینے کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پورے سکون سے ہجرت کرتے ہیں۔ اپنے رب پر بھروسے کا یہ عالم ہے کہ جب آپ کے ہم سفر اور یارِ غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دشمن کو دیکھ کر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہیں، جو ظاہر ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے حوالے سے تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس قدر وضاحت سے فرماتے ہیں کہ ان الله معنا (سورۃ توبہ: ۴۰) اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ ایک واقعہ نہیں، حوادث کی تسبیح ہے جو ٹوٹ چکی ہے، اور حادثات دانے دانے کی طرح گرتے چلے آ رہے ہیں۔ بدر کا میدان ہو یا احد کا، خندق کی سختیاں ہوں یا خیبر کی، تبوک کا معرکہ ہو یا حنین کا عزم وثبات کے کوہ گراں ہی ایک ایسے شجر سایہ دار ہیں، جس کے نیچے سب ہی کو پناہ ملتی ہے، سب ہی اس دامن رحمت کے طالب نظر آتے ہیں۔ کس قدر عمدہ وضاحت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قول میں ملتی ہے کہ ہمیں جب کبھی جنگ کی شدت میں پناہ ملتی تو دامن رحمت ہی میں ملتی تھی، یعنی شجاعوں کے شجاع اور بہادروں کے بہادر صرف آپ تھے، صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ انصاف کے داعیوں کو اگر ہدایت درکار ہے تو بھی دامن رحمت سے وابستہ ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ظلم وجبر کے لیے طرح طرح کے خود ساختہ قوانین کے بوجھ تلے دبے ہوئے انسانوں کو پہلی بار زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی سے یہ خوش خبری سننے

کو ملی تھی کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا، یعنی فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا فاطمہ بنت فلاں میں کوئی فرق نہیں۔ یہی اعلان زبان نبوت نے حجۃ الوداع میں بھی فرمایا تھا کہ لا فضل لعربی علی عجمی آگاہ ہو جاؤ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔

انسانی رویوں کے لیے راہ نمائی ڈھونڈنے والوں کو بھی صحیح معنیٰ میں راہ نمائی سیرت طیبہ کے مطالعے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، کیوں کہ انسانی تاریخ میں ایسا اس سے پہلے کسی نے نہیں سنا ہو گا کہ کسی شخص نے اپنے غلام کو اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیا ہو اور وہ اپنے اہل خانہ اور والدین کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں رہنے پر مُصر ہو۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایسے ہی صحابی ہیں۔ نہ کسی نے یہ گواہی سنی ہوگی کہ گھریلو خادم جو نو عمر بھی ہے، یہ کہتا ہے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ نہیں کہا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہیں کیا؟ یہ گواہی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی اوراق سیرت میں محفوظ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قبل خواتین کو وہ آزادی بھی حاصل نہ تھی، جو آپ کی برکت سے انہیں میسر آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قبل لڑکی کی پیدائش باعث ننگ و عار تھی، مگر زبان نبوت نے اسے گھر بھر کے لیے رحمت قرار دیا۔ یہ تفصیل بھی سیرت ہی کے مطالعے سے انسان کو میسر آ سکتی ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مطالعۂ سیرت انسانی ضرورتوں کی تمام ممکنہ جہتوں میں رہ نمائی کرتا ہے۔

سوالات

۱۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پڑھنے سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟
۲۔ جدید چیلنجز کے مقابلے کے لیے سیرت طیبہ سے کیسے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟
۳۔ عہد صحابہ میں مجالسِ سیرت کی روایت کیوں قائم ہوئی؟

اعجازِ سیرت

اعجاز سیرت کا مطلب ہے سیرت کا معجزہ۔ معجزہ ایسے کام کو کہتے ہیں، جو کوئی عام انسان نہ کر سکے، نہ کسی انسانی گروہ کے ہی بس میں ہو کہ وہ باہم مل جل کر ایسا کام کر سکیں۔ لفظ معجزہ صرف انبیائے کرام کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہ اعزاز انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس لیے عطا کیا جاتا ہے، تا کہ ان انبیائے کرام کو دیکھنے والے یقین کر لیں کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ اس اعتبار سے پوری سیرتِ طیبہ ہی ایک معجزہ ہے۔ اس لیے ہمیں ابتدا ہی میں یہ جان لینا چاہیے کہ سیرت طیبہ کوئی عام موضوع نہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات عام شخصیت کے حالات کی طرح ہیں، جنہیں صرف تفریح یا معلومات کے لیے پڑھنا کافی ہوتا ہے۔ یہ تو پورا بیان ہی معجزہ ہے، اور اس کا ہر ہر پہلو ہمارے لیے ایک سبق کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے مطالعۂ سیرت کو ایک ایسے معجزے کے مطالعے کے طور پر لینا چاہیے، جس میں قدم قدم پر ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی نشانیاں نظر آسکتی ہیں، شرط یہ ہے کہ ہم غور وفکر کریں اور سیرت طیبہ کا مطالعہ اس غرض سے کرنے کی کوشش کریں کہ اس کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کو سمجھ سکیں۔

اعجازِ سیرت کے چند اہم پہلو

اعجازِ سیرت کے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں، یہاں اس حوالے سے صرف چند اہم پہلو تحریر کیے جاتے ہیں۔

پہلا پہلو: سیرت طیبہ کے معجزہ ہونے کا ایک پہلو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک محمد ہے۔ اسی طرح لفظ سیرت اور پھر لفظ مدینہ کا استعمال بھی معجزے کی ہی صورت ہے۔ چناں چہ

دیکھیے کہ دنیا میں کسی بھی چیز کا کچھ بھی نام رکھا جا سکتا ہے، لیکن وہ نام اپنے معنیٰ کے لحاظ سے مکمل طور پر مسمیٰ (جس کا نام رکھا گیا ہے) پر پورا نہیں بیٹھتا، یا یوں کہیے کہ اس کا مسمیٰ پر پورا بیٹھنا اور صادق آنا ضروری نہیں ہوتا، چناں چہ دیکھیے کہ ہر ماں کے لیے اس کا بچہ خوب صورت ہوتا ہے، اس لیے وہ اس کا نام خوب صورت رکھ سکتی ہے، لیکن کیا اس کے خوب صورت نام رکھنے سے وہ بچہ دوسرے ہر فرد کی نظر میں بھی خوب صورت ہو جائے گا؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، لیکن یہاں دیکھیے کہ جناب عبد المطلب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد تجویز کیا، یہ نام اس سے قبل بھی کچھ لوگوں کا رکھا جا چکا تھا، مگر آج تاریخ ان میں سے کسی کو نہیں جانتی۔ تاریخ اس نام کی ایک ہی شخصیت کو جانتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایک معنیٰ ہے ایسی شخصیت جس کی بے حد تعریف کی جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اور آپ کے بعد آج تک جس قدر بھی اپنے اپنے شعبے میں نمایاں لوگ پیدا ہوئے، حتیٰ کہ جن کی جانب بڑے بڑے مذاہب منسوب ہیں، ان میں سے کسی ایک فرد پر اتنا نہیں لکھا گیا، اتنا نہیں پڑھا گیا، اتنا نہیں بولا گیا اور کسی کی بھی اس قدر تعریف نہیں کی گئی، جس قدر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی جا چکی ہے۔ صرف اردو میں، جس کی علمی تاریخ ڈھائی سو برس سے زیادہ نہیں، معلوم چھپی ہوئی کتب کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہے، مقالات، مضامین اور مخطوطات مزید ہزاروں میں الگ سے ہیں۔ عربی میں تمام مطبوع، مخطوط، کتب، مقالات اور مختلف کانفرنسوں میں پیش کیے جانے والے مقالات کی تازہ ترین فہرست کے مطابق یہ تعداد پچاس ہزار کے قریب ہے۔ دنیا بھر کی باقی سو کے قریب اہم زبانوں میں موجود لٹریچر اس کے علاوہ ہے، جسے آج تک شمار ہی نہیں کیا جا سکا۔ اس سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کا اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے؟

دوسرا پہلو: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک اعجازی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ سیرت ایک ہی وقت میں ہر ایک کے لیے کارآمد ہے۔ یعنی اس کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، چھوٹا ہو، یا بڑا، عام شخص ہو یا اپنے شعبے کا ماہر، پھر چاہے اس کا کوئی بھی شعبہ ہو، نیز نظامِ حکومت چلانے والا فرد ہو یا گھر کی دنیا سنبھالنے والی خاتون، ہر ایک کے لیے سیرت طیبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اور جو چاہے اس چشمے سے سیراب ہو سکتا ہے۔ اس

کے برعکس دیکھیے کہ اگر ہم دنیا کے کسی ایسے فرد کے حالات پڑھتے ہیں، جو صرف حکم رانی کے طور پر مشہور ہے، تو ان حالات سے ہم جیسے عام فرد کو کچھ رہ نمائی نہیں مل سکتی۔ اگر ہم کسی بڑے فلسفی کے حالات پڑھیں تو بھی ہمیں اس میں اپنی دل چسپی کا سامان نہیں ملے گا۔ کسی تاجر کے حالات پڑھیں تو اس میں کسی ملازمت پیشہ فرد کو اپنے لیے کچھ نہیں ملے گا، اور کسی زمین دار کے حالات پڑھیں تو کسی انجینیر کو اس میں کوئی رہ نمائی نہیں مل سکے گی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قرآن میں فرمایا کہ آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (الفاطر: ۲۸) یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آفاقیت اور عالم گیریت ہے، یہی سیرت کا ایک بڑا معجزہ ہے کہ آپ کی سیرتِ طیبہ ہر شخص کے لیے مفید ہے، ہر ایک کے لیے کارآمد ہے، اور ہر شخص اپنی زندگی بہتر کرنے کے لیے اس سیرت سے رہ نمائی حاصل کر سکتا ہے۔

تیسرا پہلو: یہ حقیقت ہے کہ رب کائنات نے جناب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی آمد کا اہتمام بہت پہلے فرما لیا تھا، علم طبقات الارض کے ماہرین کہتے ہیں کہ ہجرت مدینہ سے صدیوں قبل اس خطے اور اس کے اطراف میں جسے اس وقت یثرب کہتے تھے اور جو بعد میں قدم نبوت کی برکت سے مدینۃ النبی قرار پایا، بڑے بڑے آتش فشاں پھٹے، جن سے لاوے بہہ نکلے۔ یہ سلسلہ کافی عرصے جاری رہا۔ اس عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک تو مدینہ منورہ کا علاقہ زرخیز ہو گیا، دوسرے یہ سرزمین مختلف نعمتوں تیل اور معدنیات سے مالا مال ہو گئی۔ پھر چوں کہ یہ عمل ہجرت مدینہ سے صدیوں قبل ہی مکمل ہو گیا تھا، اس لیے لاوے پھٹنے کے بعد کے برے اثرات سے بھی یہ علاقہ پوری طرح محفوظ ہو گیا، کیوں کہ لاوے پھٹنے کے بعد بہت مدت تک وہ علاقہ رہنے اور استعمال کے قابل نہیں رہتا۔

اب غور کیجیے کہ اگر یہ عمل اس وقت پر نہ ہوتا، جب یہ ہوا، تو تاخیر کی صورت میں اس کے کیا اثرات ہوتے؟ اگر یہ لاوے تاخیر سے پھٹتے تو کیا ہجرت کے وقت یہ خطہ اسی طرح سرسبز و شاداب ہوتا جیسے آج ہے؟ اس سارے عمل کو اعجاز سیرت نہ کہا جائے تو اور کیا نام دیا جائے؟

چوتھا پہلو: اعجاز سیرت کا ایک پہلو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان مبارک کے حوالے سے ہے۔ اگر آپ کے خاندان اور شجرہ نسب میں شامل اجداد کے حالات کا مطالعہ کریں تو یہ

حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب میں آنے والے تمام اہم حضرات اپنے اپنے دور میں نمایاں اور مختلف حیثیتوں سے ممتاز رہے۔ اسی سبب سے وہ ہر دور میں عرب کی تاریخ کا نمایاں حصہ رہے، گویا قدرت ہمیشہ سے یہ اہتمام کرتی رہی کہ شجرۂ نبوی تابندہ وفروزاں رہے اور اس کی یاد تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ موجود ومحفوظ رہے۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ کی گیارہویں پشت میں فہر بن مالک ہیں۔ ان کا لقب قریش ہے، جس پر پورے قبیلے کی بنیاد پڑی۔ فہر کا تعارف ایک سربراہ، جنگ جو سپہ سالار اور اپنے قبیلے کو متحد کرنے والی شخصیت کا ہے۔ اس کا ایک اور بھائی بھی ہے، جس کا اکثر تذکرہ نگار ذکر تک نہیں کرتے۔

ایسا کیوں ہے کہ ایک بھائی قبیلے کا بانی قرار پاتا ہے، تاریخ میں نہایت نمایاں مقام کا حامل ٹھہرتا ہے اور دوسرے بھائی کو تاریخ جانتی تک نہیں؟ اور وہی مشہور شخص آپ ﷺ کا جد امجد بھی ہے۔

دوسری مثال لیجیے:

آپ ﷺ کی آٹھویں پشت میں کعب بن لوی ہیں، ان کی جانب بھی بہت سی اولیات منسوب ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی جمعے کے روز لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دینے کا سلسلہ شروع کیا، جمعہ کو یوم الجمعہ انہوں نے ہی قرار دیا۔ اس سے قبل یہ یوم العروبہ کہلاتا تھا۔ ان کے بھی کئی بھائی بہن اور ہیں۔ جن کے ناموں اور کنیتوں پر بھی اہل انساب کا اختلاف ہے۔ غور طلب پہلو ایک بار پھر سامنے ہوتا ہے کہ آخر وہی شخصیت تاریخ میں نمایاں کیوں قرار پا رہی ہے، جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد بننے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے؟

آپ ﷺ کی پانچویں پشت میں قصی بن کلاب آتے ہیں۔ یہ بھی بڑے امتیازات رکھنے والے بزرگ ہیں۔ ان کا اقتدار عرب کی تاریخ میں نمایاں قدر ومنزلت کا حامل تھا۔ حج کی روایت بھی پہلے سے عربوں میں موجود تھی۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے عربوں کو دور دراز سے آنے والے حجاج کی میزبانی پر آمادہ کیا۔ ان ہی کی تجویز اور تحریک پر حجاج کی میزبانی کے لیے عربوں نے ایک بہت بڑی رقم مختص کی۔

قصی نے مجلس مشاورت قائم کی، یہی وہ دارالندوہ ہے جو بعد میں کئی مواقع پر اہم

فیصلوں کا مرکز قرار پایا، بل کہ اس کے بعد جب کبھی بھی کسی اجتماعی مسئلے پر غور کرنا ہوتا، تو اہل مکہ دارالندوہ میں ہی جمع ہوتے تھے۔ اس مجلس شوریٰ کی رکنیت تمام اہم سرداروں کو حاصل تھی، اور اس کے بغیر ان کے اجتماعی کام پورے نہیں ہوتے تھے، اسی طرح نکاح، طلاق اور جنگی مہمات کے فیصلے یہیں پر باہمی مشورے سے کیے جاتے تھے۔ قصی کے بھی ایک بھائی زہرہ کا نام ملتا ہے، جو تاریخ میں اپنے بھائی کی طرح نمایاں مقام کے حامل نہیں ٹھہرے۔ امتیاز یہاں بھی ان ہی کو حاصل ہوا جو بعد میں ذات رسالت مآب کے جدامجد قرار پائے۔

مثالوں کی کمی نہیں۔ عبد مناف ہوں، ہاشم ہوں یا عبدالمطلب سب کے دوسرے بھائی موجود ہیں، مگر شہرت انہیں ہی حاصل ہوتی ہے، جو شجرۂ طیبہ کا حصہ بنتے ہیں اور جنہیں جناب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے جدامجد بننے کا اعزاز وافتخار حاصل ہوتا ہے۔ اسے اعجاز سیرت کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟

پانچواں پہلو: اعجاز سیرت کا ایک اور پہلو ملاحظہ ہو، یہ اس زمانے میں لوگوں، قبیلوں اور خاندانوں کے ناموں کے حوالے سے ہے۔ اس عہد میں کچھ اس طرح کے نام رکھنے کا رواج تھا، جن کے معنیٰ آج پسندیدہ نہیں سمجھے جاتے، مثلاً:

عبدالدار، گھر کا غلام

عبدالشّمس، سورج کا بندہ

عبدالعزیٰ، عزیٰ نامی بت کا بندہ

عبدود، ود نامی دیوتا کا غلام یا بندہ

یہ تو شرکیہ نام تھے۔

یا پھر عرب خوف زدہ کر دینے والے نام رکھا کرتے تھے، مثلاً:

حرب۔ لڑائی

حُزن۔ غم

جمح۔ سرکش وغیرہ۔

اسی طرح خواتین کے نام اس نوعیت کے ہوتے تھے:

عاصیہ۔ نافرمان

رباب۔ باجا

غزہ۔ پہاڑی بکری۔

لیکن دیکھیے کہ رسول اکرم ﷺ کے خاندان کے مرد و خواتین کے نام عام طور پر اس روایت سے بالکل مختلف ہیں اور اس بارے میں نہایت منفرد بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنا اسم مبارک، محمد بھی ہے، اور احمد بھی، تعریف اور مدح ان ناموں کا خاصا ہے، آپ کے دوسرے بہت نام بھی ہیں، مگر سب کے سب اچھے معنیٰ والے اور سب میں ایک مثبت پیغام ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے خاندان کے اسمائے مبارکہ دیکھیے:

والد گرامی کا نام عبداللہ ہے، اللہ کا بندہ

آپ کے نانا کا نام وہب ہے، بخشش

آپ کی والدہ محترمہ آمنہ ہیں، امن والی

آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ ہیں، حلم اور بردباری والی، سعادت والی

آپ کی خادمہ ام ایمن ہیں، جو والد کی طرف سے آپ کو ملی تھیں، برکت والی

آپ کی ازواج کے چند نام دیکھیے، عائشہ، زندہ رہنے والی، ام سلمہ، سلامتی والی وغیرہ۔

پھر قبائل کے نام دیکھیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ددھیال کا خاندانی نام ہے بنو ہاشم، ہاشم روٹیوں کو گوشت میں بھگو کر سالن بنانے والے کو کہتے ہیں۔ یہ عربوں میں ضیافت کا شاہی طریقہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ننہیال بنو زہرہ کہلاتا ہے، کلیوں والے۔

آپ کا رضاعی قبیلہ بنو سعد ہے، سعد خوش بختی کو کہتے ہیں۔

یہ سب نام خوش بختی، نیکی اور اچھائیوں کی علامت ہیں، مگر عربوں کا عام رواج ایسے ناموں کا نہیں تھا، وہ بنو اسد، بنو ضب اور اس جیسے دوسرے نام رکھتے تھے، جو جانوروں کے ناموں سے منسوب ہیں۔

آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور قبیلے کے نام اس عام طریقے سے ہٹ کر اچھے معنیٰ پر مشتمل کیوں ہیں؟ یقیناً یہ قاعدہ نہیں ہے، مگر یہ سوال ذہن میں ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور قبیلے کے اکثر اسما اچھے ناموں پر مشتمل ہیں جو آپ کی

پیدائش سے بھی پہلے رکھے گئے اور آپ کے علاوہ اکثر نام اچھے معنی پر مشتمل نہیں ہیں۔ آخر اسے اعجاز سیرت کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے؟

چھٹا پہلو: اعجاز سیرت کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے مکہ مکرمہ جیسے مقام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا، جسے پوری دنیا کا وسط قرار دیا جاتا ہے، اس کائنات کے وسط میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت خود اس امر کا استعارہ تھی کہ یہ نبوت پوری کائنات کے لیے ہے، بل کہ رہتی دنیا کے لیے ہے۔ اس کی وجہ سے دنیا کے تمام خطوں میں اللہ کا پیغام پہنچانے میں سہولت ہوئی، پھر اس سے بہت پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ذریعے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ تعمیر کروا کر اللہ تعالیٰ نے پورے علاقے میں مکے کی مرکزی حیثیت قائم کر دی تھی۔ جس کے نتیجے میں چاروں جانب سے لوگ سال بھر یہاں آتے رہتے تھے، یوں یہاں پر جب اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت کا کلمہ بلند ہوا تو وہ بہت جلد پوری دنیا میں پہنچنے میں کام یاب ہو گیا۔

ساتواں پہلو: ہم عام طور پر اپنے نسب اور خاندان کے بزرگوں سے واقف نہیں ہوتے، اگر جانتے بھی ہیں تو فقط باپ دادا یا پردادا کا نام جانتے ہیں، اسی طرح نانی، پرنانی سے آگے خواتینکے تو نام بھی نہیں جانتے۔ ابنِ حبیب بغدادی ابتدائی تیسری صدی کے مشہور مؤلف ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''امہات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ اور ان کے نسب میں شامل دیگر خواتین کا زنانہ نسب دس دس پشتوں تک بیان کیا ہے، یہ بات بھی معجزے سے کم نہیں۔

آٹھواں پہلو: اسی طرح لفظ سیرت اور لفظ مدینہ کو دیکھیے، لفظ سیرت لغت میں انسان کے چال چلن، حلیے، طرز وغیرہ کو کہتے ہیں، اور یہ لفظ کسی کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے، جب کہ لفظ مدینہ شہر کو کہتے ہیں۔ چناں چہ کراچی کو عربی میں مدینہ کراچی، اور اسلام آباد کو مدینہ اسلام آباد کہیں گے ہیں۔ مگر جب لفظ سیرت کا استعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شروع ہوا، اور ہجرت نبوی کے بعد یثرب کو پہلے مدینۃ النبی اور پھر مختصر کر کے صرف مدینہ کہا جانے لگا تو مدینہ اور سیرت دونوں لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہو گئے، اب صرف سیرت کے لفظ سے کسی دنیا میں کوئی دوسری شخصیت نہیں ابھرتی، نہ لفظ مدینہ سے انسانی ذہن کسی اور شہر کی طرف

جا تا ہے، بل کہ اس سے مراد صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہر ہی ذہن میں آتا ہے۔ یہ بے جان لفظ تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے منسلک ہوئے تو وہ ہمیشہ کے لیے ان کے ہی ہو کر رہ گئے۔ کاش ہم بھی آپ کی ذات سے وابستہ ہو کر ہمیشہ کے لیے زندہ اور محفوظ ہو سکیں۔

اعجاز سیرت کے یہ چند پہلو ہمارے ذہن میں رہیں تو سیرت کا مطالعہ ہمارے لیے ہماری اپنی شناخت اور معرفت نبوی کے حصول کا ایک تاریخی سفر بن جاتا ہے، جس کے ذریعے ہم نئی حقیقتیں جاننے میں کام یاب ہو سکتے ہیں۔

سوالات

۱۔ اعجاز سیرت سے کیا مراد ہے؟
۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کے امتیازی پہلو بیان کیجیے۔
۳۔ سیرت طیبہ کے کس پہلو نے آپ کو زیادہ متاثر کیا؟

عربوں کی خوبیاں اور خامیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے اللہ تعالیٰ نے عربوں کا انتخاب اسی لیے فرمایا تھا کہ ان میں بہت سی خوبیاں ایسی تھیں، جو ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی تھیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں بہت سی خرابیاں بھی موجود تھیں۔

خامیاں

یہاں عربوں کی خامیوں اور خوبیوں کا ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، کیوں کہ عام طور پر ان کی خرابیاں ہمیں یاد رہتی ہیں، مگر خوبیوں کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔

بت پرستی

عربوں کی سب سے بڑی خامی ان کی بت پرستی ہے، اس کا آغاز عمر بن لحی خزاعی نے کیا، اس نے بلادِ شام کا سفر کیا اور وہیں سے یہ بدعادت عرب میں منتقل کیں۔ عمرو بن لحی ایک بار شدید بیمار ہوا، اسے بتایا گیا کہ شام کے علاقے بلقا میں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے، اس سے نہانے والا شخص شفایاب ہوجاتا ہے، چناں چہ وہ وہاں پہنچا اور اس چشمے سے نہا کر اس کی بیماری جاتی رہی۔ پھر اس نے اہلِ بلقا کو بتوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کے ذریعے بارش طلب کرتے ہیں اور دشمن کے مقابلے میں مدد حاصل کرتے ہیں، یہ سن کر عمرو نے ان سے یہ بت مانگے اور انہیں مکے لے آیا اور کعبۃ اللہ کے اردگرد نصب کر دیا۔

مشرکین میں خدا کا تصور

مشرکینِ عرب کے ہاں ایک خدا کا تصور موجود تھا، مگر وہ دھندلا چکا تھا۔ قرآن کریم نے

اس کا ذکر کیا ہے، چناں چہ چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

اگر تو ان سے پوچھے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔(الزخرف:۸۷)

اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔(العنکبوت:۶۱)

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا اور اس کے ذریعے سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو کس نے زندہ کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔(العنکبوت:۶۳)

ان سے پوچھو کہ تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے، ساعت اور بینائی کی قوتیں (جو تمہیں حاصل ہیں) کس کے اختیار میں ہیں اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے کون نکالتا ہے اور کون اس نظمِ عالم کی تدبیر کرتا ہے۔ تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔(المؤمنون:۸۴۔۸۵)

کہانت

عربوں میں کہانت عام تھی کاہن آئندہ ہونے والے واقعات اور آسمانی خبروں کے بارے میں بتاتے تھے۔ یہ کام عورتیں بھی کرتی تھیں۔ کاہنوں کے بارے میں عربوں کا عام اعتقاد یہ تھا کہ ان کے ساتھ ایک جن رہتا ہے جو ان کو سب خبریں دیتا رہتا ہے۔ یہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی کاہن خیال کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ بھی کوئی جن یا شیطان رہتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔ شیطان ہر جھوٹے گناہ گار پر اترتے ہیں۔ وہ سنی سنائی بات القا کرتے ہیں اور اکثر وہ جھوٹے ہوتے ہیں۔(الشعراء:۲۲۱)

کاہن غیب کی باتیں بتاتے وقت اپنے اوپر خاص کیفیت طاری کرتے۔ یہ لوگ اجرت اور نذرانے کے طور پر بڑی بڑی رقمیں لیتے تھے۔ کاہنوں میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے

تھے، وہ بعد میں اپنے فریب اور دھوکے کا کھل کر اعتراف کرتے تھے۔

فال

اہل عرب کی ایک عادت فال یا شگون لینے کی بھی تھی، وہ مختلف طریقوں سے شگون لیتے تھے، کبھی پرندے اڑا کر فال نکالتے، اگر وہ دائیں جانب اڑ کر جاتا تو اسے نیک گمان کیا جاتا اور اگر بائیں طرف مڑ جاتا تو اسے بدشگونی سے تعبیر کیا جاتا، اسی طرح اچانک کان میں پڑنے والی آواز اور اچانک نظر آنے والی چیزوں سے بھی فال لیتے تھے۔ فال نکالنے کے لیے انہوں نے تیر بھی مخصوص کر رکھے تھے، انہیں ازلام کہا جاتا تھا، قرآن کریم نے دیگر برائیوں کے ساتھ اس کا ذکر کر کے اسے شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ (المائدۃ: ۹۰)

اوہام پرستی

اوہام پرستی بھی ان کے اعتقاد کا حصہ تھی، ان کا عقیدہ تھا کہ اگر سانپ کو مارا جائے تو اس کا جوڑا آ کر بدلہ لیتا ہے۔ اسی طرح ان کا عقیدہ تھا کہ آدمی کے پیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے۔ اونٹنی جب دس بچے جن لیتی تو اس کو آزاد چھوڑ دیتے۔ جب قحط پڑتا تو بھیڑ یا دنبے کی دم میں گھاس پھونس باندھ کر آگ لگا دیتے۔ ان کے خیال میں ایسا کرنے سے بارش ہوگی۔ سفر میں راستہ بھول جاتے تو کپڑے الٹ کر پہن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے راستہ مل جائے گا۔ اسی قسم کے بے شمار اوہام عربوں میں عام تھے۔

جنگ جوئی

بات بات پر لڑ مرنا اور ایک دوسرے کو قتل کر دینا عربوں کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ مختلف خاندان اور قبیلے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے۔ لڑکوں کو بچپن ہی سے ذہنی طور پر باپ اور عزیزوں کے قتل کا انتقام لینے کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ وہ جوان ہو کر اس کام کو مقدس فرض سمجھ کر سر انجام دیتے تھے۔ اس طرح ان میں لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم رہتا، جنگوں کے تسلسل کی وجہ سے جنگ جوئی عربوں کے مزاج میں داخل ہوگئی تھی، اس لیے وہ اس کی تیاریاں کرتے، اسلحہ اور گھوڑے جمع کرتے اور شعرا اس کا خوب تذکرہ کرتے تھے، اسی

لیے عربوں کی شاعری جنگوں اور جنگ جوئی کے تذکرے سے بھری پڑی ہے۔

شراب نوشی

عربوں میں شراب نوشی عام تھی، بل کہ اس کا نہ پینا، نامانوس تھا، شراب پینے پلانے میں مال اڑا دینا ان کے ہاں بہادری کا کام سمجھا جاتا تھا، دوست واحباب جب کسی گھر میں جمع ہوتے تو شراب کا دور چلتا اور فاحشہ مغنیہ عورتیں گاتی بجاتیں، اور کبھی نشے میں سرشار ہوکر صاحب خانہ اس بے جا فیاضی پر فخر کرتے۔ غرض شراب نوشی کا یہ عالم تھا کہ جب بدر میں قریش کے سردار مارے گئے تو ان کے مرثیے میں قریش کا ایک شاعر خاص طور پر ان کی بزم شراب اور مجلس رقص کی بربادی کا ماتم کرتا ہے۔ شراب کے عام ہونے کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے ڈھائی سو نام ہیں۔

قمار بازی

قمار بازی بھی عام تھی، جو اونٹوں کے ذریعے کی جاتی تھی۔ اونٹوں کو ذبح کرکے ان کے گوشت کو دس حصوں میں تقسیم کراپر جوا کھیلتے تھے۔ قمار بازی کی محفلوں میں شریک نہ ہونا ایک قومی عار تھا اور جوے میں شرکت کو سخاوت اور کشادہ دلی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

سود خوری

عربوں میں سود خوری بھی عام تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی تجارت نہایت وسیع پیمانے پر تھی، سود خوری میں بھی ان کی بہت شہرت تھی، چناں چہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کی حرمت کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے ان ہی کے سود کو باطل قرار دیا۔

لوٹ مار

عرب کا ہر قبیلہ غارت گر اور راہ زن بنا ہوا تھا، وہ ایک دوسرے کا مال و دولت اور مویشی لوٹ لیتے تھے، تاجروں کے قافلے، بھاری تاوان ادا کیے بغیر کسی علاقے سے سلامتی کے ساتھ نہیں گزر سکتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی اور قبیلے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا۔ اس طرح ملک میں مسلسل

قتل وغارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری تھا۔

چوری

عرب بدوؤں میں چوری جتنی عام تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مردوں اور عورتوں سے جو اسلام قبول کرنے آتے تھے دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ یہ عہد بھی لیتے تھے کہ آئندہ وہ چوری نہیں کریں گے۔ قرآن کریم میں سورۂ ممتحنہ کی آیت نمبر ۱۲ میں عورتوں سے بھی اس عہد کا حکم موجود ہے۔

سفاکی و بے رحمی

دن رات کی لوٹ مار اور کشت وخون سے ان میں درندگی کے اوصاف پیدا ہو گئے تھے، مثلاً زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ کر تیراندازی کی مشق کرتے۔ منت مانتے کہ دشمن کو قتل کرکے اس کی کھوپڑی میں شراب پییں گے۔ دو درختوں کی ٹہنیوں کو جھکا کر مجرم کے اعضا کو ان میں باندھ دیتے اور ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے، جس سے مجرم کا بدن چر کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا۔ عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے، جس سے ان کے جسم کے چیتھڑے اُڑ جاتے۔ کبھی آدمی کو کوٹھڑی میں قید کرکے اس کا کھانا پینا بند کر دیتے، یہاں تک کہ وہ بھوک و پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔

جہالت

عربوں میں حرام وحلال کی تمیز نہ تھی، ہر چیز کھاتے تھے۔ کیڑے مکوڑے ان کی غذا تھی۔ خون کو جما کر اس کی قاشیں بنا کر کھانا، مردار کھانا عام بات تھی۔ چمڑے کو آگ میں بھون کر کھا لیتے، گردن مروڑ کر، ڈنڈے سے مار کر اور درندوں کا مارا ہوا سب کھا جاتے۔

فحاشی اور بے حیائی

عرب معاشرے میں شرم وحیا کا عام تصور موجود نہ تھا، بعض لوگ خانہ کعبہ کا ننگے ہو کر طواف کیا کرتے تھے، بعض حتی کہ عورتیں بھی طواف کرتے ہوئے ستر پوشی کا خیال نہ رکھتی تھیں، عام طور پر نہاتے ہوئے بھی پردہ کرنے کا رواج نہ تھا، قضائے حاجت کے وقت بھی

پردہ نہ کرتے تھے۔ بدکاری عام تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دور جاہلیت میں عرب اگرچہ علانیہ زنا کو جائز قرار نہیں دیتے تھے مگر چوری چھپے کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔

رئیس بدکاری کی نیت سے باندیاں رکھتے تھے اور انہیں اس گندی اور بے ہودہ حرکت پر مجبور کیا کرتے تھے اور ان کی بدکاری سے حاصل آمدنی بہ خوشی استعمال میں لاتے تھے۔

عورتوں پر مظالم

عورت کی حالت بھی نہایت قابل رحم تھی، عورتیں ان کے ہاں مملوکہ سامان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں، اس بنا پر باپ کے وفات پا جانے کے بعد اپنی حقیقی ماں کو چھوڑ کر اس کی دوسری بیویوں پر وراثتاً قبضہ کر لیا جاتا تھا، لڑائیوں میں مفتوحہ قبائل کی عورتیں فاتحین کے قبضے میں آجاتی تھیں اور وہ ان پر ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتے تھے، اسی طرح وہ وراثت کی حق دار بھی نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ مختلف قبائل میں عورت کو باعث ننگ و عار قرار دے کر انہیں بچپن ہی میں زندہ درگور کر دینے کا رواج عام تھا اور بعض قبائل بھوک و افلاس کے ڈر سے مرد و عورت کی تخصیص کے بغیر بھی اپنی اولاد کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قرآن کریم میں دونوں گروہوں کا ذکر ہے، پہلے گروہ کا ذکر سورۂ تکویر میں ہے، روز قیامت سوال ہوگا:

> اور جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس جرم میں قتل کی گئی؟ (التکویر: ۸۔۹)

اور بھوک کے خوف سے اولاد کو مار ڈالنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

> اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے نہ مار ڈالو، ان کو بھی ہم روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ (بنی اسرائیل: ۳۱)

عورتوں کو ازدواجی تعلقات میں بھی کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ مرد جتنی بیویاں چاہے اپنے عقد میں رکھ سکتا تھا۔ طلاق کے لیے بھی کوئی مدت مقرر نہ تھی، شوہر جب چاہے اور جتنی بار چاہے طلاق دے کر رجوع کر سکتا تھا۔ وہ بہ یک وقت دو بہنوں کو بھی نکاح میں رکھ سکتا تھا۔

عربوں کی بعض خوبیاں

جیسا کہ عرض کیا گیا، اہل عرب میں ان بہت سی خرابیوں کے باوجود کچھ ایسی خوبیاں بھی

تھیں جو انہیں اقوام عالم میں ممتاز کرتی تھیں، ان ہی فطری اور قدرتی خصوصیات کی بنا پر انہیں اللہ نے نبوت و رسالت اور تعلیم شریعت کا اہل سمجھا۔ یہاں چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں۔

صحتِ نسب

پہلی خصوصیت ان کی صحتِ نسب ہے۔ شمالی عرب کے تمام قبائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ان کی نسل سے تھے اور یہ اس قدر مضبوط دعویٰ ہے کہ کسی نے ان کی تردید کی ہمت نہیں کی۔ اہلِ عرب کے ہاں اپنی اس خصوصیت کی بہت اہمیت تھی اور آباو اجداد کے ناموں اور شجروں کو یاد رکھنا ہر ایک کا خاندانی فریضہ تھا، اسی لیے ان کی شاعری اپنے نسب پر فخر کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔

آزادی

عرب شروع سے لے کر اسلام کی آمد تک ہر غیر قوم کی حکم رانی سے آزاد رہا، اس نے کبھی کسی کی غلامی قبول نہیں کی، بابل کے بختِ نصر اور یونانیوں و رومیوں سے لے کر اسکندر اور اس کے بعد آنے والے رومی سپہ سالاروں تک جس کسی نے بھی اس طرف نظر اٹھائی تو قدرت نے ہمیشہ اسے شکست دی۔ ملکِ عرب اس وقت کی دو طاقتوں ایران اور روم کی سرحدوں پر واقع تھا، مگر دونوں طاقتیں اس کی طرف پیش قدمی سے قاصر رہیں۔

ایک بار گستاخ حبشیوں نے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی کوشش کی تو قدرت نے انہیں تباہ کر دیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ انتظام اس لیے تھا کہ کوئی دوسری طاقت ان کی صلاحیتوں کو استعمال نہ کر سکے اور ان کی آزادی کی روح برقرار اور فاتحانہ طاقت قائم رہے اور اسلام اور اسلامی حکومت کے قیام و بقا اور استحکام میں کام آئے۔

کتابی تعلیم سے ناآشنائی

قرآنِ کریم کے نازل ہونے تک وہ ہر قسم کے کتابی علم سے ناآشنا تھے، اس بنا پر بھی وہ خارجی اثرات سے محفوظ تھے۔ قدرت نے انہیں اُمیّ (ان پڑھ) رکھا تھا، تاکہ وہ اُمیِّ معلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی تعلیم کو قبول کرنے کے لیے پوری طرح تیار رہیں۔

وسطِ زمین میں آباد ہونا

عربوں کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ جس علاقے میں آباد تھے، وہ دنیا کے عین وسط میں ہے جو کہ دعوتِ اسلام کی اشاعت اور مشرقی و مغربی قوتوں کے زور کو توڑنے کے لیے نہایت موزوں اور مناسب تھا۔

شجاعت و بہادری

اس کے ساتھ ساتھ عرب بہت سی اخلاقی خوبیوں کے بھی جامع تھے، وہ حد سے زیادہ شجاع و بہادر اور خطرات سے بے خوف تھے، اسی وجہ سے انہوں نے تمام دنیا کی قوموں اور سلطنتوں کا تن تنہا اور نہایت ناموزوں اسلحے کے ساتھ مقابلہ کیا اور انہیں شکست دینے میں کام یاب رہے، شجاعت کے ساتھ ساتھ پر جوش بھی تھے، اس لیے جس دعوت و تحریک کو لے کر اٹھے، اسے پوری دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا۔

حق گوئی

عرب بہادری کے ساتھ ساتھ دل کے بھی صاف اور سچے تھے، جو بات ان کے دل میں ہوتی تھی وہی ان کی زبان پر ہوتی تھی۔ وہ نفاق سے واقف نہ تھے۔ وہ یا تو کھلے دشمن تھے یا کھلے دوست۔ جس بات کو وہ حق سمجھتے تھے اس کا اظہار کرنے میں انہیں کچھ خوف نہیں ہوتا تھا۔

عقل و دانش

اہلِ عرب گو ظاہری اعتبار سے ان پڑھ تھے، مگر فطری طور پر عقل و دانش سے خوب بہرہ مند تھے، اور بعض حضرات تو اس میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ صحابۂ کرام کی علم، مذہب، اخلاق اور سیاست میں نکتہ سنجیاں ان کی عقل و دانش کی واضح دلیلیں ہیں۔

ذہانت و حافظہ

عربوں کا حافظہ بھی خوب تھا، ان کے شعرا بڑے بڑے قصیدوں کو زبانی پڑھتے تھے، اسی وجہ سے جب قرآنِ کریم نازل ہوا تو صحابۂ کرام قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتوں کو آسانی

کے ساتھ زبانی یاد رکھتے تھے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تو پورے قرآن کے حافظ تھے، اہلِ عرب کی اس خصوصیت کا فائدہ یہ ہوا کہ احادیث اور واقعات وسیر کا بہت بڑا سرمایہ تحریر کے بغیر ہی محفوظ ہو گیا اور پھر وہ ذخیرہ ایک سے دوسرے کو پوری ذمے داری اور حفاظت کے ساتھ منتقل ہوتا رہا۔ اس خصوصیت نے اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔

ادبی صلاحیتیں

عربوں کا ادب بنیادی طور پر ان کی شاعری تھی، ان کے ہاں شاعری کو جو اہمیت حاصل تھی وہ شاید ہی کسی اور قوم کے ہاں حاصل ہو، جاہل سے جاہل عرب شاعر، شعر فہمی میں مستند تھا، عربوں کے ادب کے چار بنیادی عناصر تھے، زبان دانی، شاعری، امثال وکہاوتیں، اور ماضی کی لڑائیوں وغیرہ کے قصے کہانیاں۔ حجاز میں خاص طور پر مکہ مکرمہ تجارت وادب کا بڑا مرکز تھا، اور حج کے موقع پر اطراف وجوانب سے لوگ یہاں آتے تھے اس موقع پر ادبی محفلوں کا انعقاد ہوتا تھا اور شعر وادب کی محفلیں جمتی تھیں۔

سخاوت وفیاضی

اہل عرب ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ فیاض اور مہمان نواز بھی تھے، ہم سایوں اور پناہ گزینوں کی امداد میں اپنی جان تک لڑا دیتے تھے، کھڑے کھڑے اونٹوں کو ذبح کر کے کھلا دینا، جوئے میں جیتی ہوئی رقم کو دوستوں کی دعوت میں اڑا دینا اور شراب کی محفلوں پر سیکڑوں ہزاروں لٹا دینا ان کا قومی شعار تھا۔ ان کی یہ صفت بھی اسلام کے فروغ میں بہت کام آئی، اور اسلام نے ان کے اس جذبے کو اللہ کے راستے میں صدقے وخیرات میں تبدیل کر دیا، اور ان کا یہ اصلاح شدہ جذبہ مشکل اوقات میں اسلام کے لیے بہت معاون ثابت ہوا۔ ان کے ہاں امانت ودیانت کی بڑی قدر تھی، وہ وعدے اور عہد کے بڑے پکے تھے اور اپنے قول کی پاس داری کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے بھی تیار رہتے تھے۔

یہی وہ خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عرب کو اس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے منتخب کیا جو قیامِ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہادی ورہبر بنا کر مبعوث کیے جانے والے تھے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سیاسی واجتماعی نظام

عرب کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کا اندزِ بود و باش خالصتاً خانہ بدوشانہ اور قبائلی طرز کا تھا اور ان میں کسی قسم کا ریاستی نظم ونسق یا حکومتی انتظام وانصرام موجود نہیں تھا، حال آں کہ یہ بات کلی طور پر درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ قصی کے دور سے قبل عرب کی یہی کیفیت تھی اور اس سے پہلے تک عرب بدوی تھے، مگر رسول اللہ ﷺ کے جدِ امجد قصی نے قریش کو مجتمع کر کے ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی، جس میں بہت سے شعبے قائم کیے اور انہیں ایک حکومت کے تحت یک جا کیا۔قصی نے قریش کو بارہ قبائل میں تقسیم کر کے بعض کو مکے کے اطراف میں سے بیت اللہ کے اطراف میں بسایا، انہیں قریشِ بطائح کہا جاتا ہے، اور دیگر قبائل کو ظواہرِ مکہ میں آباد کیا، یہ قریشِ ظواہر کہلاتے ہیں، اس واقعے سے قریش کی تنظیم سازی کی ابتدا ہوئی۔

قصی اپنی تشکیل کردہ ریاست کے خود سر براہ تھے اور ان کے پاس سقایہ (حاجیوں کے کھانے پینے کی ذمے داری) رفادہ (حاجیوں کی مالی اعانت) حجابت (کعبۃ اللہ کی دربانی) ندوۃ (دارالمشورہ کا انتظام) لوا (علم برداری) اور قیادت جیسے تمام اہم مناصب تھے۔ان کے بعد یہ تمام عہدے ان کے بیٹے عبدالدار کی طرف منتقل ہو گئے۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کی بعثت کے وقت تک قریش ایک منظم اور مربوط سیاسی نظام قائم کرنے میں کام یاب ہو چکے تھے۔

سوالات

۱۔رسول اللہ ﷺ نے عربوں کی کن کن خامیوں کو خوبیوں میں تبدیل کیا؟

۲۔زمانہ جاہلیت کی کون سی برائیاں آج ہمارے معاشرے میں عام ہو گئی ہیں؟

۳۔خواتین کو احترام دلانے میں اسوہ حسنہ کا کردار بیان کیجیے۔

نسب مطہر اور اجداد کا تعارف

سیرتِ طیبہ کا ایک اہم عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب اطہر بھی ہر طرح سے ممتاز ہے، اور آپ کو دوسرے تمام قبائل اور نمایاں افراد سے نمایاں کرتا ہے، چناں چہ مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے پوچھا: میں کون ہوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، بلاشبہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بہتر لوگوں میں رکھا، پھر ان کے دو گروہ بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین گروہ میں رکھا، پھر ان کے کئی قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں پیدا کیا، پھر ان کے کئی گھرانے بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین گھرانے میں پیدا کیا اور اسی طرح بہترین ذات میں بھی۔

اشرس خراسانی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی پیغمبر کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی، چناں چہ جب پیغمبروں کی ازواج کا فاجرہ ہونا منصب نبوت و رسالت کے منافی ہے تو انبیا و رسل کی امہات وجدات کا غیر عفیف ہونا بہ درجہ اولیٰ منصب نبوت و رسالت کے منافی ہوگا، اس لیے کہ مادری رشتہ زوجیت کے رشتے سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب ہرقل قیصر روم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسب ونسب کے بارے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ حسب ونسب میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بڑھ کر کوئی نہیں، یہ سن کر ہرقل نے کہا تھا کہ یہ بھی نبوت کی ایک علامت ہے۔

عدنان تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

حضرت ابو القاسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

یہاں تک سلسلہ نسب صحیح احادیث سے ثابت ہے، تمام نسب دان بھی اس پر متفق ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اسی طرح عدنان کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا بھی سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

والدہ کا نسب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ تھا۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:

آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرۃ بن کعب۔ یعنی کلاب بن مرۃ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کا نسب مبارک جمع ہو جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اپنا نسب بیان فرماتے تو عدنان سے آگے بیان نہ فرماتے اور عدنان پر رک کر یہ فرماتے کہ نسب دانوں نے غلط کہا یعنی نسب دان عدنان کے بعد جو کچھ کہتے ہیں وہ بلا تحقیق کہتے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ کہ وہ تمام انساب کا علم رکھتے ہیں بالکل غلط ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو ان کا علم نہیں، اسی مضمون کی روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔

اجداد کا تعارف

عدنان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے خود بیان کردہ اپنے نسب میں آخر میں عدنان کا نام آتا ہے۔عدنان کے دو بیٹے مشہور ہیں۔ عک بن عدنان اور معد بن عدنان، جنہوں نے حجاز سے اٹھ کر یمن میں اپنی سلطنت قائم کر لی تھی۔ اکثر اہل سیر عدنان کے صرف ان ہی دو لڑکوں کا ذکر کرتے ہیں، البتہ علامہ سہیلی نے عدنان کے دو لڑکے اور ذکر کیے ہیں۔ ایک حارث اور دوسرے مذہب، پھر ایک اور نام ضحاک ذکر کر کے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ عدنان کا لڑکا ہے یا معد بن عدنان کا۔اس کے علاوہ علامہ سہیلی نے عدنان کے دو بھائیوں کا ذکر بھی کیا ہے،جن کے نام نبت اور عمرو ہیں۔

مُعَدّ بن عدنان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب میں عدنان کا بیٹا مُعد آتا ہے۔ یہ میم کے پیش اور عین کے زبر کے ساتھ ہے۔ان کی کنیت ابونزار تھی۔ یہ بڑے بہادر اور جنگ جو تھے۔ان کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ معد کے معنیٰ افساد ہے۔انہوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ بہت سی جنگیں لڑیں اور ہر بار کامیاب و کامران لوٹے ،اس لیے ان کا نام معد پڑ گیا۔

نِزَارُ بن مُعَدّ

معد کے بیٹے نزار ہیں،ان کی کنیت ابوایاد تھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی کنیت ابوربیعہ تھی نزار، نزر سے مشتق ہے جس کے معنی قلیل کے ہیں۔ یہ چوں کہ اپنے زمانے میں یکتا تھے یعنی ان کی مثال کم تھی، اس لیے ان کا نام نزار ہو گیا۔مواہب لدنیہ میں ان کی وجہ تسمیہ یہ مذکور ہے کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کے والد نے ان کی آنکھوں کے درمیان نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

مشاہدہ کیا۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا اور کہا کہ یہ سب کچھ نزر یعنی تھوڑا سا طعام ہے۔ اس نومولود کے حق کے مقابلے میں، اس پر ان کا نام نزار مشہور ہوگیا۔ ماوردی نے ان کا نام خلدان ذکر کیا ہے۔ یہ اپنے زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ حسین وجمیل اور سب سے زیادہ عقل مند تھے۔

۴۔ مُضَرُ بن نزارُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب میں نزار کے بیٹے مضر آتے ہیں، یہ میم کے پیش اور ضاد کی زبر کے ساتھ ہے۔ یہ بڑے حکیم و دانا اور نہایت خوش آواز تھے۔ ان کا اصل نام عمرو تھا، ابو الیاس کنیت اور مضر لقب تھا۔ زرقانی میں وجہ تسمیہ اس طرح مذکور ہے کہ مضر، ماضر سے مشتق ہے، جس کے معنی ترشی کے ہیں۔ ترشی اور دہی سے ان کو بڑی رغبت تھی۔ اس لیے ان کا نام مضر پڑ گیا۔

ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام الیاس اور دوسرے کا نام عَیلان تھا۔ ان کی ماں بنو جرہم سے تھی۔

۵۔ اِلیاسُ بن مُضَرُ

شجرۂ نبوی میں مضر کے بیٹے الیاس آتے ہیں۔ الیاس ہمزہ کے زبر اور زیر دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابو عمرو اور لقب کبیر قوم تھا۔ ان کی وجہ تسمیہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ ان کے والد کے ہاں بڑی عمر تک اولاد نہیں ہوئی۔ پھر ان کی ولادت اس وقت ہوئی جب وہ مایوس ہو چکے تھے، اس لیے ان کا نام الیاس پڑ گیا۔

ابن ہشام نے ابن اسحاق کا قول ذکر کیا ہے کہ الیاس کے تین بیٹے تھے۔ ۱۔ مُدْرِکہ، ۲۔ طَابخہ ۳۔ قُمعہ۔ مدرکہ کا نام عامر اور طابخہ کا نام عمرو تھا۔ تینوں کی ماں کا نام خندف تھا، جو یمن کی رہنے والی تھیں۔

۶۔ مُدْرِکہ بن الیاس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب میں الیاس کے بعد ان کے بیٹے مدرکہ آتے ہیں۔ مدرکہ میم

کی پیش اور را کی زیر کے ساتھ ہے۔ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے مدرکہ کا نام عامر ذکر کیا ہے۔مدرکہ بن الیاس کے دو بیٹے تھے۔ا۔خزیمہ۔۲۔ہذیل۔ان کی ماں قضاعہ قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔

۷۔خُزیمہ بن مُدرکہ

پھر مدرکہ کے بعد ان کے بیٹے خزیمہ آتے ہیں۔ابن عباس فرماتے ہیں کہ خزیمہ بن مدرکہ ملت ابراہیمی پر تھے۔ان کے چار بیٹے تھے۔کنانہ،اُسد،اسدہ اور ہون۔ان میں سے کنانہ کی ماں عوانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان بن مضر تھی۔

۸۔کنانہ بن خزیمہ

خزیمہ کے بعد ان کے بیٹے کنانہ آتے ہیں۔کنانہ کاف کے زیر اور نون کے زبر کے ساتھ ہے۔ان کی کنیت ابونضر تھی۔کنانہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ کنانۃ سے مشتق ہے اور کنانہ ترکش کو کہتے ہیں۔جس طرح وہ تیروں کو چھپاتا اور ان کی حفاظت کرتا ہے،اسی طرح وہ اپنی قوم کے لیے ساتر تھے۔

ابو عامر عدوانی سے منقول ہے کہ کنانہ اہل عرب میں جلیل القدر حیثیت کے مالک تھے اور عرب ان کے علم وفضل کی وجہ سے ان کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔

۹۔نَضر بِن کِنانہٗ

کنانہ کے بیٹے نضر ہیں۔نضر نون کے زبر اور ض اور را کے سکون کے ساتھ ہے۔نضر کے معنی سرخ ہونے کے ہیں۔نضر حسین وجمیل تھے،اس لیے ان کا لقب نضر پڑ گیا۔

ان کا اصل نام قیس اور کنیت ابو یخلد تھی۔ابن اسحاق نے نضر کے دو بیٹے بیان کیے ہیں۔ ایک کا نام مالک تھا اور دوسرے کا نام یخلد تھا۔ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مالک بن نضر کی ماں عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان تھی اور یخلد کی ماں کے بارے میں کچھ علم نہیں۔

نضر کے بیٹوں میں تین نام بیان ہوئے ہیں:ا۔مالک،۲۔یخلد،۳۔صلت،ان کے نزدیک ان تینوں کی ماں بنت سعد بن ظَرِبُ العدوانی ہے۔

۱۰۔ مالک بن نضر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب میں نضر کے بیٹے مالک آتے ہیں۔ زرقانی نے مالک کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ وہ عرب کے ملک یعنی بادشاہ تھے۔ ان کی کنیت ابوالحرث تھی۔ ابن اسحاق، ابن کثیر، ابن ہشام اور زرقانی سمیت تمام بڑے سیرت نگار اور مورخین مالک کے صرف ایک لڑکے فہر کا ذکر کرتے ہیں، جس کی ماں جندلہ بنت حارث بن مضاض الجرہمی تھی۔ زرقانی نے مالک کی کنیت ابوالحرث ذکر کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک کے ایک بیٹے کا نام حرث تھا۔

۱۱۔ فِہر بن مالک

مالک کے بعد فہر آتے ہیں۔ فہر فا کی زیر اور ھا اور را کے سکون کے ساتھ ہے۔ عربی میں فہر بڑے پتھر کو کہتے ہیں جس سے ہتھیلی بھر جائے۔ زہری سے نقل کیا گیا ہے کہ فہر کی ماں نے ان کا نام قریش رکھا تھا اور ان کے والد مالک بن نضر نے فہر نام رکھا۔ ایک قول یہ ہے کہ فہر نام ہے اور قریش لقب ہے اور دوسرا قول اس کے برعکس ہے یعنی قریش نام ہے اور فہر لقب۔

قریش تقرش سے مشتق ہے اور تقرش تفریق کے بعد جمع ہونے کو کہتے ہیں، چوں کہ یہ سب متفرق تھے اور قصی بن کلاب کے زمانے میں حرم میں جمع ہو گئے، اس لیے انہیں قریش کہتے ہیں۔ ابن کثیر نے دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ قریش تقرش سے مشتق ہے اور تقرش کے معنی کسب وتجارت کے ہیں۔

قریش فہر کی اولاد کو کہتے ہیں اور جو فہر کی اولاد میں سے نہیں وہ کنانی ہے۔ ان کی تائید میں ترمذی و مسلم کی واثلہ بن اسقع کی روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں کنانہ کو چنا، کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا، قریش میں سے ہاشم کا انتخاب ہوا اور بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب کیا۔

۱۲۔ غالب بن فِہر

فہر کے بعد ان کے بیٹے غالب ہیں۔ ان کی کنیت ابو تیم تھی، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ

غالب بن فہر کے دو بیٹے تھے۔ ایک لوی بن غالب اور دوسرا تیم بن غالب تھا۔ دونوں کی والدہ سلمٰی بنت عمرو خزاعی تھیں۔ تیم کی اولاد کو بنوادرم کہا جاتا ہے۔ ابن کثیر اور ابن ہشام نے غالب کے تین بیٹے لکھے ہیں۔ تیسرے بیٹے کا نام قیس تھا۔ اس کی ماں بھی سلمٰی ہی تھیں۔

۱۳۔ لوی بن غالب

غالب کے بیٹے لوی ہیں، ان کی کنیت ابو کعب تھی۔ ان کی اولاد کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کے چار بیٹے تھے۔ کعب، عامر، سامہ اور عوف، کعب، سامہ اور عوف کی ماں قبیلہ قضاعہ کی مادیہ بنت کعب بن القین بن جَسْر تھیں اور عامر بن لوی کی ماں، مخشیہ بنت شیبان بن محارب بن فہر تھیں۔ ابن ہشام اور ابن کثیر نے مزید تین نام ذکر کیے ہیں، حارث، سعد اور خزیمہ۔

۱۴۔ کعب بن لُوی

لوی کے بیٹے کعب ہیں، ان کی کنیت ابو ہُصَیص تھی، کعب بہت بلند مرتبہ اور جاہ وجلال والے تھے۔ عرب میں ان کا سن پیدائش جاری ہو گیا تھا۔ جو واقعۂ فیل تک تقریباً چار صدی جاری رہا۔ اصل میں عربوں کے ہاں کئی بڑے واقعے سے سن جاری کرنے کا رواج عام تھا۔

جمعے کے دن لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دینے کا طریقہ سب سے پہلے کعب ہی نے جاری کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کر کے لوگوں کو نیکی اور صلہ رحمی کرنے کی نصیحت کرتے اور کہتے کہ میری اولاد میں ایک نبی ہونے والے ہیں، تم ان کی اتباع کرنا۔

اس سے قبل جمعہ کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ کعب ہی نے اس کا نام جمعہ رکھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی مدینے میں آمد کے بعد اہل مدینہ نے یہ نام رکھا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب عدی سے اور مشہور صحابی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب بنو سہم سے جا ملتا ہے۔

۱۵۔ مُرَّ ۃ بن کعب

کعب کے بیٹے مُرّہ ہیں، مرہ کی کنیت ابو یقظہ تھی۔ مرۃ میم کے پیش کے ساتھ ہے۔ یہ

مرارۃ سے مشتق ہے جس کے معنی تلخی کے ہیں۔ عرب کے لوگ بہادر شخص کو مرہ کہتے تھے، کیوں کہ وہ اپنے دشمنوں کے لیے بہت تلخ ہوتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب تیم سے ملتا ہے اور حضرت خالد بن ولید اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما اور ابوجہل، مخزوم بن یقظۃ کی اولاد میں سے تھے۔

۱۶۔ کِلابُ بن مرّۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب میں مرہ کے بیٹے کلاب آتے ہیں۔ یہ کاف کی زیر کے ساتھ ہے۔ یہ بڑی تعداد میں شکاری کتے رکھتے تھے، اس لیے کلاب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے نام کے بارے میں کئی روایتیں ہیں۔ علامہ قسطلانی نے حکیم ذکر کیا ہے۔ الحکیم (الف لام کے ساتھ) بھی آتا ہے۔ مغلطائی نے عروہ ذکر کیا ہے اور ابن سعد نے ان کا نام مہذب بیان کیا ہے۔

کلاب بن مرۃ کے دو بیٹے تھے۔ قصی بن کلاب اور زہرہ بن کلاب۔ دونوں کی والدہ قبیلہ بنی جدرہ کی ایک خاتون فاطمہ بنت سعد بن سَیَل تھیں۔

۱۷۔ قُصَی بن کِلابُ

پھر کلاب کے بیٹے قصی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب ملتا ہے۔ قُصی قاف کے پیش کے ساتھ ہے۔ ان کا نام زید تھا۔ قُصَیّ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بچپن میں اپنے وطن سے دور جا کر رہے۔ قصی بڑے حکیم و دانا تھے ان کی حکمت کی باتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو شخص کسی کمینے کا اکرام کرے وہ بھی اس کے کمینے پن میں شریک ہے۔ جو اپنے مرتبے سے زیادہ طلب کرے وہ محرومی کا مستحق ہے اور حاسد چھپا ہوا دشمن ہے۔ مرتے وقت انہوں نے اپنی اولاد کو نصیحت کی کہ شراب سے پرہیز کرنا، وہ بدن کو درست کرتی ہے اور ذہن کو خراب کرتی ہے۔

۱۸۔ عبد مناف بن قصی

قصی کے بعد ان کے بیٹے عبد مناف نسب میں آتے ہیں۔ عبد مناف کا نام مغیرہ تھا۔ ماں

نے سب سے پہلے ان کو مناۃ بت پر جسے مناف بھی کہتے ہیں بھیجا تھا۔اس لیے عبدمناف مشہور ہو گئے۔ یہ بہت ہی حسین و جمیل تھے۔اسی لیے ان کا لقب قمر البطحاء پڑ گیا۔اپنی سرداری کے زمانے میں قریش کو خداترسی و حق شناسی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

۱۹۔ ہاشم بن عبدمناف

عبدمناف کے بیٹے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ امجد جناب ہاشم ہیں۔ان کا اصل نام عمرو ہے اور عمرو العلا کے لقب سے مشہور تھے۔ایک مرتبہ یہ مال تجارت لے کر فلسطین (شام) گئے ہوئے تھے، جہاں ان کو خبر ملی کہ مکے میں آٹا کم یاب ہو گیا ہے، چناں چہ انہوں نے شام سے لوٹتے وقت تمام اونٹوں پر روٹیاں اور آٹا لاد لیا۔ مکے پہنچ کر سب لوگوں کی عام دعوت کر دی اور اہل مکہ کو گوشت کے شوربے میں روٹیاں چور کر کھلائیں۔ایسے ان کا لقب ہاشم ہو گیا، کیوں کہ ہشم کے معنی چورہ کرنے کے ہیں۔اس کے بعد ہر سال حج کے موسم میں زائرین کعبہ کو عام دعوت دیا کرتے تھے، اور یہی کھانا جسے عربی میں ثرید بھی کہتے ہیں حاجیوں کو کھلاتے تھے۔

ہاشم کا دسترخوان بہت وسیع تھا۔غریب مسافروں کو سفر کے لیے اپنی طرف سے اونٹ مہیا کرتے تھے۔تجارت کے لیے سال میں دو مرتبہ قافلہ روانہ کرنے کا دستور سب سے پہلے ہاشم نے جاری کیا۔تجارتی قافلہ گرمی میں شام کی طرف اور سردی کے موسم میں یمن کی طرف جاتا تھا۔ ہاشم نے حکومت یمن اور حکومت روم اور عرب قبائل سے معاہدہ کر کے تجارتی راستوں کو محفوظ و مامون کیا۔ایام حج میں ہاشم تمام حاجیوں کو کھانے کے لیے گوشت، روٹی، ستو اور کھجوریں مہیا کرتے اور زم زم پلاتے۔منیٰ اور عرفات میں بھی حاجیوں کو کھانا مہیا کرتے۔

۲۰۔ عبدالمطلب بن ہاشم

ہاشم کی اولاد میں آپ کے دادا عبدالمطلب آتے ہیں۔عبدالمطلب کا نام جمہور کے نزدیک شیبۃ الحمد ہے۔ پیدائش کے وقت ان کے سر میں ایک بال سفید تھا، اس لیے شیبہ لقب پڑ گیا۔

عبدالمطلب کی سخاوت اپنے باپ ہاشم سے بھی زیادہ تھی۔ ان کی مہمان نوازی چرند و پرند تک پہنچ گئی تھی۔ اسی لیے عرب کے لوگ ان کو فیاض اور مطعم طیر السماء (آسمان کے پرندوں کو کھلانے والا) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔انہوں نے شراب کو اپنے اوپر حرام کیا

ہوا تھا۔ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تھا تو خاص طور سے فقرا اور مساکین کو کھانا کھلاتے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم مبارک ''محمدؐ'' عبدالمطلب نے ہی تجویز کیا تھا اور ان ہی کو آٹھ سال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تربیت کا شرف حاصل ہوا۔ ان ہی کی سرداری کے زمانے میں واقعہ فیل کا ظہور ہوا تھا۔

عبدالمطلب کی اولاد کے بارے میں تقریباً سب اہل سیرت ان کے بیٹوں کی تعداد دس ذکر کرتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ بعض حضرت عبداللہ کو اس میں شمار کرتے ہیں اور بعض ان کے علاوہ دس ذکر کرتے ہیں اس طرح کل گیارہ ہوں گے، لیکن جو نام ذکر کیے جاتے ہیں وہ دس سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ابن کثیر اور ابن ہشام وغیرہ نے دس بیٹوں اور چھ لڑکیوں کا ذکر کیا ہے۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں: عباس، حمزہ، عبداللہ، ابوطالب، زبیر، حارث، حجلا، مقوم، ضرار اور ابولہب اور لڑکیاں، صفیہ، ام حکیم البیضاء، عاتکہ، امیمہ، اروٰی اور برہ ہیں۔

عبدالمطلب کی بیٹیوں کی تعداد سب مورخین چھ بیان کرتے ہیں، جن کے نام شروع میں تحریر ہو چکے ہیں۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اجداد کا مختصر تعارف تھا۔

سوالات

۱۔ انسانی شخصیت پر اس کے نسب اور خاندان کا کیا اثر پڑتا ہے؟

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جدامجد فہر بن مالک کے حالات زندگی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پر دادا ہاشم بن عبد مناف کے تاریخی کارناموں کا تذکرہ کیجیے۔

بنو اسماعیل اور رسول اللہ ﷺ

حضرت اسماعیل علیہ اسلام کی مکے آمد

مکہ مکرمہ کی آبادی حضرت ابراہیم، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہم السلام سے شروع ہوتی ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ حضرت اسماعیل کے واسطے سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں، اس لیے ہم اپنا مطالعہ ان ہی سے شروع کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل اور اپنی بیوی ہاجرہ علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مکے پہنچ کر اسی مقام کے قریب جہاں آج خانہ کعبہ ہے، ایک طرف ٹھہرایا اور پھر وہ واپس شام کی طرف لوٹ گئے۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے بچے تھے، اور ان کی والدہ کے پاس اس چٹیل میدان میں چند کھجوروں اور ایک مشکیزے پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔

جب ان کا یہ مختصر سا سامان ختم ہوگیا تو زم زم کے ظہور کا واقعہ پیش آیا۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے وہ عظیم تحفہ عطا کیا جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھانا بھی ہے جو پیٹ بھرتا ہے اور بیماری کے لیے شفا بھی ہے۔

اس واقعے کے بعد کسی وقت یمن سے قبیلہ جرہم بھی یہاں آ کر آباد ہوگیا، قبیلہ جرہم کا اصلی وطن یمن تھا۔ یمن میں قحط کے سبب بنی جرہم معاش کی تلاش میں نکلے تو دوران سفر اتفاقاً حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سے زم زم کے کنوئیں کے قریب ملاقات ہوگئی۔ بنو جرہم کو یہ جگہ پسند آ گئی اور وہ حضرت ہاجرہ کی اجازت سے یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی بنو جرہم میں ہوگئی۔ جب

حضرت اسماعیل نوجوانی کی عمر کو پہنچے تو قربانی کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان جلیل القدر باپ بیٹے کی آزمائش کو دنیا کے لیے ایک ہمیشہ زندہ رہنے والی نشانی بنادیا۔ خدا کا خلیل اس آزمائش میں بھی کامیاب ہوا، اور حضرت اسماعیل کو ذبیح اللہ کا لقب ملا۔

بیت اللہ کی تعمیر

پھر اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مل کر بیت اللہ کی بنیادیں قائم کیں اور اس خطے کو پوری دنیا کے لیے مرکز بناتے ہوئے یہاں اللہ کا گھر تعمیر کیا۔ تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی، جو قرآن کریم نے اس طرح بیان کی ہے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ (البقرۃ: ۱۲۷۔۱۲۹)

اے ہمارے رب! ہم سے یہ (خدمت) قبول فرما، بے شک تو ہی سننے، جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو اپنا فرماں بردار بنا، اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا، مہربان ہے۔ اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے، اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

بنو جرہم کا غلبہ وشکست

وقت گزرنے کے ساتھ بنو اسماعیل اور بنو جرہم کے درمیان جھگڑے پیدا ہونا شروع ہوگئے، یہاں تک کے دونوں میں جنگ کی نوبت آ گئی۔ آخر بنو جرہم غالب آ گئے اور مکے

میں ان کی حکومت قائم ہوگئی اور بنو اسماعیل کو مکہ مکرمہ چھوڑ کر اطراف میں آباد ہونا پڑا۔ کچھ عرصے تک یہی صورت رہی۔ پھر بنو جرہم کے ایک حاکم عمرو بن حارث نے لوگوں پر ظلم وستم شروع کر دیا۔ وہ خانہ کعبہ کے لیے آنے والے ہدیوں پر خود قبضہ کر لیتا۔ اس طرح جب اس کا ظلم وستم اور بیت اللہ کی بے حرمتی حد سے بڑھ گئی تو ہر طرف سے عرب قبائل مقابلے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بنو جرہم مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور یمن کی جانب چلے گئے۔ جاتے وقت ان لوگوں نے خانہ کعبہ کی چیزوں کو جن میں زر و جواہر سے مرصع سونے سے بنی ہوئی ہرن کی دو مورتیاں، حجر اسود، چند مرصع ہتھیار اور دیگر اشیا شامل تھیں، زم زم کے کنویں میں دفن کر دیں، اور کنویں کی جگہ کو زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔ بنو جرہم کے چلے جانے کے بعد بنو اسماعیل دوبارہ مکے میں آباد ہو گئے، مگر زم زم کے کنوئیں کی طرف کسی نے توجہ نہ کی، حتیٰ کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا نام ونشان تک نہ رہا۔

عبدالمطلب کا خواب

ایک مدت کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے زم زم کے اس کنویں کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا تو جناب عبدالمطلب کو خواب آیا۔ چناں چہ حضرت عبدالمطلب خود فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں ایک شخص نے میرے پاس آ کر مجھ سے کہا کہ طیبہ (پاکیزہ) کو کھودو۔ میں نے کہا کہ طیبہ کیا ہے تو وہ شخص چلا گیا۔ دوسرے روز میں پھر اسی جگہ سو رہا تھا کہ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا: برہ (وسیع وکشادہ) کو کھودو۔ میں نے دریافت کیا کہ برہ کیا ہے تو وہ شخص چلا گیا۔ تیسرے روز میں پھر اسی جگہ سو رہا تھا، میں نے دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: مضنونہ (نہایت نفیس اور قابل بخل) کو کھودو۔ میں نے پوچھا مضنونہ کیا ہے تو وہ شخص چلا گیا۔ چوتھے روز اسی جگہ پھر خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے: زم زم کو کھودو۔ میں نے کہا زم زم کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ ایک کنواں ہے، جس کا پانی نہ کبھی ختم ہوتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے، بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے وہ فرث (گوبر جو اوجھ میں ہو) اور دم (خون) کے مابین چھپا ہوا ہے اور وہ قریۃ النمل میں غراب اعصم کے چونچ مارنے کی جگہ واقع ہے۔

اس طرح بار بار دیکھنے اور اس جگہ کی نشانیاں معلوم ہو جانے پر حضرت عبدالمطلب کو

یقین ہو گیا کہ یہ سچا خواب ہے۔ پھر وہ مسجد حرام میں بیٹھ کر خواب میں بیان کی گئیں ان علامات ونشانات کا انتظار کرنے لگے۔ اسی دوران مقام خزورہ میں ایک گائے ذبح کی گئی۔ ابھی اس میں جان باقی تھی کہ وہ ذبح کرنے والوں کے ہاتھوں سے چھوٹ کر چاہ زم زم کے قریب آ کر گر گئی۔ پھر اس کو وہیں پوری طرح ذبح کیا گیا اور اس کا گوشت بنا کر اٹھا لیا گیا۔ اچانک خون اور اوجھ پر ایک کوا آیا اور اس نے قریۃ النمل کی جگہ بیٹھ کر چونچ ماری۔ حضرت عبدالمطلب یہ دیکھ کر اٹھے اور اسی مقام پر کھدائی شروع کر دی۔

ابتدا میں قریش نے کھدائی کی مخالفت کی، کیوں کہ چاہ زم زم کی جگہ اساف اور نائلہ نامی دو بت نصب تھے اور قریش نہیں چاہتے تھے کہ ان بتوں کے بیچ میں کنواں کھودا جائے۔ مگر عبدالمطلب نے ان کی مخالفت کی پروا کیے بغیر اپنے بیٹے حارث کی مدد سے اس جگہ کھدائی شروع کر دی، جس کی خواب میں نشان دہی کی گئی تھی۔ باپ بیٹا تین روز تک کھدائی میں مصروف رہے۔ آخر کنوئیں کے آثار نظر آئے تو حضرت عبدالمطلب نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور کہا کہ یہی اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔ ایک ایسی جگہ پر جو شرک کا مرکز بن چکا تھا، اللہ کی تکبیر کا اس وقت بلند ہونا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کی تمہید تھی۔

اس زم زم کو دیکھ کر قریش کہنے لگے کہ اے عبدالمطلب یہ کنواں ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام پر ظاہر ہوا تھا اور بلاشبہ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ لہٰذا اپنے ساتھ ہمیں بھی اس میں شریک کرو۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا، اس لیے کہ یہ کام میرے لیے ہی مخصوص کیا گیا ہے اور مجھے ہی اس کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ تم میرے اور اپنے درمیان جس کو چاہو ثالث مقرر کر لو۔ قریش نے کہا ہم بنی سعد بن ندیم کی کاہنہ کو جو شام کے شرفا میں سے تھی، ثالث تجویز کرتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اس کو منظور کر لیا اور اپنے خاندان بنی عبد مناف کے چند افراد اور قریش کے ہر قبیلے سے ایک ایک فرد کو ہم راہ لے کر قافلے کی شکل میں شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایسے ریگستان پڑتے تھے جن میں پانی نہیں تھا۔ جب یہ قافلہ ایسے ہی ایک ریگستان سے گزر رہا تھا جو حجاز اور شام کے درمیان واقع تھا تو حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کے پاس پانی ختم ہو گیا اور پیاس کی شدت سے تمام اہل قافلہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب نے اس اضطرابی حالت میں

اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا، آپ ہی بتائیے کہ کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے لیے ایک گڑھا کھودے اور جو مرتا جائے دوسرے لوگ اس کو اس کے گڑھے میں دفن کرتے جائیں، یہاں تک کہ ہم میں سے آخری شخص رہ جائے گا جو دفن ہوئے بغیر ضائع ہوگا۔ اس طرح ایک شخص کا ضائع ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ سب لوگ ضائع ہوں، چناں چہ سب نے اپنا اپنا گڑھا کھود لیا اور پیاس کے سبب بیٹھ کر سب موت کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد حضرت عبدالمطلب کو خیال ہوا اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خدا کی قسم اس طرح تو ہم اپنے آپ کو خود ہی موت کے حوالے کر رہے ہیں۔ ہمیں ہمت کر کے پانی تلاش کرنا چاہیے، شاید اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرما کر ہمیں پانی عطا فرما دے، اس لیے کوچ کرو۔ چناں چہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عبدالمطلب بھی اٹھ کر اپنی اونٹنی کی طرف بڑھے اور اس پر سوار ہو گئے۔ اسی وقت اچانک اونٹنی کے پاؤں کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے نعرۂ تکبیر کہا۔ پھر وہ اپنی اونٹنی سے اترے اور اپنے ساتھیوں کے ہم راہ خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے برتنوں اور مشکیزوں میں جمع کر لیا۔

پھر عبدالمطلب نے قریش کے قبائل کو بھی پانی پینے کی دعوت دی، چناں چہ وہ آئے اور سب نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اس کے بعد سب لوگوں نے کہا کہ اے عبدالمطلب، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زم زم کا فیصلہ آپ کے حق میں کر دیا ہے، اب یہ آپ کا ہے۔ خدا کی قسم اب ہم زم زم کے بارے میں آپ سے کبھی جھگڑا نہیں کریں گے۔ بے شک جس نے آپ کو اس بے آب و گیاہ صحرا میں پانی پلایا ہے اس نے زم زم بھی آپ ہی کو عطا کیا ہے۔ چناں چہ حضرت عبدالمطلب اپنے ہم راہیوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے حاجیوں کی سہولت کے لیے زم زم کے کنویں کے قریب کچھ حوض تیار کیے، لیکن پھر ایک اور آزمائش آگئی۔ قریش کے چند افراد نے ان حوضوں کو شرارتاً رات کے وقت خراب کرنا شروع کر دیا۔ ہر روز صبح کے وقت حضرت عبدالمطلب ان کو درست کر دیتے۔ آخر جب ان لوگوں کی شرارتیں حد سے بڑھیں تو انہوں نے پریشان ہو کر

اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ان کو خواب میں بتایا گیا کہ تم یہ دعا مانگو:

اے اللہ میں اس زم زم سے لوگوں کو غسل کی اجازت نہیں دیتا صرف پینے کی اجازت ہے۔ یہ تیرا ہے اور تو ہی اس کی حفاظت فرما۔

صبح ہوتے ہی حضرت عبدالمطلب نے اعلان کر دیا کہ آئندہ جو شخص حوضوں کو خراب کرے گا وہ ضرور کسی بیماری میں مبتلا ہوگا۔ لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آئے، مگر جب کچھ لوگ بیماریوں میں مبتلا ہوئے تو آخر کار انہوں نے حوضوں کو خراب کرنا چھوڑ دیا۔

عبدالمطلب کی نذر

جب حضرت عبدالمطلب زم زم کے کنوئیں کی کھدائی کر رہے تھے تو ان کے بیٹے حارث کے سوا کوئی ان کا معاون و مددگار نہ تھا۔ اس وقت عبدالمطلب نے قسم کھا کر یہ منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے عطا فرمائے جو بڑے ہو کر کام میں میرا ہاتھ بٹائیں تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو ضرور اللہ کے نام پر قربان کروں گا۔ اللہ نے ان کی یہ آرزو پوری کر دی اور ان کو دس بیٹے عطا فرما دیے۔ ایک رات عبدالمطلب خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے: اے عبدالمطلب! اپنی نذر کو اس گھر کے مالک کے لیے پورا کیجیے۔ عبدالمطلب جب خواب سے بیدار ہوئے تو سب بیٹوں کو جمع کر کے ان کو اپنی نذر اور خواب کے بارے میں بتایا۔ سب نے کہا: آپ اپنی نذر پوری کریں اور جو چاہیں کریں۔ عبدالمطلب نے تمام بیٹوں کے نام قرعہ ڈالا، جو ان کے سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا۔ جناب عبداللہ سب سے چھوٹے تھے، انہیں عبدالمطلب اور باقی سب گھر والے بھی سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ لیکن عبدالمطلب نے چھرا ساتھ لیا اور عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر اساف اور نائلہ نامی بتوں کے درمیان واقع قربان گاہ کی طرف چل دیے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ کی بہنیں رونے لگیں اور ان میں سے ایک نے کہا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں میں قرعہ ڈال کر دیکھیے، اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو دس اونٹ قربان کر دیجیے۔ اس زمانے میں ایک آدمی کی دیت اور خون بہا دس اونٹ ہوتے تھے۔ دس اونٹوں کے ساتھ قرعہ ڈالنے میں بھی عبداللہ ہی کا نام نکلا۔ عبدالمطلب دس دس اونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے رہے مگر

قرعہ عبداللہ ہی کے نام نکلتا تھا، یہاں تک کہ جب اونٹوں کی تعداد سو کر کے قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا۔ اس موقع پر عبدالمطلب اور تمام حاضرین نے اللہ اکبر کہا اور عبدالمطلب نے وہ سو اونٹ صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان ذبح کر دیے۔

عرب میں ابتدا میں دیت کی مقدار دس اونٹ تھی۔ اس واقعے کے بعد سب سے پہلے عبدالمطلب نے قریش اور تمام عرب میں دیت کی مقدار سو اونٹ مقرر کی۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ اسی واقعے کے بعد حضرت عبداللہ ذبیح کے لقب سے موسوم ہوئے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو ابن الذبیحین کہتے ہیں۔ یعنی حضرت اسماعیل اور جناب عبداللہ دونوں ذبیحوں کے بیٹے۔ یوں آپ ﷺ کی آمد سے بھی پہلے آپ کے والد گرامی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی قدر میں دس گنا اضافہ فرما دیا۔

حضرت عبداللہ کا نکاح

جناب عبدالمطلب جب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کی نذر اور فدیے کے معاملات سے فارغ ہوئے تو انہیں جناب عبداللہ کی شادی کا خیال آیا۔ قبیلہ بنی زہرہ خاندانی شرافت میں دیگر عرب قبیلوں میں نہایت ممتاز تھا۔ اس قبیلے میں وہب بن عبدمناف کی صاحب زادی جن کا نام آمنہ تھا، قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں۔ اس وقت وہ اپنے چچا وہیب بن عبدمناف کے پاس تھیں، چناں چہ عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور حضرت آمنہ سے حضرت عبداللہ کے نکاح کا پیغام دیا، جس کو انہوں نے منظور کر لیا۔ اسی موقع پر جناب عبدالمطلب نے خود اپنے نکاح کا پیغام حضرت آمنہ کے چچا وہیب کی صاحب زادی ہالہ کے لیے دیا، جو رشتے میں آں حضرت ﷺ کی خالہ ہیں۔ یہ دونوں نکاح ایک ہی مجلس میں پڑھے گئے۔ حضرت حمزہ ان ہی ہالہ کے بطن سے ہیں، جو رشتے کے اعتبار سے آں حضرت ﷺ کے چچا بھی ہیں اور خالہ زاد بھائی بھی۔ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہ بھی ان ہی سے ہیں۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق حضرت عبداللہ تین دن سسرال میں رہ کر گھر چلے آئے۔

حضرت آمنہ کی فضیلت

حضرت آمنہ شرافت، عزت و وجاہت اور عفت و عصمت میں بے مثال تھیں، اور اپنی

قوم میں اس وقت تمام عورتوں کی سردار شمار ہوتی تھیں۔ وہ اپنے زمانے میں قریش کی سب سے زیادہ فضیلت مآب اور محترم خاتون تھیں۔

حضرت عبداللہ کی وفات

شادی کے کچھ عرصے بعد حضرت عبداللہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام تشریف لے گئے۔ واپسی پر ان کی طبیعت ناساز ہوئی تو وہ مدینہ منورہ میں اپنے سسرال میں ٹھہر گئے، اور قافلہ ان کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ جب قافلہ مکے واپس پہنچا تو عبدالمطلب نے قافلے والوں سے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے بارے میں پوچھا، تو علم ہوا کہ بیماری کی وجہ سے حضرت عبداللہ مدینے ٹھہر گئے ہیں۔ جناب عبدالمطلب نے فوراً اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لیے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ مدینے پہنچ کر ان کو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ تو ایک ماہ علیل رہ کر انتقال کر چکے ہیں اور مدینے میں ہی تابعہ کے مکان میں دفن ہوئے ہیں۔ تابعہ بنی نجار کا ایک شخص تھا، حارث نے واپس آ کر عبدالمطلب اور دیگر اعزا و اقارب کو اس حادثے کی اطلاع دی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عبداللہ شروع ہی سے خاندان میں سب سے زیادہ محبوب تھے، اس لیے سب کو ان کے انتقال کا بہت صدمہ اور دکھ پہنچا۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبداللہ نے صحیح قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے دو ماہ قبل انتقال کیا۔ انتقال کے وقت حضرت عبداللہ نے پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک باندی جن کی کنیت ام ایمن اور نام برکۃ تھا، ترکے میں چھوڑیں، جو سب کی سب ولادت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصے میں آئیں۔

واقعۂ فیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے کے واقعات میں ایک اہم واقعہ، اصحابِ فیل کا واقعہ ہے۔ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچاس یا پچپن دن پہلے پیش آیا۔ یمن پر قوم حمیر کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ مشرک تھے اور ان کا آخری بادشاہ ذونواس تھا جو یہودی ہو گیا تھا اور اس زمانے کے اہل حق یعنی نصاریٰ پر شدید مظالم کرتا تھا۔ اس نے ایک طویل و عریض خندق کھدوا کر اس میں دہکتے ہوئے انگارے بھروائے اور صرف ایک اللہ کی عبادت

کرنے والوں کو پکڑ پکڑ کر اس خندق میں ڈال کر جلا دیا۔ ان کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ سورہ بروج میں اصحاب الاخدود کے نام سے اسی واقعے کو ذکر کیا گیا ہے۔

ان نصاریٰ میں سے دو آدمی کسی طرح بچ نکلنے میں کام یاب ہو گئے اور انہوں نے شام کے بادشاہ قیصر سے جا کر فریاد کی جو عیسائی تھا۔ قیصر نے شاہ حبشہ کو جو اس کا تابع اور عیسائی تھا انتقام کے لیے خط لکھا۔ شاہ حبشہ نے قیصر کا حکم ملتے ہی اپنا عظیم لشکر دو امیروں ارياط اور ابوا یکسوم ابرہہ بن الصباح حبشی کی قیادت میں یمن بھیج دیا، جس نے پورے یمن کو قوم حمیر سے آزاد کرا لیا۔ ذونواس نے شکست کھائی اور بھاگتے ہوئے دریا میں غرق ہو گیا۔ اس طرح یمن میں ارياط اور ابرہہ کی مشترکہ حکومت قائم ہو گئی۔ بعد میں کسی وقت ان دونوں میں لڑائی ہوئی اور ابرہہ غالب آ گیا، ارياط مارا گیا۔

یمن اور دیگر ممالک کے لوگ حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جاتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ ابرہہ کو یہ بات ناگوار لگی۔ اس نے ایک شان دار کنیسہ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا، تاکہ لوگ کعبے کے بہ جائے اس کنیسہ میں جانے لگیں۔ پھر ابرہہ نے اعلان کروا دیا کہ اب کوئی آدمی بیت اللہ کے حج کے لیے نہ جائے، بل کہ اس مقدس کنیسہ کا حج کیا کرے جو مسیح کے نام سے ہے۔

بت پرستی کے غلبے کے باوجود خانہ کعبہ کی عظمت و محبت عربوں کے دلوں میں گھر کیے ہوئے تھی۔ اس اعلان سے عدنانی، قحطانی اور قریشی قبائل میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی، یہاں تک کہ بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔ دوسری روایت کے مطابق قریش کے ایک مسافر قبیلے نے کنیسہ کے قریب اپنی ضروریات کے لیے آگ جلائی جو تیز ہوا کے سبب اڑ کر کنیسہ میں لگ گئی، جس سے اس کو سخت نقصان پہنچا۔ بہ ہر کیف وجہ جو بھی ہو، عربوں کی وجہ سے ابرہہ کے کنیسہ کو نقصان پہنچا، جو اس میں پہلے سے موجود ردعمل کو مزید بڑھکا دینے کا سبب بھی بن گیا۔

ابرہہ یہ جان کر غیظ و غضب سے بھڑک اٹھا اور اس نے قسم کھائی کہ میں فوج کشی کر کے ان کے کعبے کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا، اس کے ساتھ ہی اس نے تیاری شروع کر دی اور اپنے بادشاہ نجاشی کو اس بات کی اطلاع کی اور اس سے اس مقصد کے لیے فوج اور جنگی ہاتھیوں

کی مدد طلب کی۔ بادشاہ نے اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا، ابرہہ کے لیے بھیج دیا۔

عرب قبائل کی مزاحمت

عربوں کو جب اس حملے کی خبر ملی تو پورا عرب مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ اتفاق و اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے ہر قبیلے نے تنہا مقابلے کا فیصلہ کیا۔ مگر زیادہ تر نے شکست کھائی۔ ایک شخص ابو رغال نے ابرہہ کا ساتھ دیا، جسے عربوں کے ہاں غداری کی علامت کے طور پر یاد رکھا جاتا ہے۔

یہ لشکر مکے کے قریب پہنچا تو مکے سے باہر مغمس کے مقام پر قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے۔ ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے ان پر حملہ کر کے اونٹ پکڑ لیے۔ ان میں دو سو اونٹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب کے بھی تھے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر ابرہہ نے اپنا ایک سفیر حناطہ حمیری مکہ شہر میں بھیجا، تا کہ وہ قریش کے سرداروں کو اطلاع کر دے کہ بادشاہ تم سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا، بل کہ اس کا مقصد صرف کعبے کو ڈھانا ہے۔ اگر تم روکو گے تو لڑائی ہو گی اور تم سب مارے جاؤ گے۔

حناطہ کی ملاقات عبدالمطلب سے بھی ہوئی اور اس نے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔ عبدالمطلب جو بڑے ڈیل ڈول اور بڑے وجیہہ و وسیم آدمی تھے ابرہہ سے ملاقات کے لیے تیار ہو گئے۔ ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا تو ان کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ ابرہہ نے عبدالمطلب کو تخت پر اپنے برابر بٹھانا تو پسند نہ کیا، لیکن خود تخت سے اتر کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو بھی بلا کر اپنے برابر بٹھایا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میری حاجت تو صرف اتنی ہے کہ بادشاہ کے لشکریوں نے جو میرے دو سو اونٹ پکڑ لیے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ یہ سن کر ابرہہ نے ترجمان کے ذریعے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ نے مجھے تعجب میں ڈال دیا۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت و عزت ہوئی، مگر آپ کی گفت گو نے اس کو بالکل ختم کر دیا۔ آپ مجھ سے صرف اپنے دو سو اونٹوں کی بات کر رہے ہیں، حال آں کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کے کعبے کو ڈھانے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لیے میں نے ان کا سوال کیا۔

بیت اللہ کا مالک رب جلیل ہے، وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمہارا خدا اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو، مجھے جس چیز کی فکر تھی وہ میں نے تجھ سے بیان کردی۔ ہاں اگر یہ معاملہ کچھ مال سے متعلق ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ بادشاہ اپنا ارادہ ترک کردے تو تہامہ کا ایک تہائی مال اس کے خزانے میں داخل کردوں گا۔ ابرہہ نے اس پیش کش کو ماننے سے صاف انکار کردیا اور عبدالمطلب کے اونٹ واپس کردیے۔

عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس آئے اور اہل قریش کو حکم دیا کہ وہ مکے سے نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جائیں اور خود بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعا میں مشغول ہوگئے۔ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی ان کے ساتھ تھی۔ سب نے ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف مدد و اعانت کے لیے خوب گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں۔

صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر حملہ کردیا۔ حملے کے بعد جدہ شہر کی طرف سے، پرندوں کے غول کے غول آتے دکھائی دیے۔ ہر پرندے کے پاس تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ یہ کنکریاں چنے اور مسور کے برابر تھیں۔ ایک غول کے بعد دوسرا غول آتا تھا اور کنکریاں پھینکتا تھا۔ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ کبوتر سے چھوٹے تھے اور ان کے پنجے سرخ تھے۔ ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک کنکر چونچ میں لیے ہوئے یہ پرندے فوراً ہی ابرہہ کے لشکر پر چھا گئے اور کنکریاں گرانے لگے۔ یہ کنکری جس پر بھی پڑتی تھی اس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ لشکر کے سب آدمی مختلف اطراف میں بھاگ گئے ان سب کا یہ حال ہوا کہ راستے میں مر مر کر گرتے گئے۔ سب کے سب لوگ اسی وقت ہلاک نہیں ہوئے، بل کہ بہت سے تو اسی وقت مر گئے اور بہت سے بھاگتے ہوئے مختلف اطراف میں مرتے رہے اور بہت سے لوگوں کے اعضا ایک ایک کر کے گل کر گرتے جاتے تھے اور مرتے جاتے تھے۔ ابرہہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی کہ اس کے اعضا ایک ایک کر کے گلنا شروع ہوئے اور اسی تکلیف سے ایک ایک عضو گرتا جاتا تھا، یہاں تک کہ بلاد خثعم میں پہنچ کر مر گیا۔ ابرہہ اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ بھاگا، ان کو راستے کا پتہ نہ تھا، جس کو جس طرف راستہ نظر آیا وہ اسی طرف بھاگ گیا، ہر ندی نالے اور راستے میں گرتے جاتے

تھے اور مرتے جاتے تھے۔ ابرہہ کے جسم میں آگ سی لگی ہوئی تھی، لوگ اس کو لاد کر لے گئے تھے۔ اس کی انگلیوں کی پوریں گل گل کر گر رہی تھیں، جب اس کے ساتھی اس کو لیے ہوئے صنعا میں پہنچے تو وہ انڈے سے نکلا ہوا چوزا معلوم ہوتا تھا۔ پھر اسی حالت میں اس کا سینہ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

سورۂ فیل کے نزول کے وقت مکے میں اس واقعے کو دیکھنے والے بہت سے لوگ موجود تھے اور ان کنکریوں میں سے بعض کنکریاں بعض صحابہ کے پاس بھی تھیں۔ خطیبؒ نے لکھا ہے کہ مکہ معظّمہ میں کوئی باقی نہ تھا جس نے ہاتھیوں کے قائد اور سائیس کو نہ دیکھا ہو، اللہ تعالیٰ نے مدت تک ان دونوں کو اس حالت پر زندہ رکھا۔

سورۂ فیل میں اس واقعے کا ذکر اس طرح آتا ہے:

> اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کی تمام تدابیر کو ناکام نہیں بنا دیا؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے (جو) ان پر کنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے، پھر ان کو (اللہ نے) کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔ (الفیل: ۱۔۵)

سوالات

۱۔ مکہ مکرمہ کو آباد کرنے میں حضرت ہاجرہ کی ہمت اور استقلال کو بیان کیجیے۔
۲۔ زم زم کی بازیابی کا واقعہ مختصراً تحریر کیجیے۔
۳۔ اہل مکہ کے درمیان جناب عبدالمطلب کا مرتبہ اور مقام بیان کیجیے۔
۴۔ عبدالمطلب کی نذر کے اقدام سے انسانیت کی قدر میں کیا فرق پڑا؟
۵۔ کیا واقعۂ فیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی تمہید کہا جا سکتا ہے؟

ولادت باسعادت

اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں، واقعۂ فیل کے پچاس یا پچپن روز بعد پیر کے روز ہوئی۔ پھر ولادت کے مہینے کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں، لیکن جمہور علما کا قول یہی ہے کہ ربیع اول میں ولادت ہوئی، اس کے علاوہ ایک اہم قول رمضان کا بھی ہے۔ جناب پروفیسر ظفر احمد کی توقیت کے مطابق ولادت ۸ رمضان المبارک، میلادی قمری، ۸ ربیع الاول، میلادی قمریہ شمسی بہ مطابق ۴ نومبر ۵۷۹ء کو پیر کے روز صبح صادق کے وقت محلہ سوق اللیل، مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

ابن سعد نے حضرت آمنہ سے ولادت کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پیدا ہوئے تو نہایت نظیف اور پاک وصاف تھے۔ جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش اور گندگی نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب آپ کی ولادت کی خبر سن کر گھر میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں لے کر خانہ کعبہ میں گئے، وہاں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس عطیۂ الٰہی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پھر واپس لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کے سپرد کر دیا۔

کعب احبار بنی اسرائیل کے جلیل القدر علما میں سے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا اور حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کے زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان سے منقول ہے کہ سابقہ کتب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اس طرح ذکر کی گئی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول کی ولادت مکے میں ہوگی اور ہجرت مدینے میں ہوگی اور ان کی حکومت وسلطنت شام میں ہوگی، یعنی مکہ سے لے کر شام تک، تمام علاقہ آپ کی زندگی ہی میں اسلام کے زیرِ نگیں آجائے گا، چناں چہ شام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں فتح ہو گیا تھا۔

عقیقہ اور تسمیہ

ولادت کے ساتویں روز حضرت عبدالمطلب نے قربانی یعنی آپ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں تمام قریش کو مدعو کیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر لوگوں نے حضرت عبدالمطلب سے پوچھا کہ آپ نے بچے کا کیا نام رکھا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ محمد۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ اے ابوالحارث (عبدالمطلب کی کنیت ہے) آپ نے اپنے خاندان اور اپنی قوم کے عام ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ تمام اہل زمین اور اہلِ آسمان اس نومولود کی تعریف وتوصیف کریں گے۔

ابن بری کا قول ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں ان سات آدمیوں کا نام محمد رکھا گیا تھا: ۱۔ محمد بن سفیان۔ ۲۔ محمد بن عتوارہ۔ ۳۔ محمد بن اُحیحہ۔ ۴۔ محمد حمران۔ ۵۔ محمد بن مسلمہ انصاری۔ ۶۔ محمد بن خزانی۔ ۷۔ محمد بن حرماز۔ لیکن آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ باقی کسی محمد کے بارے میں تاریخ کچھ نہیں جانتی۔ تاریخ میں صرف ایک ہی نام محفوظ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس طرح عبدالمطلب کا اپنے تمام بیٹوں میں سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کا ایسا نام (عبداللہ) تجویز کرنا جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو القائے ربّانی تھا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک محمد اور احمد رکھنا بھی بلاشبہ الہام رحمانی تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور بہت سے اسمائے گرامی بھی ہیں، ان میں سے بعض کتبِ حدیث وسیرت میں بھی بیان ہوئے ہیں، چناں چہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! میرے پانچ نام ہیں، میں احمد ہوں، میں محمد ہوں، میں ماحی ہوں، جس سے اللہ کفر مٹائے گا، میں حاشر ہوں، قیامت کے روز لوگ میرے پیچھے اٹھائے جائیں گے، اور میں عاقب ہوں، جس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر میرا نام محمد اور آسمان پر احمد ہے، تورات میں اسم مبارک محمد اور انجیل میں احمد ہے۔ محمد کا اصل مادہ حمد ہے۔ کسی کے پاکیزہ اخلاق، پسندیدہ اوصاف، اصلی کمالات اور حقیقی فضائل کو محبت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنے کو حمد کہتے ہیں۔ محمد کے معنی یہ ہوئے کہ ایسی ذات جس کے حقیقی فضائل اور اصلی کمالات ومحاسن

کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔

کنیت

آں حضرت ﷺ کی سب سے مشہور کنیت ابو القاسم (ﷺ) ہے جو آپ کے بڑے صاحب زادے قاسم کے نام پر ہے۔ دوسری کنیت ابو ابراہیم ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو جبریل آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا السلام علیک یا ابا ابراہیم یعنی آپ ﷺ پر سلام ہو اے ابو ابراہیم۔ عربوں میں کنیت رکھنے کا عام رواج تھا، یہ رواج ان کے ہاں آج بھی موجود ہے، اور نام کی جگہ کنیت سے پکارنا ان کے ہاں زیادہ احترام کا باعث سمجھا جاتا ہے۔

ختنہ

نبی کریم ﷺ مختون پیدا ہوئے۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور کہا کہ بلاشبہ میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔

رضاعت

آں حضرت ﷺ کو سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا۔ دو تین دن اور دوسری روایت کے مطابق سات آٹھ روز بعد آپ کے چچا ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ثویبہ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔ پھر حلیمہؓ سعدیہ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔ ثویبہ ہی نے آپ سے پہلے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کو دودھ پلایا تھا۔ آپ ﷺ کے بعد ثویبہ نے ابوسلمہ کو دودھ پلایا، جو ام سلمہ کے پہلے شوہر ہیں۔ اس لیے حضرت حمزہ اور ابو سلمہ دونوں آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔ ابوسلمہ کی وفات کے بعد ام سلمہؓ آں حضرت ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔ ثویبہ کے بیٹے کا نام مسروح تھا، جس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے دودھ پیا تھا۔

حضور اکرم ﷺ حضرت ثویبہ کا بہت اکرام فرماتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح

کے بعد حضرت ثویبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ ہجرت کے بعد بھی آپ ﷺ کبھی کبھی مدینہ منورہ سے ان کے لیے تحفہ بھیجتے۔ مکہ فتح ہونے پر آپ نے ثویبہ اور ان کے بیٹے مسروح کے بارے میں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے عزیزوں میں سے کوئی زندہ ہے، تاکہ اس کے ساتھ کچھ حسن سلوک اور احسان فرمائیں تو معلوم ہوا کہ اس کے رشتے داروں میں سے بھی کوئی زندہ نہیں ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ

اس زمانے میں عرب کے شریف اور خوش حال گھرانے اپنے شیر خوار بچوں کو قرب و جوار کے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے، تاکہ بچوں کی صحت شہر سے دور کھلی فضا میں اچھی رہے اور بدوؤں میں رہ کر عربی زبان کی فصاحت بھی ان کی گھٹی میں پڑتی رہے۔ اس مقصد کے لیے دیہات کی عورتیں سال میں دو مرتبہ مکہ آیا کرتی تھیں اور شرفا کے بچوں کو اپنے ہم راہ لے جاتی تھیں۔ چناں چہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت کے چند روز بعد طائف کے مضافات سے کچھ دیہاتی عورتیں بچوں کی تلاش میں مکے آئیں، ان میں حضرت حلیمہ بھی تھیں۔

حضرت حلیمہؓ بنو سعد کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، ان کے والد کا نام ابو ذؤیب عبداللہ بن حارث تھا، ان کا تعلق بنو سعد بن بکر بن ہوازن کے قبیلے سے تھا، حضرت حلیمہؓ کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ تھے، ان کا تعلق بھی بنو سعد سے تھا۔ حضرت حلیمہؓ سعدیہ اپنے نام اور نسب کی طرح حلم، وقار اور سعادت سے موصوف تھیں۔

حضرت حلیمہؓ سعدیہ خود بیان فرماتی ہیں کہ میں اور بنی سعد بن بکر کی چند عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکے آئیں۔ میرے ساتھ میرے شوہر اور شیر خوار بچہ تھا۔ سواری کے لیے ایک کم زور گدھی اور ایک اونٹنی تھی، جو ایک قطرہ دودھ نہ دیتی تھی۔ ہم بھوک کی وجہ سے رات بھر نہ سوتے۔ بچہ بھی بھوک کی وجہ سے رات بھر روتا رہتا تھا، کیوں کہ مجھے اتنا دودھ اترا ہوا نہیں تھا کہ بچہ سیر ہو سکے اور نہ اونٹنی کا ہی اتنا دودھ تھا کہ اس سے بچے کی بھوک دور کر سکیں۔

میری قسمت کہ یہ مولود مسعود کو میرے حصے میں آئے، اور میں آپ کو لے کر اپنے ٹھکانے پر آ گئی۔ آپ کو گود میں لینا تھا کہ میرے پاس اتنا دودھ ہوا کہ آپ ﷺ بھی سیر

ہو گئے اور آپ کا رضاعی بھائی بھی سیر ہو گیا۔ اور جب ہم اونٹنی کا دودھ دوہنے کے لیے اٹھے تو دیکھا کہ تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے اور میرے شوہر نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور رات نہایت آرام سے گزری۔ صبح ہوئی تو شوہر نے کہا۔ اے حلیمہ! خدا کی قسم تو نے بہت ہی مبارک اور خوش نصیب بچہ لیا ہے۔ حلیمہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں یقین سے کہتی ہوں کہ البتہ میں اللہ سے یہی امید رکھتی ہوں۔

روانگی کا وقت ہوا تو حلیمہ بھی اس دُرِّ یتیم کو لے کر سوار ہوئیں۔ ان کی وہ دبلی پتلی گدھی ایسی تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی کہ روکے نہیں رکتی تھی اور قافلے کی تمام سواریوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ ساتھ والی عورتوں نے پوچھا کہ اے حلیمہ کیا یہ وہی سواری ہے جس پر تم آتے وقت سوار تھیں؟ واللہ اس وقت تو اس کی شان ہی جدا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکتیں بنو سعد میں حضرت حلیمہ کے گھر پہنچنے کے بعد بھی جاری رہیں، چناں چہ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ ان دنوں بنی سعد کی سرزمین سے زیادہ کسی جگہ قحط نہ تھا، میری بکریاں شام کو چراگاہ سے واپس آتیں تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے تھے، ہم ان سے اپنی ضرورت کے مطابق دودھ نکال لیتے۔ دوسروں کی بکریاں بالکل بھوکی آتیں۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے اپنے چرواہوں سے کہا کہ تم بھی اسی جگہ چرایا کرو جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں، چناں چہ ان چرواہوں نے ایسا ہی کیا مگر پھر بھی شام کو میری بکریاں پیٹ بھرے ہوئے اور دودھ سے لب ریز آئیں اور دوسروں کی بکریاں بھوکی اور خالی تھن آئیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہمیں خیر و برکت عطا فرماتا رہا اور ہم اس کا مشاہدہ کرتے رہے۔

حلیمہؓ سعدیہ فرماتی ہیں کہ میں ہر چھٹے مہینے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آمنہ اور دیگر رشتے داروں سے ملانے کے لیے اپنے ہم راہ لے جاتی۔ اس طرح جب دو سال پورے ہو گئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دودھ چھڑا دیا اور آپ کو لے کر مکہ گئی، تاکہ حضرت آمنہ کی امانت ان کے حوالے کر دوں، مگر آپ کی موجودگی سے جو خیر و برکتیں ظاہر ہو رہی تھیں ان کی وجہ سے میں نے حضرت آمنہ سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ دن اور میرے پاس چھوڑ دیں۔ ان دنوں مکے میں کوئی وبا بھی پھیلی ہوئی تھی اس لیے حضرت آمنہ نے میری درخواست منظور کر لی۔ چناں چہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوبارہ اپنے گھر لے گئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۵ سال حلیمہ سعدیہؓ کے پاس رہے۔ ہوازن کا قبیلہ جسے بنو سعد بھی کہتے ہیں فصاحت و بلاغت میں مشہور تھا، بچپن اس قبیلہ میں گزارنے کی وجہ سے آپ کی جسمانی صحت پر بھی خوش گوار اثر پڑا اور آپ زبان دانی میں بھی ماہر ہو گئے۔

ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں فصیح کیوں نہ ہوں، جب کہ میں قریش میں سے ہوں اور بنی سعد میں، میں نے دودھ پیا ہے۔

حلیمہ سعدیہؓ نے جس شفقت و محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کی اس کا صلہ آخرت میں تو ملے گا ہی، دنیا میں بھی ان کے وہم و گمان سے بڑھ کر ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عہد رسالت تک زندہ رکھا اور اسلام کے شرف سے مشرف فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ماں کے برابر سمجھتے تھے اور ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ وہ آپ سے ملنے آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''میری ماں میری ماں'' کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ اسی طرح آپ کو اپنے رضاعی بھائی اور بہنوں سے بھی بڑی محبت تھی، خصوصاً حذیفہ سے جو شیما کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ بڑی تھیں اور حضور کی خدمت کیا کرتی تھیں، غزوہ حنین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی تھیں تو آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی تھی۔ حضرت حلیمہؓ کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پیا تھا۔ ایک لڑکی انیسہ تھی۔

واقعہ شق الصدر

وہیں قیام کے دوران جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چار برس ہوئی تو شق صدر کا معجزہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے گئے تھے، وہاں فرشتوں نے آپ کا دل نکال کر اسے ان تمام چیزوں سے صاف کر دیا، جو ہر انسان میں موجود ہوتی ہیں، اور جن کی وجہ سے غلطی کا امکان رہتا ہے، یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ کے لیے ہر طرح کی غلطی سے معصوم قرار پائے۔

بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچ سالہ قیام کے بارے میں حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس

عرصے میں آپ کی عادات نہایت پاکیزہ اور پسندیدہ تھیں، آپ نہ تو روتے تھے، نہ عام بچوں کی طرح کپڑوں میں بول و براز کرتے تھے، نہ فضول کاموں اور کھیلوں میں مشغول ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والد ماجد کی جانب سے ترکے میں ملنے والی آپ کی خادمہ اُم ایمن بیان کرتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی بھوک یا پیاس کی شکایت نہیں کی، آپ صبح کے وقت آبِ زم زم نوش فرمالیتے اور پھر سارا دن کوئی چیز طلب نہ فرماتے، اکثر ایسا ہوا کہ میں نے ناشتہ تیار کر کے سامنے رکھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خواہش نہیں۔

حضرت آمنہ کا انتقال

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارک ۶ برس ہوئی تو آپ کی والدہ آمنہ نے مدینہ منورہ کے سفر کا ارادہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہم راہ لے کر بنی عدی بن نجار میں اپنے ننہال مدینہ منورہ گئیں، وہاں ایک ماہ تک قیام کے بعد مکہ واپسی پر راستے میں مکے و مدینے کے درمیان مقامِ ابوا میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور وہ وہیں دفن ہوئیں۔ اس سفر میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باندی ام ایمن بھی ان کے ساتھ تھیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو واپس مکے لے آئیں۔

عبدالمطلب کی کفالت

ام ایمن نے آ کر آپ کو ان کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔ وہ آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے اور کسی وقت جدا نہ کرتے تھے۔ عبدالمطلب کے لیے خانہ کعبہ کے سائے میں ایک فرش بچھایا جاتا تھا اور ان کے آنے سے پہلے کوئی شخص اس پر بیٹھنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ ان کی اپنی اولاد بھی اس کے اردگرد بیٹھتی تھی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آ کر اس فرش پر بیٹھ جاتے، آپ کے چچا جب آپ کو وہاں سے ہٹانا چاہتے تو عبدالمطلب ان کو دیکھ کر کہتے کہ میرے بیٹے کو چھوڑ دو، خدا کی قسم اس کی ایک خاص شان ہو گی، پھر وہ آپ کو بلا کر اپنے قریب بٹھاتے، آپ کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ پھیرتے اور آپ کو دیکھ کر خوش ہوتے۔ عبدالمطلب آپ کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، بل کہ فرماتے کہ میرے بیٹے کو لاؤ، آپ آ جاتے تب عبدالمطلب کھانا کھاتے۔

جناب عبدالمطلب کا مزاج تمام اہلِ عرب سے مختلف تھا، وہ اپنی اولاد کو ظلم و فساد سے منع کرتے، اچھے اخلاق کی ترغیب دیتے، نذر کو پورا کرنے کی تاکید کرتے، بہن، پھوپھی، اور

خالہ وغیرہ سے نکاح کرنے سے روکتے، شراب، زنا، اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے سے منع کرتے، لوگوں کو برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے سے روکتے، اور چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کو جب بھی کوئی واقعہ پیش آتا تو سچے خواب اور الہامات سے ان کی رہ نمائی کی جاتی۔

عبدالمطلب نے حضرت آمنہ کی وفات کے دو سال کے بعد وفات پائی، جب کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر راجح قول کے مطابق صرف آٹھ سال تھی۔ انھیں حجون کے مقام پر قُصی کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔ ان کی وفات پر لوگ شدتِ غم سے رو پڑے اور اس قدر روئے کہ ان کے بعد کسی اور کے مرنے پر اتنا نہیں روئے، ان کی وفات پر مکے کا بازار بھی کئی روز تک بند رہا۔ عبدالمطلب کی عمر کے بارے میں ۸۲، ۹۵، ۱۲۰، ۱۱۰، ۱۴۰، اور ۱۴۴ سال کے اقوال شامل ہیں، ان تمام اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی عمر سو کے لگ بھگ ضرور تھی۔

ابوطالب کی کفالت

جب موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابوطالب کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت ان کے حوالے کی۔ ابوطالب آپ کے چچا اور آپ کے والد حضرت عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔ انہوں نے اس ذمے داری کو جس حسن وخوبی سے پورا کیا وہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، وہ اپنی اولاد سے زیادہ آپ سے محبت کرتے تھے۔ آپ کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھتے۔ اپنے پاس ہی سلاتے اور کہیں جاتے تو ساتھ لے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی چچا سے بے انتہا محبت تھی۔

سوالات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کی چند امتیازی صفات بیان کیجیے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک "محمد" کا معنی و مطلب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قدر و قیمت بھی بیان کیجیے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بچپن میں ملنے والے غم بیان کیجیے اور ان سے آپ کی شخصیت کی تعمیر میں کیا اثرات مرتب ہوئے؟

نوجوانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوجوانی اور جوانی کے چالیس برس کو قرآن کریم نے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، اس دوران آپ کی شخصیت ہر اعتبار سے عربوں کے ہاں نمایاں ترین رہی۔ سیرت میں اس دور کے محفوظ نقوش میں سے چند واقعات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

شام کا سفر

قریش کے دیگر سرداروں اور دیگر افراد کی طرح جناب ابوطالب کا ذریعۂ معاش بھی تجارت تھا، اور قریش کے دوسرے لوگوں کی طرح تجارت کی غرض سے سال میں ایک دو مرتبہ شام جایا کرتے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً بارہ سال تھی، ابوطالب نے حسب دستور شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ وہ راستے کی تکلیف کے خیال سے آپ کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے، مگر عین روانگی کے وقت آپ کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھ کر انہوں نے آپ کو ساتھ لے لیا۔ یہ تجارتی قافلہ شام کے شہر بصرہ سے باہر ایک عیسائی راہب کی خانقاہ کے قریب اترا۔ اس عیسائی راہب کا اصل نام جرجیس تھا اور بحیرا کے نام سے مشہور تھا۔ نبی آخرالزماں کی جو علامتیں آسمانی کتابوں میں مذکور تھیں یہ ان سے خوب واقف تھا، چناں چہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں آسمانی کتابوں میں خبر دی گئی ہے۔

اس سے پہلے بھی قریش کے قافلوں کا یہاں سے گزر ہوتا تھا، کیوں کہ ان کی گزرگاہ یہی تھی، مگر اس راہب نے کبھی توجہ نہ کی، اس دفعہ جب قریش کا قافلہ وہاں جا کر اترا تو یہ راہب خلاف معمول اپنی خانقاہ سے نکل کر قافلے والوں کے پاس آیا اور اہلِ قافلہ میں سے ایک ایک

کو غور سے دیکھنے لگا یہاں تک کہ اس نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

یہی تمام جہانوں کا سردار ہے، یہی پروردگار عالم کا رسول ہے، جس کو اللہ تعالیٰ جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔

قافلے والوں میں سے قریش کے سرداروں نے راہب سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس راہب نے کہا کہ جس وقت تم سب لوگ گھاٹی سے نکلے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا باقی نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو، اور درخت و پتھر صرف نبی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں انہیں مہرِ نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو آپ ﷺ کے شانے کے نیچے سیب کے مشابہ ہے۔ راہب یہ کہہ کر واپس چلا گیا اور اس نے تمام قافلے والوں کے لیے کھانا تیار کرایا۔ کھانے کے لیے سب حاضر ہوئے تو آپ ﷺ موجود نہ تھے۔ راہب کے دریافت کرنے پر اس کو بتایا گیا کہ آپ اونٹ چرانے گئے ہیں۔ پھر کسی کو بھیج کر آپ کو بلایا گیا۔ آپ جب تشریف لائے تو ایک ابر آپ پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ لوگ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی درخت کے سائے میں جگہ لے چکے تھے۔ لہٰذا آپ ایک جانب کو بیٹھ گئے۔ آپ کے بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ راہب نے کہا کہ درخت کے سائے کو دیکھو کہ کس طرح آپ کی طرف مائل ہے۔ اور پھر کھڑے ہو کر لوگوں کو قسمیں دینے لگا اور کہا کہ آپ لوگ ان کو روم کی طرف نہ لے جائیں، رومی آپ کی صفات اور علامات دیکھ کر آپ کو پہچان لیں گے اور قتل کر ڈالیں گے۔ اسی اثنا میں اچانک راہب نے دیکھا کہ روم کے سات آدمی کسی کی تلاش میں اسی طرف آ رہے ہیں، راہب نے ان سے پوچھا کہ تم کس لیے یہاں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس نبی کی تلاش میں آئے ہیں جس کے بارے میں تورات اور انجیل میں خبر دی گئی کہ وہ اس مہینے میں سفر کے لیے نکلنے والا ہے۔ ہم نے ہر طرف اپنے آدمی بھیجے ہیں۔ اور جب ہمیں تم لوگوں کا علم ہوا تو ہمیں اس طرف بھیج دیا گیا، راہب نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ جس شے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرما لیا ہو تو کیا کوئی اس کو روک سکتا ہے؟ رومیوں نے جواب دیا نہیں، راہب نے رومیوں سے کہا کہ پھر تم ان کے ہاتھ پر بیعت کرو اور ان کے ساتھ رہو۔

راہب نے پھر قریش کے قافلے کو قسم دے کر دریافت کیا کہ تم میں سے اس کا ولی کون ہے۔ لوگوں نے ابو طالب کی طرف اشارہ کیا۔ راہب نے ابو طالب سے کہا کہ آپ ان کو

ضرور واپس بھیج دیں، چناں چہ ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکے واپس بھیج دیا۔ راہب نے راستے کے لیے روٹی اور زیتون کا تیل ساتھ کر دیا۔

اس واقعے کے حوالے سے علامہ شبلی اور دیگر محققین لکھتے ہیں کہ اس روایت سے جس قدر شغف عام مسلمانوں کو ہے، اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سر ولیم میور، ڈریپر، مارگیولوتھ وغیرہ سب اس واقعے کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے اور جو نکتے اس نے بتا دیے تھے، ان ہی پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی۔ اسلام کے تمام عمدہ اصول ان ہی نکتوں کے شروح اور حواشی ہیں، لیکن عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت میں مذکور ہے۔ اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں، بل کہ بحیرا نے تو معلوم تفصیلات کے مطابق آپ سے بہ راہ راست گفت گو ہی نہیں کی، صرف ایک دو سوال ہی اس نے بہ راہ راست کیے۔ اس نے جو کچھ پوچھا وہ یا تو ابوطالب سے پوچھا یا شرکائے قافلہ سے۔ قیاس میں بھی نہیں آ سکتا کہ دس بارہ سال کے بچے کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیے جائیں اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیرا کے تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس لیے بحیرا کا قصہ درست معلوم نہیں ہوتا، گو قدیم وجدید تمام سیرت نگار اس کو بیان کرتے چلے آ رہے ہیں۔

بہ ہر حال، سفر شام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا پہلا سفر تھا۔ اس کے بعد نبوت کے آغاز تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار تجارتی سفر کیے ہیں، ان میں شام کی جانب سفر بھی شامل ہیں۔

حربِ فِجَار میں شرکت

اسلام سے پہلے عربوں میں خانہ جنگیوں اور لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ان لڑائیوں میں سے ایک لڑائی حرب فجار (گناہ کی لڑائی) کے نام سے مشہور ہے، کیوں کہ یہ لڑائی حرمت والے مہینوں میں قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان لڑی گئی۔ اس لڑائی میں پہلے قبیلہ قیس والے قریش پر غالب آئے، پھر بعد میں قریش والے قبیلہ قیس پر غالب آ گئے۔ آخر صلح پر اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے بعض چچاؤں کے اصرار پر اس میں شریک ہوئے، مگر

قتال نہیں فرمایا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۱۴ یا ۱۵ سال تھی۔

حلف الفضول

حرب فجار کے بعد لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح گزشتہ زمانے میں قتل وغارت گری سے بچنے کے لیے فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث نے حلف الفضول کے نام سے ایک معاہدہ مرتب کیا تھا، جو ان ناموں کی وجہ سے ہی حلف الفضول مشہور ہوا تھا، اسی طرح کا معاہدہ اب کیا جائے، تاکہ یہاں موجود بدامنی اور بدمعاملگی کا راستہ روکا جاسکے۔ چناں چہ ایک معاہدہ ہوا، اسے حلف الفضول کہتے ہیں۔

شوال میں حرب فجار کا سلسلہ ختم ہوا۔ اور ابتدائی فسادات کے بعد ذیقعدہ میں حلف الفضول کے لیے بات چیت شروع ہوئی۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب اس معاہدے اور حلف کے محرک ہوئے اور بنو ہاشم اور بنی تیم عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے جو نہایت مہمان نواز اور حضرت عائشہؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس وقت سب نے مظلوم کی حمایت واعانت کا عہد کیا، خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا، دیسی ہو یا پردیسی، حتی الامکان اس کی مدد واعانت سے دریغ نہ کریں گے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس معاہدے کے وقت میں بھی عبداللہ بن جدعان کے مکان میں موجود تھا۔ اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جاؤں تو اس کی شرکت کو قبول کرلوں گا۔

دیکھیے کہ لڑائی کے موقع پر اس سے گریز کیا، اور صلح کے عمل میں بہ نفسِ نفیس شریک رہے، یہ اسوۂ نبوی ہے۔

تجارت

مکہ کی وادی میں کھیتی باڑی نہیں ہوتی تھی، اس لیے وہاں کے باشندے اور خاص طور پر قریش کے زیادہ تر لوگ تجارت پیشہ تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد اعلیٰ ہاشم نے عرب قبیلوں سے تجارتی معاہدے کر کے اس خاندانی پیشے کو زیادہ مستحکم اور باقاعدہ بنا دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب بھی تجارت کرتے تھے۔ آپ نے بھی بچپن میں ان کے

ساتھ کچھ تجارتی سفر کیے تھے، پہلے سفر شام کا ذکر گزر چکا ہے، جس سے آپ کو خرید و فروخت میں خاصا تجربہ حاصل ہو گیا تھا، اور آپ کے حسن معاملہ کی شہرت بھی عام ہو چکی تھی، چناں چہ بڑے ہو کر آپ نے حصول معاش کے لیے اسی خاندانی پیشے کو اپنایا۔ اس زمانے میں لوگ عام طور پر اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور دیانت دار شخص کو دے کر اسے منافع میں شریک کر لیا کرتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسی شراکت کو خوشی سے قبول فرما لیا کرتے تھے، چناں چہ آپ نے تجارت کے سلسلے میں متعدد سفر کیے، جن میں شام، بصریٰ، یمن اور عرب کے دیگر مقامات جہاں بازار لگتے تھے، شامل ہیں۔

شام کا دوسرا سفر

صحیح قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک جب ۲۵ برس ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام کا دوسرا سفر فرمایا۔

عین ممکن ہے کہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام کے مزید سفر کیے ہوں، کیوں کہ اس عمر تک آپ کی تجارت مستحکم ہو چکی تھی اور آپ اپنی امانت و دیانت کی وجہ سے خوب شہرت حاصل کر چکے تھے۔

اسی طرح حضرت خدیجہؓ مکے کے ایک نہایت شریف خاندان کی بڑی مال دار اور ممتاز تاجرہ تھیں۔ جب کوئی تجارتی قافلہ روانہ ہوتا تو تنہا حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت، تمام قریش کے مال کے برابر ہوتا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی، دیانت داری اور کارگزاری کی شہرت سن کر خود آپ کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں تو جو معاوضہ اوروں کو دیتی ہوں، اس کا دوگنا آپ کو دوں گی۔ آپ نے اس کو قبول فرما لیا اور حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر بصریٰ شہر تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راہ تھا۔

یہ سفر توقع سے زیادہ کام یاب رہا، چناں چہ اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے حضرت خدیجہ کو اتنا نفع ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا نفع نہیں ہوا تھا، لہٰذا حضرت خدیجہؓ نے جو معاوضہ آپ کے لیے طے کیا تھا، خوش ہو کر اس سے زیادہ دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے جہاں

جہاں آپ کو تجارت کے لیے بھیجا، ان میں جرش بھی شامل ہے جو یمن میں ہے۔ آپ جرش دو دفعہ تشریف لے گئے اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضے میں ایک اونٹ دیا۔

صادق وامین کے القاب

اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً ۲۵ برس ہو گئی تھی۔ آپ بہت سے قومی امور میں شریک ہو چکے تھے۔ لہٰذا آپ کی امانت و دیانت، راست بازی و حسن معاملہ اور پاکیزہ اخلاق کی شہرت دن بدن بڑھتی گئی، یہاں تک کہ لوگ آپ کو الصادق اور الامین کے القاب سے پکارنے لگے۔ تجارت جیسے مشکل کام میں متفقہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ لقب ملنا انتہائی اہمیت کی بات ہے۔ اس بات سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجارتی سرگرمیوں کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

بکریاں چرانا

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلیمہؓ سعدیہ کے پاس تھے تو اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ نے بڑے ہو کر بھی بکریاں چرائیں، چناں چہ جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم مقام الظہر ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم وہاں پیلو کے پھل چننے لگے تو آپ نے فرمایا کہ سیاہ رنگ کے چنو، وہ زیادہ لذیذ ہوتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ بکریاں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں''۔

حضرت ابوہریرہؓ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کی اجرت پر چرایا کرتا تھا۔

ابوسعید خدری اور نضر بن حزن سے روایت ہے کہ ایک بار اونٹ والے اور بکریوں والے آپس میں فخر کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ نبی بنا کر بھیجے گئے، وہ بکریاں چرانے والے تھے اور داؤد نبی بنا کر بھیجے گئے، وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور میں نبی بنا کر بھیجا گیا اور میں بھی اپنے گھر والوں کی بکریاں مقام اجیاد میں چرایا کرتا تھا۔

انبیا علیہم السلام کا بکریاں چرانا امت کی گلہ بانی کا دیباچہ اور پیش خیمہ تھا۔ اونٹ اور گائے کے مقابلے میں بکریوں کا چرانا زیادہ دشوار ہے۔ بکریاں کبھی ایک چراگاہ میں جاتی ہیں اور کبھی دوسری میں، ابھی اس طرف دوڑ رہی ہیں اور دوسرے لمحے دوسری طرف دوڑتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ چرواہا ہر طرف خیال رکھتا ہے کہ کوئی بھیڑیا یا درندہ تو ان کی تاک میں نہیں اور کوشش کرتا ہے کہ تمام بکریاں ایک جگہ جمع رہیں اور کوئی گلہ سے علیحدہ نہ ہونے پائے، تاکہ وہ درندوں سے محفوظ رہیں۔ چرواہا صبح سے شام تک اسی فکر میں ان کے پیچھے سرگرداں اور پریشان رہتا ہے۔ یہی حال انبیائے کرام علیہم السلام کا ہے۔ وہ امت کی اصلاح کی فکر میں دن رات سرگرداں رہتے ہیں۔ امتی تو بکریوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں اور انبیائے علیہم السلام کمال شفقت سے ان کو اپنی طرف بلاتے رہتے ہیں۔ امت کی بے اعتنائی سے ان کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اس پر صبر و تحمل فرماتے ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ وہ کسی وقت دعوت و تبلیغ و ارشاد و تعلیم سے اکتاتے اور گھبراتے بھی نہیں ہیں۔ اسی طرح جیسے بکریاں درندوں کے خوں خوار حملوں سے بے خبر ہوتی ہیں، ایسے ہی امت کے لوگ نفس و شیطان کے حملوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں نفس و شیطان ان کو اچک نہ لے۔

نکاح

اپنے تجارتی تجربات کی روشنی میں اس دوران حضرت خدیجہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جس قدر بہ راہِ راست علم ہوا، یا پھر اپنے غلام میسرہ کی زبانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر کے حالات وغیرہ جس طرح معلوم ہوئے وہ انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے بیان کیے۔ ورقہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور تورات و انجیل کے بڑے عالم تھے۔ ورقہ نے تمام گفت گو سن کر کہا کہ خدیجہ اگر یہ واقعات سچے ہیں تو پھر یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس امت کے نبی ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ امت میں ایک نبی ہونے والے ہیں جن کا ہمیں انتظار ہے اور ان کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یہ باتیں سن کر حضرت خدیجہؓ کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کا شوق پیدا ہوا، چناں چہ شام کے سفر سے واپسی کے دو مہینے اور پچیس روز بعد خود

حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ سے نکاح کا پیغام دیا۔ آپ نے اپنے چچا کے مشورے سے اس کو قبول فرمالیا۔ مقررہ تاریخ پر آپ اپنے چچا ابو طالب اور حضرت حمزہؓ اور خاندان کے دیگر افراد کے ہم راہ حضرت خدیجہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ نکاح کے وقت ابو طالب نے نہایت بلیغ خطبہ پڑھا۔

پھر اس وقت کے رواج کے مطابق جناب ابو طالب کے بعد ورقہ بن نوفل نے بھی خطبہ پڑھا، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا۔

ابن ہشام کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو بیس جوان اونٹ مہر میں دیے تھے۔

نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۶ برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ برس تھی، آپ کا یہ پہلا نکاح تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تیسرا۔ اس سے قبل حضرت خدیجہ کے دو شوہر پے در پے وفات پا چکے تھے۔

حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کے نکاح میں ۲۵ یا ۲۶ سال زندہ رہیں۔ ان کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ ان کا نہایت عزت و احترام سے ذکر فرماتے، نیز ان کی سہیلیوں سے بھی عزت و شفقت کا برتاؤ فرماتے۔ اسی طرح یہ بات نہایت اہمیت رکھتی ہے کہ جب تک حضرت خدیجہ حیات رہیں، رسول اللہ ﷺ نے عربوں کی عام روایات کے باوجود دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔

تعمیر کعبہ

بیت اللہ کی عمارت وادیٔ مکہ کے نشیب میں واقع تھی۔ وہ صرف قدِ آدم اونچی تھی اور اس کی دیواروں پر چھت نہ تھی۔ بارش کے زمانے میں پانی حرم میں داخل ہو کر عمارت کو نقصان پہنچاتا رہتا تھا۔ بعض جگہ دیواروں میں شگاف پڑ گئے تھے، اس لیے قریش کو اس کی از سر نو تعمیر کا خیال پیدا ہوا۔ اسی اثنا میں قریش کو خبر ملی کہ ایک تجارتی جہاز جدے کی بندرگاہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ہے، ولید بن مغیرہ ایک عرب سردار تھا، وہ یہ سنتے ہی جدے پہنچا اور اس کے تختے خانہ کعبہ کی چھت کے لیے حاصل کر کے لے آیا۔ اس جہاز میں ایک رومی معمار بھی تھا، جس کا نام

باقوم تھا۔ ولید نے کعبے کی تعمیر کی غرض سے اس کو بھی ساتھ لے لیا۔

جب جدید تعمیر کے ارادے سے بیت اللہ کو گرا دینے کا مشورہ ہوا تو تمام لوگ ڈر گئے کہ کہیں کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائیں، اس موقع پر ولید بن مغیرہ کہنے لگا کہ گرانے سے تمہارا ارادہ اچھائی کا ہے یا برائی کا؟ انہوں نے کہا کہ اصلاح کا، اس نے کہا اصلاح کرنے والوں کو اللہ ہلاک نہیں کرتا، پھر وہ کہنے لگے کہ کعبے کے اوپر چڑھ کر اسے کون گرائے گا؟ ولید کہنے لگا کہ یہ کام میں کروں گا، چناں چہ وہ اوپر چڑھ گیا اور کہنے لگا کہ میرا ارادہ نیک ہے، کسی برائی کا نہیں، یہ کہہ کر اس نے عمارت کو گرانا شروع کر دیا، یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ آج کی رات ہم دیکھتے ہیں، اسے کچھ ہوا تو ہم یہ کام روک دیں گے اور اگر اسے کچھ نہ ہوا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام سے راضی ہے۔ اس لیے ہم سب مل کر کعبے کی عمارت گرا دیں گے، چناں چہ جب ولید کو کچھ نہ ہوا تو اگلے روز سب نے مل کر کعبے کو گرا دیا، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد نکل آئی۔

جب قریش کے مختلف قبیلوں نے عمارت کے حصے آپس میں تقسیم کر کے تعمیر کا کام شروع کرنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں ابو وہب بن عمر و مخزومی نے قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ حلال کمائی سے ہو، بدکاری، چوری اور سود وغیرہ کا پیسہ اس میں شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو پسند کرتا ہے، اس گھر میں صرف حلال و پاک پیسہ لگاؤ۔ اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ بنیادوں پر تعمیر شروع کر دی۔ تمام قریش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان میں شامل تھے اور دوش مبارک پر پتھر اٹھا کر لاتے، یہاں تک کے شانے مبارک چھل گئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔

حجرِ اسود نصب کرنے کے وقت ہر شخص اپنے ہاتھ سے اس خدمت کو سرانجام دینا چاہتا تھا۔ اس پر سخت اختلاف پیدا ہوا، تلواریں کھنچ گئیں اور لوگ باہم مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ چار روز اسی طرح گزر گئے اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ پانچویں دن ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا، رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے، اسی کو ثالث بنا کر فیصلہ کرا لو۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ چناں چہ دوسرے روز صبح

کے وقت تمام لوگ حرم میں پہنچے تو دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے سے وہاں تشریف فرما ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھتے ہی سب نے بے ساختہ کہا یہ تو محمد ہیں، یہ تو امین ہیں، ہم ان کی ثالثی پر راضی ہیں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گوارا نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں۔ آپ نے ایک چادر منگوائی اور حجرِ اسود کو اپنے دست مبارک سے اس میں رکھ کر فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار اس چادر کو تھام لے، تاکہ اس شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے۔ آپ کے اس فیصلے کو سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اوپر اٹھائی اور اسی طرح اٹھائے ہوئے اس مقام تک لائے جہاں حجر اسود کو نصب کرنا تھا۔ پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرما دیا۔ اس طرح آپ کے حسن تدبیر سے ایک بہت بڑی خوں ریزی رک گئی۔ نبوت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمتِ عام سے عربوں کے مستفید ہونے کا یہ اہم واقعہ ہے۔

کعبے کی عمارت پر چھت ڈال دی گئی تھی، لیکن چوں کہ حلال سرمایہ اور سامان تعمیر کافی نہ تھا، اس لیے عربوں نے ایک طرف زمین کا کچھ حصہ کھلا چھوڑ دیا اور اس کے گرد چار دیواری بنا دی گئی۔ اس حصے کو آج کل حطیم کہتے ہیں۔

یہاں بھی ہم غور کریں تو بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں کہ عرب کے بت پرست مشرکوں کو بھی اس بات کا علم تھا کہ اللہ کا گھر حرام کی کمائی سے نہیں بنانا چاہیے، چاہے اس مقصد کے لیے رقم بھی کم پڑ جائے۔

سوالات

۱۔ جوانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جفاکشی بیان کیجیے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاک دامنی کی اہمیت بیان کیجیے۔

۳۔ تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کی تنصیب کی بنیاد پر ہونے والی ممکنہ جنگ کو روکنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حسن تدبیر کو بیان کیجیے۔

وحی کا آغاز

خلوت

رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک جب تیس برس سے زائد ہوگئی تو نبوت کی آمد کے آثار شروع ہوگئے، اگرچہ یہ بات بعد میں ہی ظاہر ہوئی کہ ان تمام چیزوں کا تعلق نبوت سے ہے۔ ان آثار کا آغاز خلوت گزینی سے ہوا، یعنی آپ تنہائی میں وقت گزارنا پسند کرنے لگے۔

بعثت سے سات برس قبل رسول اللہ ﷺ کو ایک روشنی اور نور سا نظر آنے لگا تھا۔ اس نور میں کوئی آواز نہ ہوتی تھی، البتہ آپ ﷺ کی طبیعت میں تبدیلی واقع ہونے لگی تھی اور وقت کے ساتھ ساتھ طبیعت دنیاوی امور سے ہٹتی جاتی تھی، اور مزاج میں تنہائی پسندی بڑھتی جاتی تھی۔ آپ ﷺ سامان خورد و نوش یعنی پانی اور ستو وغیرہ لے کر مکہ مکرمہ سے باہر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور دنیا سے الگ تھلگ مجاہدے، ریاضت اور عبادت میں مشغول رہتے۔ اس زمانے کی عبادت کے بارے میں تفصیل صرف اتنی ہی ملتی ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری میں آپ ﷺ کے ایام بسر ہوتے تھے۔ اور معمول یہ تھا کہ جب تک پانی اور ستو وغیرہ ختم نہ ہو جاتے آپ گھر واپس نہ لوٹتے تھے۔

نبوت

آں حضرت ﷺ کی نبوت کی ابتدا تو آپ کی پیدائش کے چالیس برس بعد ہوئی، مگر آپ کی نبوت حضرت آدم سے بھی پہلے واجب ہو چکی تھی، اور آپ تخلیق کے اعتبار سے سب سے پہلے اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری نبی ہیں۔

سچے خواب اور پہلی وحی

علقمہ بن قیس سے روایت ہے کہ پہلے پہلے انبیا علیہم السلام کو خواب ہی دکھائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ سچے خوابوں سے ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں، تو حالت بیداری میں ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رویائے صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ بتایا ہے۔ انبیا علیہم السلام کے خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں۔ ان میں جھوٹ کا ذرا بھی امکان نہیں ہوتا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی روشنی کی مانند بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی تھی۔ پھر آپ کو تنہائی محبوب بنا دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں جا کر کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے اور جتنے دن وہاں رہنے کا ارادہ ہوتا، اتنے دنوں کا سامان خوراک ساتھ لے جاتے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آ کر حضرت خدیجہؓ سے مزید چند روز کے لیے سامان خوراک تیار کرا کر لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ اس غارِ حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حق یعنی وحی پہنچی اور ایک فرشتہ (جبریل امین) نے غار کے اندر آ کر آپ سے کہا ''پڑھیے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ آپ نے بیان فرمایا کہ اس پر اس فرشتے نے مجھے دبوچ کر اس زور سے بھینچا کہ مجھے اس سے تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے۔ میں نے دوبارہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ سن کر اس نے مجھے پھر زور سے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے، میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا اس پر اس نے تیسری مرتبہ مجھے آغوش میں لے کر خوب بھینچا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا!

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤

(العلق: ۱۔۵)

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو آپ وحی کے اثرات اپنے جسم پر محسوس کر رہے تھے، اس لیے آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: ''مجھے اوڑھاؤ مجھے اوڑھاؤ'' کچھ دیر کے بعد جب طبیعت پر سکون ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تمام واقعہ سننے کے بعد فرمایا:

خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رنج نہ دے گا، آپ تو امانت ادا کرتے ہیں، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ ناداروں کے لیے کماتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی ان حوادث پر مدد کرتے ہیں جو حق ہوتے ہیں۔

یہ جملے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سے پہلے کی چالیس سال کی زندگی کا خلاصہ ہیں اور اس اعتبار سے یہ بیان کرنے والی حضرت خدیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی سیرت نگار ہیں۔

ورقہ بن نوفل

پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے ہم راہ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام واقعہ سنتے ہی کہا: یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ کاش میں آپ کی نبوت کے زمانے میں قوی اور توانا ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعجب سے فرمایا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا۔ بلاشبہ یہ آپ کو نکال دیں گے، کیوں کہ جب بھی کوئی آدمی اس قسم کی دعوت لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرزور حمایت کروں گا۔ اس کے چند روز بعد ورقہ انتقال کر گئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ورقہ بن نوفل

مسلمان ہو گئے تھے۔

چناں چہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی لیکن اعلان نبوت سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ورقہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ سفید لباس میں ہے اگر وہ اہل دوزخ سے ہوتے تو کسی اور لباس میں ہوتے۔ اور مسند بزار اور حاکم میں حضرت عائشہؓ سے ایک اور مرفوع روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ورقہ کو برا مت کہو، میں نے اس کے لیے جنت میں ایک باغ یا دو باغ دیکھے ہیں۔

اس کے بعد وحی کا آنا کچھ عرصے کے لیے رک گیا، تاکہ ابتدائی وحی کے اثرات یعنی بوجھ وغیرہ دور ہو جائیں، اور آئندہ کے لیے دل میں وحی کا شوق اور انتظار پیدا ہو جائے۔ پہلی وحی کے بعد بھی جو کیفیت پیدا ہوئی، اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وحی کا اپنا وزن ہے، جو جسم پر محسوس ہوتا ہے، اس وزن کو اٹھانے کا پہلی بار اتفاق ہوا تھا، اس بنا پر یہ وقتی کیفیت رہی جو بعد میں دور ہو گئی۔

بعثت کی تاریخ

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت آپ کی عمرِ مبارک کے چالیس سال پورے ہونے پر عطا ہوئی۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ پیر کا دن تھا۔ مسلم کی یہ روایت بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے روز روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا! اس روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز مجھ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

جدید تحقیقات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ۲۳، ۲۴ رمضان ۴۱ میلاد قمری۔ ۲۳، ۲۴ ذی الحجہ، ۳۹ میلاد قمریہ شمسی۔ ۹ ستمبر ۶۰۸ء بروز پیر ہوئی۔

نزول وحی کی کیفیت

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو ہم شہد کی

مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مانند آواز سنا کرتے تھے۔

حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور وحی کا یہ انداز میرے اوپر سب سے زیادہ گراں گزرتا ہے اور جب یہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا ہوں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں آ کر مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کے کلمات کو یاد کرلیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو سخت سردی کے دن اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تھی تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ اس طرح بہتا تھا، جیسے فصد لگائی گئی ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نزول وحی کے وقت تکلیف محسوس کرتے اور چہرہ متغیر ہوجاتا تھا۔ یہ کیفیت ایک دو مرتبہ پیش نہیں آئی، بل کہ جب بھی وحی آتی تھی آپ ﷺ کی یہی کیفیت ہوتی تھی اور بدنِ اطہر پسینے سے تر ہوجاتا تھا۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو ہم میں سے کسی میں مجال نہیں ہوتی تھی کہ آپ پر نظر ڈال سکے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری ران پر آپ کا سر مبارک تھا۔ اسی حالت میں ایک چھوٹی سی آیت غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ نازل ہوئی۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میری ران ٹوٹ رہی ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نزولِ وحی کے وقت آں حضرت ﷺ اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی اپنی گردن ڈال دیتی تھی۔

ان تمام روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحی کی اس کیفیت میں جسمِ اطہر بھی بوجھ محسوس کرتا تھا۔ پہلی وحی کے بعد والی کیفیت بھی یہی تھی۔

اسلام کا پہلا فرض

پہلی قرآنی وحی کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے اسی روز حضور ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا، چناں چہ روایت میں آتا ہے کہ جب جبریل اقرا کی وحی منتقل کر چکے تو انہوں

نے آپ کو کہا کہ اس پہاڑ (غارِ حرا) سے اتریے، آپ اتر آئے تو جبریل نے زمین پر اپنا پیر مارا جس سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اس پانی سے پہلے حضرت جبریل نے وضو کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں وضو کرتے ہوئے دیکھتے رہے، پھر جبریل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرنے کے لیے کہا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو سے فارغ ہوئے تو جبریل نے نماز پڑھائی اور آپ کو اپنے ساتھ کھڑا کیا، آپ نے جبریل کے ساتھ دو رکعت کعبے کی جانب منہ کر کے ادا کیں، پھر جبریل واپس آسمانوں پر چلے گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کو روانہ ہوئے، اس وقت آپ جس حجر، شجر پر سے بھی گزرتے تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتا تھا، پھر آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہیں اس سارے واقعے کی خبر دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں لے کر ایک چشمے پر آئے اور وضو کیا، تاکہ حضرت خدیجہؓ بھی آپ کو دیکھ کر وضو کا طریقہ سیکھ لیں، پھر آپ نے حضرت خدیجہؓ کو وضو کرنے کا حکم دیا، انہوں نے جب وضو کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسی طرح نماز پڑھائی جیسے جبریل نے آپ کو پڑھائی تھی، نماز سے فارغ ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، یہ وہ پہلی نماز تھی جو کرۂ ارض پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد ادا کی گئی۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اگلے روز پہلی نماز ادا کی، کیوں کہ وہ اسی روز اسلام لائے تھے، چناں چہ ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ حضرت علیؓ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے۔ (یہ پہلی نماز کا ہی ذکر ہے) انہوں نے یہ طریقہ پہلی بار دیکھا تھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کا دین ہے جو اس نے میرے لیے پسند کر لیا ہے اور مجھے اپنا رسول بنا کر مبعوث کیا ہے، میں تمہیں اس خدائے واحدہ لاشریک اور اس کی عبادت کی طرف اور لات وعزیٰ کے انکار کی طرف بلاتا ہوں، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ نئی چیز ہے جو اس سے قبل میں نے نہیں سنی، اس لیے میں جب تک اپنے والد ابو طالب سے مشورہ نہ کر لوں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو ہمارا راز کسی پر ظاہر نہ کرنا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو اسلام کی ہدایت دے دی اور اگلے روز صبح کو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اسلام لے آئے۔

یاد رہے کہ شروع میں ہر نماز دو رکعت کی تھی، پھر بعد میں حالتِ سفر میں تو دو رکعت ہی برقرار رہیں اور حضر (حالتِ قیام) میں چار رکعات ہو گئیں۔

سب سے پہلے اسلام لانے والے

اعلانِ نبوت کے بعد جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے وہ بارگاہ خداوندی میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ قرآنِ کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں بشارت دی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہؓ ہیں۔ جب آپ غار حرا سے تشریف لائے اور ان کو نزول وحی کی خبر دی تو وہ ایمان لائیں اور تصدیق کی۔ اس کے بعد دوسرے دن حضرت علیؓ جو کافی عرصے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر تربیت تھے، دس سال کی عمر میں اسلام لائے اور آپ کے ہم راہ نماز پڑھی، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، حضرت علیؓ نے تقریباً ایک سال تک اپنے اسلام لانے کو اپنے والد ابو طالب سے چھپائے رکھا۔ حضرت علیؓ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ اسلام لائے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاروں صاحب زادیاں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کی اولاد مثلاً حارث بن اُبی ہالہ اور ہند بن ابی ہالہ بھی اسلام لائے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے احباب کو اس نعمتِ عظیم کی طرف دعوت دی۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے مخلص اور قدیم ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام دی جو بلا تامل اور بلا تردد فوراً ہی ایمان لے آئے، چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جس شخص پر بھی اسلام پیش کیا وہ اسلام سے ضرور کچھ نہ کچھ جھجکا مگر ابوبکرؓ نے اسلام قبول کرنے میں ذرا بھی توقف نہیں کیا۔

حضرت ابوبکرؓ قریش کے نسب و حالات کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ تجارت کرتے تھے، بڑے بااخلاق اور فیاض تھے۔ لوگ آپ کی دانائی کی وجہ سے اپنے کاموں میں آپ سے مشورہ لیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دعوت اسلام قبول کرنے کے بعد نہ صرف اس کا برملا اظہار کیا، بل کہ دوسروں کو بھی اللہ اور اس کے رسول کی طرف آنے

کی دعوت دی۔ اس طرح وہ پہلے دن سے آپ ﷺ کے لیے تبلیغ دین میں معاون بن گئے۔ انہوں نے اپنا مال و متاع اور زندگی کا کُل سرمایہ اسلام کے لیے وقف کر دیا اور تیرہ سالہ مکی زندگی میں ہر طرح کی تکلیف و مصیبت کے وقت آں حضرت ﷺ کا پوری طرح ساتھ دیا۔ احباب و مخلصین میں سے جو بھی حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتا تھا یا وہ خود ان میں سے کسی کے پاس جاتے تو اس کو اسلام کی دعوت دیتے۔ چناں چہ حضرت ابوبکر کی تبلیغ و ترغیب سے حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت طلحہ بن عبداللہؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص مسلمان ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ ان سب کو لے کر آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہم راہ نماز پڑھی۔ حضرت خدیجہؓ کو چھوڑ کر یہ آٹھ مرد وہ ہیں جن کا اسلام سب سے مقدم ہے۔

حضرت بلالؓ، عمر بن عنبسہؓ اور خالد بن سعد بن عاصؓ بھی چند روز کے بعد ہی مسلمان ہو گئے۔ پھر ابو عبیدہؓ عامر بن عبداللہ بن الجراح، عبدالاسد بن بلالؓ، عثمان بن مظعونؓ، عامر بن فہیرہ ازدیؓ، ابوحذیفہؓ بن عتبہ، سائب بن عثمانؓ مظعون اور ارقمؓ مسلمان ہوئے۔

اسی طرح خواتین میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے حضرت عباسؓ کی بیوی ام الفضلؓ لبانہ بنت الحارث مسلمان ہوئیں۔ ان کے بعد اسماء بنت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا۔

خاموش تبلیغ

نبوت کے ابتدائی تین سال تک آں حضرت ﷺ لوگوں کو نہایت خاموشی سے تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ پتھروں، درختوں اور چاند و سورج کی پوجا سے ہٹا کر لوگوں کو خدا کی بندگی کی تعلیم دیتے رہے۔ جب نماز کا وقت آتا تو آں حضرت ﷺ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز ادا فرماتے۔ ایک دفعہ آپ کسی درے میں حضرت علیؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے اس وقت تک اپنے اسلام کو اپنے ماں باپ اور دیگر رشتے داروں پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ اچانک آں حضرت ﷺ کے چچا اور حضرت علیؓ کے والد ابوطالب اس طرف آ نکلے۔ عبادت کے اس نئے طریقے کو دیکھ کر ان کو بہت تعجب ہوا اور کھڑے ہو کر غور سے دیکھنے

لگے۔ آں حضرت ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابو طالب نے پوچھا کہ یہ کیا دین ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے تمام پیغمبروں اور ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ اور اللہ نے مجھے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، بت پرستی سے منع کیا اور صرف اپنی عبادت فرض کی ہے، جس کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اس کو قبول کر کے اس عظیم الشان کام میں میری مدد کریں۔

ابو طالب نے کہا کہ اے میرے بھتیجے! مجھ میں اتنی طاقت و ہمت تو نہیں کہ میں اپنا آبائی دین چھوڑ دوں، لیکن آپ کو اجازت ہے۔ آپ اطمینان سے اپنا کام کریں میں ہر طرح آپ کی مدد اور حفاظت کروں گا، اس کے بعد ابو طالب نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے بیٹے! یہ دین کیا ہے جو تو نے اختیار کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ اے والد محترم! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور جو کچھ وہ لائے اس کی تصدیق کی اور اللہ کے لیے ان کے ساتھ نماز پڑھی اور ان کی اتباع کی۔ اس کے بعد ابو طالب نے کہا، یہ تمہاری بدخواہی نہیں کر سکتے تم ان کے طریقے پر عمل کرو اور ان کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ خاموش تبلیغ کا یہ سلسلہ تقریباً تین سال تک جاری رہا۔

دارِ اَرقم میں اجتماع

حضور ﷺ تین سال تک لوگوں کو خاموشی کے ساتھ دعوت و تبلیغ فرماتے رہے۔ اس دوران نماز وغیرہ کی ادائیگی کے لیے مکے کی وادیوں میں سے کسی کا انتخاب کیا جاتا تھا، کیوں کہ اس وقت مشرکین کے سامنے کھلم کھلا عبادات کی ادائیگی ممکن نہیں تھی، اسی دوران ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چند صحابہ کرامؓ کے ہم راہ نماز کی ادائیگی میں مشغول تھے کہ چند مشرکین ادھر آ نکلے اور مسلمانوں کو نماز میں مشغول دیکھ کر انہیں سخت سست کہنے لگے، یہاں تک کہ نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ لڑائی کے دوران حضرت سعدؓ نے ایک مشرک کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری، جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ اس واقعے کے بعد آپ ﷺ اور صحابہ کرام خفیہ طور پر عبادت کے لیے دارِ ارقم میں جمع ہونے لگے، جو صفا پہاڑ پر واقع تھا، اس وقت تک مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو چکی تھی۔

یوں دارارقم مسلمانوں کا پہلا مرکز قرار پایا۔ یہ مسلمانوں کا مرکز بھی تھا، اور پہلی درس گاہ بھی۔ یہیں وقفے وقفے سے نازل ہونے والی وحی کی تعلیم دی جاتی تھی، اور یہیں وحی کو تحریری شکل میں محفوظ کر کے دوسرے مسلمانوں تک پہنچانے کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔

سوالات

۱۔ خلوت کا کیا مطلب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وحی کی آمد سے قبل کیا معمول تھا؟

۲۔ پہلی وحی کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کن الفاظ کے ساتھ تعریف کی؟ ان تمام باتوں کا خلاصہ کیا ہے؟

۳۔ ابتدائی ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دین کا طریق کار کیا رہا؟

علانیہ تبلیغ

نبوت کے آغاز کے بعد خاموش تبلیغ کا سلسلہ تین برس تک جاری رہا۔اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموشی کے ساتھ قابلِ اعتماد افراد تک اسلام کا پیغام پہنچاتے رہتے اور انفرادی طور پر دعوت اسلام دیتے رہے۔اس کے بعد علانیہ تبلیغ کے لیے یہ آیت نازل ہوئی:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (الحجر: ۹۴)

آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے خوب کھول کر بیان کیجیے اور مشرکوں کی ذرا پرواہ نہ کیجیے۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی کھل کر سامنے آ گئے اور علانیہ تبلیغ کرنے لگے۔اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (الشعراء: ۲۱۴)

اور آپ (سب سے پہلے) اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع فرما کر انہیں پیغام حق سنایا۔

چناں چہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ، نازل ہونے کے بعد ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ایک صاع غلہ، ایک بکری کی دست اور ایک پیالہ دودھ مہیا کرو اور اس کے بعد عبدالمطلب کے تمام خاندان کو جمع کرو۔ میں نے ان چیزوں کا انتظام کر کے سب کو اطلاع دے دی۔ کم و بیش چالیس آدمی جمع ہو گئے، جن میں ابو طالب، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور ابولہب بھی شامل تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ بکری کی اسی ایک دست گوشت سے

سب کے سب سیر ہو گئے اور کچھ بچ بھی گیا، حال آں کہ وہ کھانا صرف ایک آدمی کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ دودھ کا پیالہ لاؤ اور لوگوں کو پلاؤ۔ دودھ کے اسی ایک پیالے سے سب سیر ہو گئے۔

کھانے سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ فرمانے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے یہ کہہ کر سب کو اٹھا دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تو آج تمہارے کھانے پر جادو کر دیا ہے۔ ایسا تو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ یہ سنتے ہی سب لوگ چلے گئے اور آپ کو کچھ فرمانے کا موقع نہ ملا۔ دوسرے روز پھر آپ نے مجھے اسی طرح کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ سب لوگ اسی طرح جمع ہو گئے۔ جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی خیر و فلاح لے کر آیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ عرب میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل شے لایا ہو۔ ایک روایت میں خطبے کے الفاظ یہ آئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> اے بنی عبدالمطلب! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام مخلوق کی جانب (رسول بنا کر) مبعوث کیا ہے اور خاص کر تمہاری طرف بھیجا ہے، اور فرمایا ہے کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈراؤ) میں تمہیں دو ایسے کلمات کی طرف دعوت دیتا ہوں جو زبان پر تو ہلکے ہیں، (یعنی زبان سے کہنے کے اعتبار سے) مگر میزان پر بھاری ہیں (وزن کے لحاظ سے) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، پس کون ہے جو اس معاملے میں میری دعوت قبول کرے گا؟ اور اس کام کی انجام دہی کے لیے مجھ سے تعاون کرے گا؟

اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یا رسول اللہ، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت سب سے کم عمر تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سوال پر میرے سوا سب خاموش رہے۔

صفا کا وعظ

اسی طرح ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر اہلِ قریش کو نام بہ نام پکارا۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن کا ایک لشکر ہے جو تم پر حملے کے لیے آ رہا ہے تو تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا ہاں، کیوں کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں تمہیں اللہ کے سخت عذاب سے خبردار کرتا ہوں، جو بالکل سامنے ہے، یہ سن کر ابولہب نے کہا کہ ہلاکت ہو تیرے لیے، کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا، اس پر سورۂ لہب نازل ہوئی۔

اس آیت میں تبلیغ رسالت کے لیے خاندان کے لوگوں کو خطاب کی وجہ یہ ہے کہ کنبے اور خاندان کے لوگ اپنے تعلق اور رشتے کی بنا پر اس بات کے مستحق ہیں کہ ہر اچھے کام میں ان کو دوسروں پر ترجیح دی جائے۔ اس کے علاوہ باہمی تعلقات اور ذاتی واقفیت کی بنا پر ان کے سامنے کسی قسم کا جھوٹا دعویٰ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر قریبی رشتے دار کسی اچھی تحریک کے حامی بن جائیں تو ان کی حمایت و امداد پائے دار ہوتی ہے۔ اس طرح حق و صداقت کی بنیاد پر جب قریبی رشتے داروں کا ایک ماحول اور فضا تیار ہو جاتی ہے تو اس سے دین کے احکام پر عمل کرنے میں سہولت پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ مختصر سی طاقت جماعتی شکل اختیار کر کے دوسروں تک دعوت و تبلیغ پہنچانے میں مدد دیتی ہے۔

قریش کا ابوطالب کے پاس آنا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب لوگوں کو کفر و شرک سے روکنا شروع کیا اور کھلم کھلا بت پرستی کی برائی کرنے لگے تو قریش کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف ہو گئے، مگر آپ کے چچا ابو طالب آپ کے حامی و مددگار رہے۔ ایک مرتبہ قریش کے چند معزز لوگوں نے آ کر ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے، ہمیں احمق و نادان کہتا ہے، اور ہمارے آباؤ اجداد کو گم راہ بتاتا ہے۔ اب یا تو تم ان کو ان باتوں سے روکو یا ان کی حمایت ترک کر دو، کیوں کہ تمہارا دین اور عقائد بھی وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔ ابو طالب نے ان لوگوں کو نہایت نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح اپنے کام میں مشغول رہے۔ دوسری جانب مکے کے لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر اسلام میں داخل ہوتے رہے، جس کے نتیجے میں کفار میں اضطراب بڑھتا رہا۔

کچھ وقت کے بعد قریش کے معززین ایک بار پھر جمع ہو کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا: ابو طالب! آپ عمر میں بھی ہم سب سے بڑے ہیں۔ آپ کی عزت و مرتبہ بھی ہم سب سے بلند ہے۔ ہم سب نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روکیں، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم! اب ہم اپنے معبودوں کی مذمت اور اپنے آباد اجداد کی تذلیل پر صبر نہیں کر سکتے۔ یا تو تم ہمارے درمیان میں نہ پڑو، ہم خود سمجھ لیں گے یا پھر تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ پھر غصے میں اٹھ کر چلے گئے۔

ابو طالب اس وقت سخت پریشان ہوئے کہ ساری قوم سخت دشمن ہوگئی۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو ابو طالب نے کہا: اے پیارے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور یہ یہ باتیں کہہ کر گئے ہیں، لہٰذا تم مجھ پر نا قابل برداشت بوجھ نہ ڈالو۔ چچا کی گفت گو سن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال ہوا کہ شاید اب یہ اپنے آپ کم زور محسوس کرتے ہوئے میری حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے چچا خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ میں احکامِ الٰہی کی تبلیغ چھوڑ دوں تو یہ نہیں ہوسکتا، یا تو خدا کا دین غالب ہوگا اور شرک و بت پرستی ختم ہو جائے گی یا پھر میں نہ رہوں گا اور ہلاک کر دیا جاؤں گا۔'' یہ کہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آب دیدہ ہو گئے اور اٹھ کر چل دیے۔ ابو طالب پر آپ کی استقامت کا بہت اثر ہوا۔ انہوں نے آپ کو واپس بلایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آئے تو ابو طالب نے کہا کہ اے پیارے بھتیجے! تم جو چاہو کہو اور کرو، میں تمہیں کبھی دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا۔

جب کفار کو یقین ہو گیا کہ ابو طالب آپ کی حمایت و امداد سے دست بردار نہیں ہوں گے تو وہ آپس میں مشورہ کر کے عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر تیسری بار ابو طالب کے پاس آئے اور کہا: اے ابو طالب! ہم تمہارے پاس عمارہ بن ولید کو لائے ہیں جو قریش کا نہایت حسین و جمیل اور سب سے زیادہ عقل مند نوجوان ہے۔ تم اس کو بیٹا بنا لو، یہ تمہارے لیے ہے اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو، جس نے تمہارے اور ہمارے آباد اجداد کے دین کی مخالفت کر کے قوم میں تفریق ڈال دی اور اس کے عقل مندوں کو بے وقوف و نادان کہتا ہے۔ ہم اس کو قتل کر کے قوم کو اس مصیبت سے نجات دلا دیں گے۔ ابو طالب نے کہا: خدا کی قسم! یہ تو

بدترین سودا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اپنے پالے ہوئے بیٹے کو توقتل کے لیے تمہارے حوالے کردوں اور تمہارے بیٹے کو لے کر تمہارے لیے اس کی پرورش کروں۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس پر مطعم بن عدی نے کہا: اے ابوطالب آپ کی قوم نے آپ کے سامنے ایک منصفانہ رائے پیش کر کے اس مصیبت سے بچنے کی بہترین کوشش کی ہے، مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ ابوطالب نے کہا: خدا کی قسم! میری قوم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اے مطعم تم ہی قوم کو بھڑکا کر یہاں لے آئے ہو۔ جاؤ تم جو کر سکتے ہو کر گزرو۔

قریش ابوطالب سے بالکل ناامید ہو کر کھلم کھلا مخالفت پر اُتر آئے اور بے کس و بے سہارا مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔

کفار کے مظالم

جیسے جیسے اسلام پھیل رہا تھا اور مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی، مشرکوں کے غیظ و غضب میں بھی اسی قدر اضافہ ہو رہا تھا۔ آں حضرت ﷺ اور اکابر صحابہ کو ان کے قبیلوں نے اپنی حفاظت میں لے لیا تھا، اس لیے قریش کا غصہ اب ان غریب اور نادار لوگوں پر اترنے لگا جو بے سہارا تھے اور ان کا کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ ان میں کچھ غلام اور کچھ کنیزیں تھی، کچھ ایسے لوگ تھے جو ایک دو پشت سے مکے میں آباد تھے اور کچھ چھوٹے اور کم زور قبیلوں کے افراد تھے۔ ان کو ایسی ایسی اذیتیں دی گئیں کہ ظلم و ستم کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کو دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں تپتے ہوئے پتھروں پر لٹایا جاتا، سینے پر بھاری پتھر رکھے جاتے، تاکہ جنبش نہ کرسکیں، لوہے کو گرم کر کے جسموں کو داغا جاتا، تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بند کیا جاتا، مسلسل بھوکا پیاسا رکھا جاتا، بری طرح مارا جاتا وغیرہ۔ اس قسم کے ظلم و ستم اور مصیبتیں تمام بے کس مسلمانوں پر عام تھیں۔ مگر کچھ لوگ خاص طور پر نشانہ بنے ہوئے تھے۔

یہاں چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں، تاکہ مشرکین مکہ کے ظلم و ستم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صبر و تحمل اور استقامت کا اندازہ ہوسکے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ کی راہ میں مجھے جس قدر اذیت دی گئی، اتنی کسی کو نہیں دی گئی، اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ڈرایا گیا کہ کسی کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔

چناں چہ چند واقعات دیکھیے کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مظالم کا مقابلہ کیا۔
عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور اپنا کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک میں ڈال کر آپ کا گلا زور سے گھونٹنے لگا، اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے اس کو کندھے سے پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کیا اور کہا!

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (الغافر: ۲۸)

کہا تم ایک ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟
بنی کنانہ کے ایک شیخ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بازارِ ذی المجاز میں دیکھا، آپ فرماتے جاتے تھے کہ اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو فلاح پا جاؤ گے، اور ابوجہل آپ پر مٹی پھینکتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ شخص تمہارے دین سے تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے، یہ تمہیں تمہارے معبودوں سے چھڑانا چاہتا ہے، یہ تمہیں لات و عزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف بالکل توجہ نہ فرماتے تھے۔
عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ان میں سے ایک شخص (ابوجہل) نے کہا کہ تم میں سے کوئی شخص جا کر فلاں قبیلے کی اونٹنی کی (جو ذبح ہوئی ہے) اوجھڑی اٹھا لائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب سجدے میں جائیں تو ان کی پیٹھ پر رکھ دے، یہ سن کر ان میں سے سب سے زیادہ بدبخت عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لے کر آیا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا مگر کچھ کر نہ سکتا تھا، کاش مجھے اس کی طاقت ہوتی، یہ منظر دیکھ کر کفار ہنسنے لگے، وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں تھے اور بوجھ کی وجہ سے سر نہ اٹھا سکتے تھے، اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ سے بوجھ اتار پھینکا۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: اے اللہ! تو قریش کی تباہی کو لازم کر دے، یہ بات آپ نے تین بار فرمائی، کفار کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا شاق گزری، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ان کا خیال تھا کہ اس شہر

(مکہ مکرمہ) میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ نے ہر ایک کا نام لیا اور فرمایا کہ اے اللہ، ابوجہل کو، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو ضرور ہلاک کر دے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں آدمی کا نام بھی لیا تھا مگر راوی کہتے ہیں کہ ہمیں وہ یاد نہیں رہا۔ ابن اسحاق نے ساتواں نام عمارہ بن ولید کا ذکر کیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن جن کا نام لیا تھا وہ سب غزوہ بدر میں ہلاک ہوئے۔

اسلام کا پہلا شہید

حارث بن ابی ہالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے بیٹے اور ہند بن ابی ہالہ کے بھائی تھے۔ اسلام کی ابتدا میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کی کھلم کھلا تبلیغ کا حکم ملا تو ایک روز آپ مسجد الحرام میں کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے، یہ سن کر مشرکین مکہ آپ پر حملہ آور ہوئے، یہ دیکھ کر حارث ابن ابی ہالہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچانے کے لیے آگے بڑھے تو کفار نے انہیں گھیر لیا اور بالآخر وہ شہید ہو گئے۔

صحابہ پر مظالم

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ تمیم سے تھا، زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے تھے۔ اسلام لانے پر قریش کے لوگ آپؓ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے، ان کا اپنا بیان ہے کہ ایک روز آپؓ کو دہکتے انگاروں پر لٹا دیا اور ایک شخص آپؓ کے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا، تاکہ آپؓ جنبش نہ کر سکیں۔ جب کوئلے ٹھنڈے ہو گئے تب آپؓ کو چھوڑا۔ اس سے آپؓ کی پیٹھ برص کے داغوں کی طرح سفید ہو گئی تھی۔

اسی طرح ٹھیک دوپہر کے وقت اُمیّہ حضرت بلال کو ان پر ننگا لٹا کر تپتا ہوا ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا، تاکہ یہ حرکت نہ کر سکیں۔ کبھی دھوپ میں لٹا کر لاٹھیوں سے مارتا۔ کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا اور کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں بٹھا دیتا۔ حضرت ابوبکر نے اپنے ایک غلام کے بدلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت عمارؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد یاسر مکے میں آئے تو ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سُمیہ تھا، ان کی شادی کر دی۔ حضرت عمارؓ ان ہی کے بطن

سے ہیں، اسلام لانے کے بعد قریش حضرت عمارؓ کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر اتنا مارتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے، کبھی پانی میں غوطہ دیتے اور کبھی انگاروں پر لٹاتے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو بھی قریش نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی طرح سخت تکلیفیں دیں۔ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کچھ مشرکین نے ان کا پیچھا کیا، انہوں نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ جب تک میرے پاس تیر موجود ہیں تم مجھ تک کسی صورت میں نہیں پہنچ سکتے، اور جب تیر ختم ہو جائیں گے تو تلوار سے لڑوں گا اور جب تک میرے ہاتھ میں کوئی چیز بھی رہے گی میں لڑتا رہوں گا، سو اگر تمہیں مال چاہیے تو وہ دینے کے لیے تیار ہوں، کفار نے کہا اچھا تو مال دے دو، ہم تمہارا راستہ چھوڑ دیتے ہیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور سارا قصہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صہیبؓ نے اس تجارت سے خوب نفع کمایا۔

ابوفکیہہؓ صفوان بن امیہ کے غلام تھے، جب وہ اسلام لے آئے تو صفوان نے ان پر سختی شروع کر دی، وہ انہیں پکڑتا اور شدید گرمی میں عین نصف النہار کے وقت بیڑیوں میں جکڑ کر تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے پیٹ پر بڑے بڑے پتھر رکھ دیتا، جس سے ان کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ انہیں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت لُبَیْنَہؓ ایک کنیز تھیں۔ حضرت عمرؓ اسلام لانے سے قبل ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے تمہیں رحم کی بنا پر نہیں چھوڑا، بل کہ میں تھک گیا ہوں۔

حضرت زنیرہؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں، اس لیے حضرت عمرؓ ان کو دل کھول کر ستاتے، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ لات وعزّیٰ نے اس کو اندھا کر دیا۔ حضرت زنیرہ نے ان کو جواب دیا کہ لات وعزیٰ کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ کون ان کی پرستش کرتا ہے۔ یہ تو محض اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر اللہ چاہے تو میری بینائی کو واپس فرما سکتا ہے۔ خدا کی قدرت، اگلی صبح اٹھیں تو بینا تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی خرید کر آزاد کر دیا، حضرت ہندیہؓ ام عنیسؓ اور لطیفہؓ بھی کنیز تھیں۔ ام عنیس بنی زہرہ کی کنیز تھیں، لطیفہؓ ام عنیس کی بیٹی تھیں اور کنیز تھیں۔ ان سب کو بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت تکالیف دی گئیں، انہیں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا۔

یہ ان لوگوں کا ذکر تھا جن کا کوئی یار ومددگار نہ تھا۔ جو یا تو کسی کے غلام تھے یا غریب الوطن تھے مگر مشرکین کے ظلم وستم سے وہ لوگ بھی محفوظ نہیں تھے جن کو خاندانی عزت وشرف حاصل تھا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے رسی سے باندھ کر مارا۔

جب حضرت ابوذرؓ نے کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے ان کو مارتے مارتے لٹادیا۔ حضرت عباسؓ نے آکر چھڑایا۔ حضرت زبیر بن العوامؓ کو ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے۔ خالد بن سعید بن العاصؓ اسلام لائے تو باپ نے مار مار کر سر زخمی کر دیا اور کھانا پینا بند کر دیا۔ ولید بن ولیدؓ، عیاش بن ابی ربیعہؓ اور سلمہ بن ہشامؓ اسلام لائے تو مشرکین مکہ نے ان سب کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔

خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی بدترین تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مسلمانوں کی تعداد اڑتیس تک پہنچ گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہر ہو کر تبلیغ کا سلسلہ شروع کرنے پر اصرار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ہماری تعداد تھوڑی ہے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل اصرار کرتے رہے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر ہونے کا فیصلہ کر لیا، چناں چہ مسلمان مسجدِ حرام کی تمام جانب پھیل گئے، ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے قبیلے میں تھا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے پاس تشریف فرما تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی، یہ دیکھ کر مشرکین نے حضرت ابوبکرؓ اور دیگر مسلمانوں پر حملہ کر دیا، اور انہیں مسجد الحرام میں بری طرح مارا پیٹا، خاص کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انہوں نے بہت مارا اور انہیں پاؤں تلے روندا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کا چہرہ اور ناک (کثرت سے خون بہہ جانے کی بنا پر) پہچانی نہیں جاتی تھی، پھر بنو تیم (ابوبکرؓ کا قبیلہ) نے آکر انہیں بچایا، اور انہیں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے، اس وقت ابوبکرؓ کی یہ حالت تھی کہ لوگوں کو ان کی موت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شام کے قریب گفت گو کے قابل ہوئے، اور سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال پوچھا۔ ان کی والدہ کو علم نہیں تھا، ابوبکرؓ نے کہا کہ آپ امِ جمیل بنتِ خطابؓ کے پاس جائیے اور ان سے پوچھ کر بتایئے، وہ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ کے ہم راہ ان کے پاس آئیں تو

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تکلیف میں دیکھ کر وہ غضب ناک ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ جن لوگوں نے آپؓ کے ساتھ یہ سلوک کیا وہ فاسق و فاجر ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ اللہ آپؓ کی طرف سے ان سے انتقام لے گا، حضرت ابوبکرؓ نے پھر ان سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال معلوم کیا اور ان کے ساتھ سہارا لے کر حضور کے پاس حاضر ہوئے، حضور ان کو دیکھتے ہی ان پر جھک گئے اور انہیں بوسہ دیا، دیگر مسلمان بھی ان پر جھک گئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی، یہ دیکھ کر ابوبکر نے کہا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے کوئی فکر نہیں، بس انہوں نے میرا چہرہ زخمی کر دیا ہے۔ یہ میری والدہ ہیں جو اپنے بیٹے کے ساتھ حسنِ سلوک کرتی ہیں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، شاید اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے ذریعے آگ سے بچالے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی تو وہ اسلام لے آئیں۔

کفار کے مظالم پر صحابہ کرام کا مجموعی طور پر یہی جذبہ رہا، اور وہ یہ مظالم ہنسی خوشی برداشت کرتے رہے۔

اسلام کی پہلی خاتون شہید

حضرت سمیہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ تھیں اور ضعیف خاتون تھیں، وہ ابتدائی سات مسلمانوں میں شامل ہیں، وہ اسلام کی پہلی خاتون شہید ہیں۔ ابوجہل نے چھوٹا نیزہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی ران میں مارا جو شرم گاہ کے آر پار ہوگیا، جس کی وجہ سے وہ شہید ہوگئیں۔

سوالات

۱۔ قریشِ مکہ ابوطالب کے پاس کتنی مرتبہ آئے اور کس انداز سے گفت گو کی؟
۲۔ علانیہ دعوتِ دین کے مقابلے میں کفار کا ردِ عمل کس کس طرح ظاہر ہوا؟
۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے مراحل بیان کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساحر مشہور کرنا،
ہجرتِ حبشہ، مال کی پیش کش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ خاص طور پر حج کے دنوں میں آپ باہر سے آنے والے قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا پیغام پھیلنا شروع ہو چکا ہے، تو آنے والے حج کے بارے میں انہیں تشویش ہوئی کہ یہ سلسلہ اسی طرح رہا تو مکے سے باہر بھی آپ کا پیغام پہنچ جائے گا، اس لیے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سننے سے کیسے روکا جائے؟ مشورے سے یہ طے ہوا کہ یہ مشہور کر دیا جائے کہ آپ جادوگر یا ساحر ہیں، لہٰذا لوگ آپ سے بچیں۔ چناں چہ جب لوگوں کی آمد شروع ہوئی تو قریش نے اپنے آدمی مختلف راستوں پر بٹھا دیے، جو ہر آنے والے کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھڑکاتے اور ڈراتے تھے۔ مگر اسی کا الٹا اثر یہ ہوا کہ یہ لوگ جب حج سے واپس گئے تو تمام قبائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور دعوت اسلام کا ذکر ہونے لگا۔ یوں ایک شر پر مبنی فیصلے سے اللہ تعالیٰ نے خیر پیدا فرمادی۔ اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے۔

پہلی ہجرت حبشہ

جب مکے کے مشرکوں نے مسلمانوں کو حد سے زیادہ ستانا شروع کر دیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں، جہاں نجاشی کے عدل وانصاف کی عام شہرت تھی۔ ارض حبشہ بلادِ یمن کی غربی جانب طویل مسافت پر واقع ہے۔ نجاشی، حبشہ کے بادشاہ کو کہتے ہیں۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔

یہ ہجرت جمادی الاولیٰ ۵ نبوی قمری (رجب ۵ نبوی قمریہ شمسی رمارچ۔اپریل ۶۱۴ء)
اس اجازت کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا قافلہ جس میں ۱۲ مرد اور ۴ عورتیں تھیں، رات کی تاریکی میں نکل کر جدے کے قریب ساحلی مقام سے سمندری جہاز پر سوار ہوگیا۔قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے بندرگاہ تک تعاقب کیا، مگر ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جہاز روانہ ہو چکے تھے۔ اس قافلے کے سردار حضرت عثمان بن عفانؓ تھے۔ جو اپنی زوجہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ حضرت لوط اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے۔ان مہاجرین نے شوال تک حبشہ میں قیام کیا، پھر شوال میں یہ خبر سن کر کہ اہل مکہ مسلمان ہوگئے ہیں، یہ لوگ حبشہ سے نکل کر واپس مکے کے لیے روانہ ہوگئے۔ مکے کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے، تو یہ لوگ سخت شش و پنج میں پڑے، لہٰذا کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ لے کر مکے میں داخل ہوا اور بعض لوگ واپس حبشہ چلے گئے۔

دوسری ہجرتِ حبشہ

جب مشرکین کو اندازہ ہوا کہ مسلمان تو ہمارے ہاتھ سے نکلنا شروع ہو گئے ہیں تو ان کے اشتعال میں مزید اضافہ ہوگیا اور وہ پہلے سے زیادہ سخت تکلیفیں دینے لگے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذی الحجہ ۶ نبوی قمری (محرم ۷ نبوی قمریہ شمسی رستمبر ۶۱۵ء) میں مزید صحابہ کرام کو دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی تلقین کی۔اس بار ۸۳ مرد اور ۱۸ خواتین نے ہجرت کی۔

قریش کے لیے یہ بات مزید تشویش کا باعث تھی، لہٰذا طے پایا کہ نجاشی کے پاس ایک وفد بھیجا جائے، جو بادشاہ سے اپنے مجرموں کی واپسی کی درخواست کرے۔عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا، اس کام کے لیے منتخب ہوئے۔ نجاشی اور اس کے سرداروں کے لیے قیمتی تحائف لے کر یہ وفد حبشہ کو روانہ ہوگیا۔حبشہ پہنچ کر یہ لوگ پہلے نجاشی کے سرداروں سے ملے اور ان کی خدمت میں نذرانے اور تحائف پیش کیے، اور اُن سے کہا کہ ہمارے شہر کے کچھ لوگوں نے اپنے آباواجداد کا دین چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے۔انہوں نے آپ کا دین یعنی نصرانیت بھی قبول نہیں کی۔کل جب ہم لوگ بادشاہ

سے ان کی واپسی کی درخواست کریں تو آپ بھی ہماری تائید کریں۔

دوسرے روز جب وفد کے ارکان نے بادشاہ سے ان لوگوں کی واپسی کی درخواست کی کی تو درباریوں نے بھی ان کی تائید کی۔ نجاشی نے کہا کہ ان لوگوں نے میرے ملک میں پناہ لی ہے، اس لیے میں جب تک ان سے بات نہ کرلوں، ان کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔

چناں چہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کون سا دین ایجاد کیا ہے، جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابی طالب نے جواب دیا اور دربار میں ایک تقریر کی، انہوں نے کہا:

> اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، قطعِ رحم کرتے تھے، اور ہم سایوں کو ستاتے تھے، ہم میں سے طاقت ور کم زور کو کھا جاتا تھا، اسی دوران اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک نبی بھیجا، جس کے خاندان، حسب ونسب اور اس کی شرافت وصداقت اور دیانت وامانت اور اس کی عفت و پاک دامنی اور اس کے تقوے سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ وہ پہلے انبیا کی طرح مبعوث ہوئے، ان پر اللہ کا ایک فرشتہ وحی اور احکامِ الٰہی لے کر آتا ہے۔ اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا اور تاکید کی کہ خدا کے سوا تمام بتوں اور پتھروں وغیرہ کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، صلہ رحمی کریں، امانت ادا کریں، خوں ریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں، عہد کو پورا کریں، ہم سایوں کو تکلیف نہ دیں، حرام کاموں سے بچیں، جھوٹی گواہی اور پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے سے باز رہیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکاۃ دیں، وغیرہ۔ ہم اس پر ایمان لائے اور خدا کو ایک جانا اور جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں ہم اس کی پیروی کرتے ہیں، شرک و بت پرستی اور تمام اعمالِ بد چھوڑ کر ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی۔ ہمیں طرح طرح کے عذاب اور تکلیفیں دیں اور ہماری قوم ہمیں مجبور

کرتی ہے کہ ہم اس گم راہی میں واپس آ جائیں، اے بادشاہ! جب ہم پر دنیا تنگ ہوگئی اور ہمارے لیے اپنے دین پر قائم رہنا مشکل ہوگیا تو ہم نے اپنی جانیں بچا کر دین کی خاطر آپ کے ملک میں پناہ لی۔

نجاشی نے کہا جو کلام تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اترا ہے، اس میں سے کچھ پڑھو۔ حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی چند ابتدائی آیات تلاوت کیں، جن کو سن کر نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر اس نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں کا منبع ایک ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کے بعد اس نے قریش کے وفد سے کہا کہ تم واپس جاؤ، میں ان مظلوموں کو ہرگز واپس نہ دوں گا۔

دوسرے روز عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خدا کے ایک بندے تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو اس سوال کے جواب کے لیے بلوایا۔ جب یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے تو نجاشی نے کہا: تمھارا عیسیٰ بن مریمؑ کے متعلق کیا عقیدہ ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس کی روح ہیں اور اللہ کا خاص کلمہ ہیں جو حضرت مریمؑ کی طرف القا کیا گیا، وہ پاک ستھری بتول کے فرزند ہیں۔ نجاشی نے ایک تنکا زمین سے اٹھا کر کہا، واللہ! جو کچھ تم نے کہا اس میں اور حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کی حقیقت میں اس تنکے کے برابر بھی فرق نہیں۔ حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے تک حبشہ میں ہی مقیم رہے، جب انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت کرنے کا علم ہوا تو کچھ مسلمان وہاں سے روانہ ہوگئے اور مکے آ گئے۔

اس ہجرت نے وقتی طور پر مسلمانوں کو ایک ٹھکانہ بھی دیا اور کچھ مسلمان کچھ عرصے کے لیے مشرکین کے ظلم سے محفوظ ہونے میں کام یاب ہوگئے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو یا چار برس بڑے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے، کیوں کہ دونوں نے ثویبہ کا دودھ پیا

تھا۔ یہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، مگر آں حضرت ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے۔ بڑے بہادر تھے۔ عام طور پر صبح سویرے تیر کمان لے کر نکل جاتے، دن بھر شکار کرتے، شام کو واپس آتے تو پہلے حرم شریف میں جا کر طواف کرتے، پھر قریش کے لوگوں سے ملتے، جو ٹولیوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ سب سے ان کا دوستانہ تھا اور سب انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

نبوت کے چھٹے سال ایک دن حضور ﷺ صفا کی طرف سے جا رہے تھے کہ ابو جہل بھی اس طرف آ نکلا اور آپ ﷺ کے ساتھ نہایت گستاخی سے پیش آیا، مگر آپ نے اس کے ناشائستہ کلمات کا کوئی جواب نہ دیا۔ عبداللہ بن جدعان کی کنیز یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ جب شکار سے واپس آئے تو اس نے تمام واقعہ ان سے بیان کیا۔ حضرت حمزہؓ غصے سے بے تاب ہو کر، تیر کمان ہاتھ میں لیے حرم پہنچے، جہاں وہ قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ حضرت حمزہؓ نے اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ اس بد بخت کا سر پھٹ گیا اور کہا کہ تو محمد ﷺ کو نازیبا کلمات کہتا اور گالیاں دیتا ہے اور جانتا نہیں کہ میں بھی ان کے دین پر ہوں۔ اہلِ مجلس میں سے بنی مخزوم ابو جہل کی حمایت میں کھڑے ہونے لگے تو ابو جہل نے ان کو روک دیا اور کہا کہ ان کو کچھ نہ کہو، واقعی آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت سخت سست کہا ہے۔

کفار پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا بہت اثر پڑا، کیوں کہ وہ ایک بہادر اور طاقت ور جوان تھے۔ ادھر حضرت حمزہ نے اسلام تو قبول کرنے کا اعلان کر دیا، مگر وہ اس وقت تک اسلام کے بارے میں تفصیل سے آگاہ نہیں تھے، لیکن عربوں کی روایتی خوبی یہ تھی کہ وہ جو بات ایک بار کہہ دیتے، اس پر ڈٹ جاتے تھے، دوسری جانب وہ ایسی کسی بات کو قبول بھی نہیں کرتے تھے، جس سے پوری طرح واقف نہ ہوں، اس وجہ سے حضرت حمزہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ مجھے اسلامی تعلیمات تو بیان کیجیے تا کہ دین کو جان سکوں۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ تفصیل بیان کی، تب انہوں نے مان کر اور جان کر دل سے گواہی دی اور پھر اسلام کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی، ان کے اسلام سے کفار کی بہت سی شرارتیں کم ہو گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حبشہ کی پہلی ہجرت کے بعد ۵۔۶ نبوی قمری (۶ نبوی

قمریہ شمسی۔اواخر ۶۱۴ء، ۶۱۵ء) میں حضرت حمزہؓ کے تین روز بعد مسلمان ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بڑے بہادر اور دلیر تھے، ان کے اسلام لانے کا اصل سبب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جمعرات کی رات میں دعا کی کہ اے اللہ! عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام کے ذریعے اسلام کو عزت بخش، پھر جمعے کے روز صبح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور حلقۂ اسلام میں شامل ہوگئے۔

حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں (نعوذ باللہ) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کے ارادے سے تلوار لے کر نکلا، کچھ ہی دور گیا تھا کہ راستہ میں نعیمؓ بن عبداللہ ملے اور کہنے لگے اس دوپہر میں کہاں کا ارادہ ہے، میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیصلہ کرنے جارہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن فاطمہؓ بنت خطاب اور بہنوئی سعیدؓ بن زید دونوں اسلام لاچکے ہیں۔حضرت عمرؓ سنتے ہی غصے میں فوراً بہن کے گھر پہنچے۔اس وقت حضرت خبابؓ دونوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے رہے تھے۔حضرت عمرؓ کی آہٹ سنتے ہی وہ چھپ گئے اور قرآن کریم کے اجزا بھی چھپادیے۔لیکن حضرت عمر کے کانوں میں تلاوت قرآن کی آواز پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں۔انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ تم دونوں مرتد ہوگئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی کو پکڑ لیا اور مارنے لگے، جب بہن بچانے کو آئیں تو ان کو بھی مارا یہاں تک کہ ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔بہن نے کہا، عمر جو چاہو کرلو اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر اثر کیا، بہن کے جسم سے خون بہتا دیکھ کر ان پر رقت طاری ہوگئی، اور کہنے لگے کہ تم لوگ جو کچھ پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت خبابؓ جو چھپے ہوئے تھے باہر نکل آئے۔ حضرت عمرؓ کی بہن نے کہا تو ناپاک ہے اور قرآن کریم کو پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، جاؤ وضو کر کے آؤ۔ پھر حضرت عمرؓ اٹھے اور غسل کر کے آئے اور قرآن کریم کے اوراق ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے، جن میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔جب اس آیت پر پہنچے!

إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي (طٰہٰ:۱۴)

میں ہی حقیقی معبود ہوں، میرے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو اور نماز کو میری یاد کے لیے قائم کرو۔

تو بے ساختہ بول اٹھے کہ کیا ہی اچھا اور بزرگ کلام ہے۔

حضرت خبابؓ نے یہ سن کر حضرت عمرؓ کو بشارت دی اور کہا کہ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ سے کہا کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔ چناں چہ وہ ان کو لے کر دار ارقم پہنچے، دروازہ بند تھا، دستک دے کر اندر آنے کی اجازت طلب کی، تو صحابہؓ میں سے کوئی دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو، اگر عمرؓ خیر کے ارادے سے آ رہا ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ خیر کا معاملہ کریں گے، اگر شر کے ارادے سے آ رہا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دروازہ کھولنے کی اجازت دے دی اور دروازہ کھول دیا گیا۔ دو آدمی حضرت عمرؓ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو۔ اس کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ اے خطاب کے بیٹے! اسلام قبول کر اور یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ اس کو ہدایت دے'' اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا۔ ''اے اللہ یہ عمر بن خطاب حاضر ہے۔ اے اللہ اس سے اپنے دین کو عزت دے'' اور پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے عمر! کیا تو اس وقت تک باز نہ آئے گا جب تک اللہ تعالیٰ تجھ پر کوئی رسوا کن عذاب نازل نہ فرمائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اللہ کے پاس سے نازل ہوا ہے اس پر ایمان لاؤں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه

اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں نے خوش ہو کر بلند آواز سے تکبیر کہی جو قریش کے مجمع میں سنی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسلام کی تقویت کا ایک اہتمام تھا۔ اس کے بعد بھی مسلمانوں پر بہت سی آزمائشیں آئیں، مگر ان کے قدم مضبوط ہوتے چلے گئے۔

مال کی پیش کش

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے اسلام کو جو تقویت پہنچی اس سے قریش

کی تشویش میں مزید اضافہ ہوا، اس موقع پر قریش کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کر کے اپنے ایک معزز سردار ابوالولید عتبہ بن ربیعہ کو جو شعر گوئی، کہانت اور سحر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفت گو کرنے کے لیے تیار کیا۔ عتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی شرافت نسبی اور مرتبے میں کسی کو کلام نہیں، لیکن آپ نے ایک امر عظیم پیش کیا ہے جس سے قوم میں تفریق پیدا ہو گئی ہے۔ آپ ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں، ہمارے آباواجداد کو احمق اور نادان بتاتے ہیں، آپ نے ہمیں عرب میں رسوا کر دیا ہے۔ آپ میری بات توجہ سے سنیں جو امور میں آپ کے سامنے رکھوں گا، اگر ان میں سے کوئی بات آپ نے قبول کر لی تو فساد رک جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالولید! کہو میں سنتا ہوں۔ عتبہ نے کہا:

> اے بھتیجے! نبوت کے دعوے سے اگر آپ کا مقصد مال و دولت جمع کرنا ہے تو ہم سب مل کر آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ ہم میں سے کوئی بھی آپ کی برابری نہیں کر سکے گا، اگر آپ شرف و سرداری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیں گے، کوئی شخص آپ کی مرضی کے خلاف کام نہیں کرے گا، اگر آپ کی غرض بادشاہ بننا ہے، تو ہم آپ کو بادشاہ مقرر کر لیں گے، اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر آپ شادی کرنا چاہتے ہیں تو جس عورت سے یا جتنی عورتوں سے آپ چاہیں گے ہم شادی کر دیں گے۔ اگر آپ کو ان میں سے کسی چیز کی خواہش نہ ہو، بل کہ یہ باتیں جنون کی وجہ سے ہوں تو ہم سب مل کر کسی کامل طبیب کو بلا کر آپ کا علاج کرائیں گے، تاکہ آپ کو صحت ہو جائے، بعض اوقات بیماریاں سمجھ میں نہیں آتیں مگر کسی کامل طبیب سے علاج کرانے پر صحت ہو جاتی ہے۔

عتبہ اپنی بات ختم کر کے خاموش ہو گیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے ابوالولید کیا تم کہہ چکے جو کہنا چاہتے تھے؟ ابوالولید نے کہا کہ ہاں میں کہہ چکا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ حم سجدہ کی ابتدائی ۳۸ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

جب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آیات کی تلاوت فرماتے رہے، اس دوران عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پشت کی جانب زمین پر ٹیک کر سننے میں محو رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدے کی آیت

تک تلاوت کر کے سجدہ کیا۔ پھر عتبہ سے فرمایا کہ اے عتبہ! تم نے سن لیا، اب غور کرو کہ ہمیں اور تمہیں کیا کرنا چاہیے۔ عتبہ اسی کیفیت میں وہاں سے اٹھ کر قریش کے سرداروں کے پاس آیا۔ عتبہ کو دیکھ کر ابو جہل نے کہا کہ عتبہ وہ عتبہ نظر نہیں آتا، عتبہ تو صابی (بے دین) ہوگیا۔ عتبہ نے کہا کہ میں نے ان کا کلام سنا ہے، خدا کی قسم! میں نے ایسا کلام اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ واللہ نہ وہ شعر ہے اور نہ سحر ہے اور نہ کہانت۔ خدا کی قسم یہ کلام اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عن قریب اس کی ایک شان ہوگی۔ اے قریش کے لوگو! تم میرا کہا مانو۔ تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے نہ پڑو، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر یہ شخص غالب آ گیا تو اس کا غلبہ تمہارا غلبہ ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے اور اس کی حکومت تمہاری حکومت ہے، اس لیے کہ وہ تمہاری ہی قوم میں سے ہے، اور اگر وہ مغلوب ہوا تو تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا، تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ قریش نے کہا: اے ابو الولید! اس شخص نے تمہیں اپنے کلام سے مسحور کر دیا۔ عتبہ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی رائے ظاہر کر دی اب تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

اس کے بعد پھر کسی موقع پر ایک بار تمام بڑے سرداران قریش بیت اللہ میں جمع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملے میں مشورہ کیا، مشورے کے بعد ایک نمائندہ وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے وہی باتیں دہرائیں جو اس سے قبل عتبہ کہہ چکا تھا، اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہی پیش کش کی جو اس سے قبل عتبہ آپ کو کر چکا تھا، اس پر آپ نے فرمایا: اب میں جو کہتا ہوں وہ سنو! مجھے نہ تمہارے مال و دولت کی ضرورت ہے اور نہ تمہاری بادشاہت و سرداری کی اور نہ میرے دماغ میں خلل ہے۔ مجھے اللہ نے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور ایک کتاب مجھ پر اتاری ہے، مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں برائی سے ڈراؤں اور بھلائی کی نصیحت کروں۔ میرا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اگر تم اس کو قبول کرو گے تو یہ تمہارے لیے دنیا و آخرت کی سعادت و فلاح کا ذریعہ ہے اور اگر انکار کرو گے تو میں صبر کروں گا اور اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا۔

شق القمر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم معجزہ شق القمر کا ہے، یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔

رسول اللہ ﷺ منیٰ میں تشریف فرما تھے کہ مشرکین مکہ جمع ہو کر آپ کے پاس آئے اور نبوت کی نشانی طلب کی۔ وہ کہنے لگے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ معجزہ دکھا دوں تو ایمان بھی لاؤ گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ اس وقت چودھویں کا چاند نکلا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، پھر انگشت شہادت اٹھا کر چاند کی طرف اشارہ فرمایا۔ اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، لوگوں نے چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان کوہ حرا کو دیکھا، چاند کا ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر اور دوسرا ٹکڑا جبل قعیقعان پر تھا، درمیان میں کوہ حرا تھا۔ اس وقت لوگ حیرت سے بار بار اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو دو ٹکڑے نظر آتے تھے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

> قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر یہ (کفار) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور انہوں نے (رسول اللہ ﷺ کو) جھٹلایا اور اپنی خواہشات پر چلتے رہے اور ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ (القمر: ۱۔ ۳)

مشرکین مکہ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ تم پر جادو کر سکتے ہیں، سارے جہان پر نہیں کر سکتے، باہر سے آنے والے لوگوں کا انتظار کرو۔ چناں چہ مشرکین نے اطراف و جوانب سے آنے والے مسافروں سے تحقیق کی تو سب نے اس عجیب و غریب واقعے کے دیکھنے کی خبر اور گواہی دی، مگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شق القمر کا یہ واقعہ سن ۸ نبوی میں پیش آیا ہے۔ مگر سن ۸ نبوی میں حضور ﷺ بنی ہاشم اور صحابہ کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں محصور تھے، اور یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا، اس لیے ممکن ہے کہ یہ معجزہ مقاطعہ سے قبل کسی وقت پیش آیا ہو۔ واللہ اعلم۔

سوالات

۱۔ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتی آزمائش کا پہلو بیان کریں۔

۲۔ شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر کا خلاصہ تحریر کریں۔

۳۔ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے قبولِ اسلام کے مسلمانوں پر کیا اثرات ہوئے؟

مقاطعہ، عام الحزن، طائف کا سفر

مقاطعہ بنی ہاشم

نجاشی کے دربار سے کفار کا وفد جب ناکام و نامراد مکے پہنچا تو قریش کو معلوم ہوا کہ شاہ حبشہ نے حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ نہایت عزت و احترام کا معاملہ کیا اور اب مسلمان حبشہ میں نہایت اطمینان و سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان ہی دنوں میں حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اسلام لے آئے، جس سے مکے میں بھی مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوئی اور کافروں کا زور کم ہوا۔ اب مسلمان حرم شریف میں نماز بھی علانیہ طور پر پڑھنے لگے تھے، اسلام عرب قبائل میں بھی پھیلتا جا رہا تھا اور دن بہ دن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کفار کی طرف سے اسلام کو دبانے اور ختم کرنے کا ہر حربہ ناکام ہو رہا تھا۔ لہٰذا قریش کے تمام قبائل نے جمع ہو کر ایک متفقہ معاہدہ تحریر کیا۔

معاہدے کے الفاظ یہ تھے:

> جب تک بنو ہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں، اس وقت تک بنو ہاشم اور ان کے تمام حامیوں سے تعلقات قطع کر لیں اور کسی قسم کا میل جول نہ رکھیں۔ کوئی شخص ان کی لڑکیوں سے نکاح نہ کرے اور نہ اپنی لڑکیاں ان کو دے، نہ ان سے کوئی چیز خریدی جائے اور نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی جائے اور نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیا جائے۔

اس مقاطعے کی ابتدا سن سات نبوی ماہ محرم کی پہلی رات کو ہوئی۔

اس ظالمانہ اور سفاکانہ معاہدے کا مضمون منصور بن عکرمہ نے تحریر کیا اور سب نے اس

پر دستخط کیے، اور معاہدے کی دستاویز کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ حضور ﷺ کی بد دعا سے اس کے ہاتھ کی انگلیاں شل ہوگئیں اور ہاتھ ہمیشہ کے لیے لکھنے سے بے کار ہوگیا اور وہ کفر کی حالت میں ہی مرا۔

اس معاہدے کے بعد ابو طالب مجبوراً آں حضرت ﷺ اور اپنے خاندان کو لے کر شعب ابی طالب کے خاندانی درے میں چلے گئے۔ بنو ہاشم اور بنو المطلب میں سے سوائے ابو لہب کے سب نے ابو طالب کا ساتھ دیا۔

بنو ہاشم نے تقریباً تین سال شعب ابی طالب میں ایسی ایسی جان سوز تکلیفیں برداشت کیں، جن کو سن کر پتا پانی ہوتا ہے۔ انہیں کھانے اور ضرورت کی کوئی چیز نہیں پہنچتی تھی، معصوم بچے بھوک سے تڑپتے اور بلبلاتے تو سنگ دل کفار سن کر خوش ہوتے۔ ان لوگوں نے درختوں کے پتے، چھال اور خشک چمڑا تک ابال کر کھایا، البتہ بعض لوگ اپنے عزیزوں کی اس تکلیف کو دیکھ کر پوشیدہ طور پر ان کے لیے کچھ سامانِ خوراک بھیج دیتے۔

ایک دن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لیے اپنے غلام کے ہم راہ کچھ کھانے کا سامان لے جارہے تھے کہ راستے میں ابو جہل نے دیکھ کر روک لیا اور کہا کہ میں یہ کھانا ہرگز نہیں لے جانے دوں گا۔ اتفاق سے اسی وقت ابو البختری آ گیا اور پوچھا کہ ان کو کیوں روکا ہے۔ ابو جہل نے کہا یہ معاہدے کے خلاف شعب میں کھانا لے جاتا ہے، اسے قریش میں رسوا کروں گا۔ ابو البختری نے کہا کہ وہ اپنا کھانا اپنی پھوپھی کے لیے لے جاتا ہے، تم کیوں روکتے ہو۔ ابو جہل کو غصہ آ گیا اور سخت سست کہنے لگا۔ ابو البختری نے ابو جہل کو بہت مارا۔

آخر تین سال گزرنے کے بعد قریش کے کچھ لوگوں کو اس تکلیف دہ اور ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے کا خیال ہوا۔ چناں چہ ایک روز ہشام بن عمرو بن ربیعہ (یہ بھی فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے) اسی خیال سے زہیر بن امیہ (فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے) کے پاس گئے اور کہا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم جو چاہو کھاؤ پیو اور ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں ایک ایک دانے کو ترسیں۔ خدا کی قسم اگر ابو جہل کے ماموں کی یہ حالت ہوتی تو وہ کبھی ایسے معاہدے کی پرواہ نہ کرتا۔ زہیر نے کہا میں تنہا کیا کروں گا؟ اگر میرا ساتھ دینے کے لیے ایک

آدمی اور ہوتا تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو توڑ دیتا، ہشام نے کہا کہ دوسرا آدمی میں ہوں۔ زہیر نے کہا کہ اچھا کسی اور کو بھی ملانا چاہیے۔ ہشام نے پھر مطعم بن عدی کو ہم خیال بنایا، پھر ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد بھی اس پر راضی ہو گئے۔ پھر زہیر نے کہا کہ کل میں دار الندوہ میں اس گفت گو کو شروع کروں گا۔ اگلی صبح جب سب لوگ جمع ہو گئے تو زہیر نے آ کر پہلے طواف کیا، پھر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: اے اہل مکہ! کیا یہ مناسب ہے کہ ہم تو کھائیں پییں اور بنی ہاشم ہر چیز کے لیے ترستے رہیں، خدا کی قسم میں اس ظالمانہ معاہدے کو پھاڑے بغیر نہ بیٹھوں گا۔ ابوجہل نے کہا اس دستاویز کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ بن الاسود نے کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، اس کو ضرور پھاڑا جائے گا، ہم اس کی تحریر کے وقت بھی راضی نہیں تھے، ابوالبختری نے کہا کہ زمعہ ٹھیک کہتا ہے، ہم بھی اس تحریر کے وقت راضی نہیں تھے۔ اسی طرح مطعم بن عدی اور ہشام بن عمر نے بھی تائید کی۔ یہ دیکھ کر ابوجہل نے کہا کہ یہ تو پہلے سے طے شدہ معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ ابوطالب بھی وہاں آ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میرے بھتیجے نے آج مجھے خبر دی ہے کہ اس دستاویز کو کیڑوں نے کھالیا ہے، صرف وہ جگہ باقی ہے جہاں اللہ کا نام ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر اس معاہدے کو ختم کرو اور اگر غلط ہے تو میں محمد ﷺ کو تمہارے سپرد کر دوں گا، اس پر لوگوں نے کہا کہ اے ابوطالب! آپ نے بے شک انصاف کی بات کی ہے۔ چناں چہ اسی وقت معاہدے کی دستاویز منگوائی گئی۔ کھول کر دیکھا تو واقعی اللہ کے نام کے سوا تمام حروف کو کیڑے نے کھالیا تھا۔ اس طرح تین سال کے بعد یہ ظالمانہ معاہدہ ختم ہوا اور ابوطالب، حضور ﷺ اور اپنے ہم راہوں کے ساتھ ۱۰ نبوی میں شعب ابی طالب سے باہر آ گئے۔

ابوطالب کا انتقال

شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد، کچھ عرصے بیمار رہ کر، ماہ رمضان ۱۰ نبوی میں ابو طالب کا انتقال ہوا۔ اس وقت ابوطالب کی عمر ۸۷ سال تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

بعثت کے دس برس گزرنے کے بعد ابوطالب کی وفات کے تین یا پانچ دن بعد رمضان

میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ۶۵ برس کی عمر میں وفات پائی اور مقام حجون میں دفن کی گئیں۔ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد قریش انتہائی بے باکی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے لگے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں شخصیات کے انتقال کی وجہ سے اسی سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال فرمایا۔

طائف کا سفر

جناب ابوطالب کی وفات کے بعد مشرکین مکہ نہایت آزادی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے لگے۔ لہٰذا اہلِ مکہ سے ناامید ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوال ۱۰ نبوی میں دعوت اسلام کی غرض سے طائف تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا کہ شاید وہاں کے لوگ اسلام قبول کرلیں۔

اس سفر میں زید بن حارثہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راہ تھے۔ راستے میں جو قبائل آباد تھے ان سب کو توحید کا پیغام پہنچاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف پہنچے۔ اس سرسبز اور سرد علاقے میں بنو ثقیف آباد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قبیلے کے تین سرداروں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے پاس گئے، جو قبیلے کے سردار اور سگے بھائی تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام دی، مگر یہ لوگ حق بات سننے کی بہ جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت بے رخی اور بداخلاقی سے پیش آئے، اور نہایت الٹے سیدھے سوالات کر کے آپ کی بات سننے اور ماننے سے انکار کردیا۔ ان کی نامعقول گفت گو سننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو، ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسروں کے لیے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔ لیکن انہوں نے یہ بات بھی نہیں مانی، بل کہ سرداروں نے کچھ اوباش اور آوارہ لڑکوں کو اکسایا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں اور آپ پر پتھر برسائیں۔ چناں چہ ان اوباش اور آوارہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ زخمی ہوگئے اور آپ کی پنڈلیوں سے اتنا خون بہا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتے بھر گئے، جب آپ تکلیف کے سبب بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب بازو تھام کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑا کردیتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، نازیبا کلمات کہتے اور تالیاں بجاتے۔ اس تمام عرصے میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ برابر آپ

کو بچانے کی کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کا تمام سر زخمی ہو گیا۔ آپ نے ان شریروں کے شر سے بچنے کے لیے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔ باغ میں عتبہ اور شیبہ بھی موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر کے لیے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور یہ دعا مانگی:

اے اللہ! میں اپنی کم زوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی ذلت و بے توقیری کی تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! تو عاجزوں اور کم زوروں کا مالک و رب ہے، اور میرا مالک و رب بھی تو ہی ہیں۔ تو مجھے کسی غضب ناک دشمن کے سپرد کر یا کسی دوست کے، جس کو تو نے میرے امور کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہ ہو تو مجھے ان سب مصائب اور تکالیف کی پرواہ نہیں، کیوں کہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات مبارک کے نور کی پناہ لیتا ہوں، جس سے تمام تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے سب کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل فرما، مجھے تیری رضا مندی اور خوش نودی درکار ہے۔ اور ہم تیری مدد کے بغیر نہ تو کسی برائی سے بچ سکتے ہیں اور نہ کوئی بھلائی حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے پریشانی کے اثرات دیکھ کر ربیعہ کے دونوں بیٹوں (شیبہ اور عتبہ) نے عدّاس نامی اپنے عیسائی غلام کے ہاتھ ایک طبق میں انگور رکھ کر آپ کے پاس بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ عدّاس نے حیرت سے پوچھا کہ خدا کی قسم! میں نے یہاں کے لوگوں کے منہ سے ایسا کلمہ نہیں سنا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدّاس سے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے۔ عداس نے جواب دیا کہ میں عیسائی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں جو موصل کے قریب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مرد صالح حضرت یونسؑ کی بستی کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا کہ آپ حضرت یونسؑ کو کیسے جانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی ہیں اور میری طرح اللہ کے نبی تھے۔ عداس نے کہا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ہے۔عداس نے کہا کہ میں نے تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف پڑھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکے میں مبعوث فرمائے گا۔ اہلِ مکہ آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو نکال دیں گے، پھر آپ کی مدد ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین روئے زمین پر پھیلے گا۔ اس کے بعد عداس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی اور دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور مسلمان ہوگیا۔

جب عداس، عتبہ اور ربیعہ کے پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا کہ عداس تجھے کیا ہوا کہ تو اس شخص کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دے رہا تھا۔ اس نے کہا میرے سردارو! اس وقت روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کم بخت ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی تجھے تیرے مذہب سے پھیر دے، کیوں کہ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔"

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُحد سے زیادہ سخت دن بھی آیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ تیری قوم نے مجھے سخت سے سخت تکلیفیں دیں، لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جب میں نے طائف کے سفر کے دوران عبد یالیل اور اس کے بھائیوں پر اسلام پیش کیا اور انہوں نے قبول نہ کیا۔ میں وہاں سے بہت رنج وغم کے ساتھ واپس ہوا۔ قَرنُ الثَّعَالِیب (اس کو قَرنُ المَنَازِل بھی کہتے ہیں اور یہ اہل نجد کی میقات ہے) میں پہنچا تو کچھ افاقہ ہوا۔ اس کے بعد میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اس میں جبریل امین موجود ہیں۔ جبریل نے مجھے آواز دی اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم نے جو حرکتیں اور بدسلوکی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کی ہے، اللہ تعالیٰ نے وہ سب دیکھ لی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں (پہاڑوں کے فرشتے) کو بھیجا ہے، آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، بل کہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں کریں گے۔

تصور کیجیے کہ اس قدر اختیار کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر کا راستہ اختیار فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف میں دس روز تک قیام پذیر رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دوران

وہاں کے کسی سردار کو نہیں چھوڑا، ہر ایک کے پاس گئے، اور اسے اسلام کی دعوت دی، مگر ان میں سے ہر ایک نے یہی کہا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔

آپ ﷺ کے سفر طائف کی کل مدت ایک ماہ ہے، جس میں سے دس روز تو آپ ﷺ طائف شہر میں مقیم رہے اور باقی بیس روز اطراف کے قبائل کو دعوتِ اسلام دینے میں صرف ہوئے۔

جنات کا قرآن سننا

آں حضرت ﷺ کی نبوت سے قبل دنیا میں دین حق مٹ چکا تھا، کیوں کہ یہود نے تورات میں تحریف کر ڈالی تھی، اور نصاریٰ انجیل ہی گم کر بیٹھے تھے۔ یہود و نصاریٰ کے بے شمار فرقے اور گروہ بن چکے تھے جو باہم مخالف تھے۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو سچا کہتا اور دوسرے کو جھوٹا بتاتا تھا۔ دین حق کا کہیں نشان نہیں ملتا تھا، اور دنیا میں طرح طرح کے خیالات و اعتقادات کے ذریعے شرک پھیل رہا تھا۔ تمام جہان کے جنّ و انس ان فاسد خیالات و اعتقادات کی وجہ سے شیطان کے تابع ہو رہے تھے۔ اس زمانے میں جنوں اور شیطانوں کے واسطے آسمان دنیا تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ چناں چہ جن اور شیطان چھپ کر ان فرشتوں کی باتیں سن لیتے تھے، جو اللہ کی طرف سے دنیا کے کاموں پر مقرر ہیں۔ پھر جن اور شیطان اس بات میں جو وہ فرشتے سے سنتے تھے، اپنی طرف سے اضافہ کر کے ان لوگوں کو بتا دیتے جن کو وہ اپنے تابع بنانے کے لیے منتخب کرتے، یہ منتخب آدمی جن کا چیلہ ہوتا تھا۔ جب وہ آدمی لوگوں کو وہ بات بتاتا جو اس کے جن نے اس کو بتائی تھی تو اس میں سے اتنی بات تو سچ ثابت ہو جاتی، جتنی جن نے فرشتے سے سنی تھی اور جو باتیں جن نے اپنی طرف سے شامل کی تھیں وہ غلط ثابت ہوتیں۔ اس طرح لوگ اس کے معتقد ہو جاتے۔ یہ جہالت تمام قوموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ عربوں کے ہاں بھی ہر قبیلے کے پاس کوئی نہ کوئی کاہن ہوتا تھا۔

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ آں حضرت ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل جب فرشتے احکام لے کر زمین پر نازل ہوتے اور وحی کو سنتے اور آپس میں گفت گو کرتے تو جنات بھی ان کی بعض باتیں سن لیتے تھے اور اپنی طرف سے ان میں دس باتیں اور ملا دیا

کرتے تھے، ان میں سے جو بات انہوں نے فرشتوں سے سنی ہوتی وہ تو سچ ہو جاتی اور جو اپنی طرف سے ملائی ہوتی وہ غلط ثابت ہوتی۔

جب آں حضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تو اس کے احترام و تکریم کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر حفاظت مقرر فرما دی۔ جب کوئی جن آسمان پر چڑھنے کا قصد کرتا تو اس کو شہاب ثاقب مارا جاتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر جنوں اور شیطانوں کو بہت پریشانی ہوئی اور انہوں نے ابلیس سے شکایت کی، ابلیس نے ان کو بتایا کہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے، جس کی وجہ سے تم مارے جاتے ہو۔ پھر اس نے معلومات کے لیے ہر طرف اپنے گروہ بھیجے۔ انہیں میں سے ایک گروہ حجاز کی طرف آیا اور دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بطن نخلہ میں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب طائف سے واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے رات کو وادیٔ نخلہ میں قیام فرمایا۔ وادیٔ نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان مکے سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ ﷺ نے رات کے آخری نصف حصے یا فجر کی نماز میں یا جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ نماز کے بغیر قرآن کریم کی کچھ سورتیں پڑھیں، جن کو نصیبین کے سات یا نو جنات نے سنا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ وادیٔ نخلہ میں قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے تو جنوں کا ایک گروہ آپ کے پاس آیا، شاید آپ ﷺ نماز میں تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نماز سے مراد نماز فجر کی دو رکعتیں ہیں، جو آپ سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے، یا آپ ﷺ نے دو نمازیں پڑھیں، ایک نماز تو رات کے درمیانی حصے میں اور دوسری نماز طلوع فجر کے بعد اور آپ ﷺ نے دونوں نمازوں میں تلاوت قرآن کریم فرمائی، اور جنوں نے دونوں قرأتیں سنیں۔

مجموعی طور پر جنوں کے وفود حضور ﷺ کے پاس چھ بار آئے، بعض مکے میں اور بعض مدینے میں اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار وفد کے ارکان کی تعداد سات یا نو، ایک مرتبہ ساٹھ، ایک مرتبہ تین سو اور ایک بار بارہ ہزار تھی۔

ملاحظہ کیجیے کہ جب اس دھرتی پر موجود انسانوں کے ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کی بات سننے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ایسی مخلوق کو آپ کے پاس بھیج دیا، جو ہماری نظروں

سے اوجھل ہے، تاکہ یہ سبق مل سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات سننا اور ماننا ہماری ضرورت ہے، اللہ یا اس کے رسول کی نہیں۔

مطعم بن عدی کی حمایت

جب حضور ﷺ نے وادئ نخلہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب آپ ﷺ کو اہلِ مکہ نکال چکے ہیں تو اب آپ ﷺ دوبارہ کیسے داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ اے زید! اللہ تعالیٰ اس ابتلا سے نجات کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا، اللہ ہی اپنے دین کو غالب کرنے والا اور اس کا مددگار ہے، پھر آپ ﷺ غارِ حرا پہنچے اور عبداللہ بن اُرَیقط کے ذریعہ اَخنس بن شریق کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے پناہ دیتے ہو؟ اخنس بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، انہوں نے کہا کہ میں قریش کا حلیف ہوں، اس لیے پناہ نہیں دے سکتا، پھر آپ ﷺ نے سُہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا، یہ بھی بعد میں اسلام لائے، انہوں نے کہا کہ بنو عامر بن لوی، بنو کعب کے مقابلے میں پناہ نہیں دے سکتے۔ پھر آپ ﷺ نے مطعِم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا، اس نے یہ بات قبول کر لی، اور قاصد کو کہا کہ حضور (ﷺ) کو جا کر کہو کہ تشریف لے آئیں، چناں چہ حضور ﷺ شہر میں داخل ہوئے اور اس کے پاس رات گزاری، جب صبح ہوئی تو مطعم اپنے چھ یا سات بیٹوں کے ہم راہ اسلحے سے لیس ہو کر نکلا اور حضور ﷺ سے کہا کہ آپ طواف کریں، اور اس نے اپنے بیٹوں کے ہم راہ آپ ﷺ کو اپنی تلواروں کے سائے میں لے لیا، اس اثنا میں ابوسفیان بھی ادھر آ نکلے، انہوں نے مطعم سے پوچھا کہ کیا تم نے پناہ دی ہے یا ان کی اطاعت قبول کر لی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں صرف پناہ دی ہے، اس پر ابوسفیان نے کہا کہ ٹھیک ہے، جس کو تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

مطعم بن عدی کے اسی احسان کی بنا پر آپ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر جب قریش کے قیدیوں کا معاملہ سامنے آیا تو ارشاد فرمایا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان گندے لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں انہیں چھوڑ دیتا، مطعم بن عدی نے کفر کی حالت میں ہجرت کے کچھ عرصے بعد وفات پائی۔

دراصل جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے رخصت ہو کر طائف گئے تھے، تو اس وقت کے ضابطے کے مطابق آپ کی مکے کی شہریت ختم ہو گئی تھی، اسے دوبارہ حاصل کرنے لیے اس وقت یہی طریقہ رائج تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار فرمایا۔

سوالات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ان کے خاندان نے کن مصائب کا سامنا کیا؟

۲۔ طائف کے سفر سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

۳۔ مطعم بن عدی کے احسان کے بدلے میں غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا کون سا پہلو سامنے آتا ہے؟

واقعۂ معراج

جب شعب ابی طالب اور سفر طائف میں آزمائش کی تمام منزلیں طے ہو چکیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسرا اور معراج کے شرف سے سرفراز فرمایا اور آپ ﷺ کو اس قدر بلند فرمایا کہ اس سے آگے بلندی کا کوئی تصور نہیں، اور اس عرش عظیم تک سیر کرائی، جس کے بعد اور کوئی مقام نہیں۔ آں حضرت ﷺ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں اور جنّت وغیرہ کی جو سیر کرائی گئی، اس بارے میں جمہور علما کا کہنا ہے کہ وہ جسد خاکی اور روح کے ساتھ بہ حالت بیداری ایک ہی رات میں ہوئی۔ یہ واقعۂ معراج حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور بیعت عقبہ سے پہلے ہوا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے ایک قلیل حصے میں مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی قدرت کے کچھ نمونے دکھائیں۔ (الاسراء:۱)

اللہ تعالیٰ نے ان نشانیوں اور علاقوں کا کچھ ذکر سورہ نجم میں بھی فرمایا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

> اور انہوں نے اس فرشتے کو ایک دفعہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے۔ اس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔ جب اس بیری پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نہ پیغمبر کی نظر بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔ (النجم: ۱۳۔۱۸)

یہ سفر بیت اللہ سے شروع ہوا، اور اس سفر کا پہلا حصہ بیت اللہ سے بیت المقدس تک تھا، اسے اسرا کہتے ہیں، یہ سفر براق پر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت حرم میں تشریف فرما تھے، رات کا وقت تھا، جبریل امین نے آکر آپ کو اس سفر سے آگاہ کیا اور سفر شروع ہوا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے جنت سے براق نامی ایک چوپایا لایا گیا، یہ گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا، سفید رنگ کا اور بَرق رفتار تھا۔ اور اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں اس کی انتہائے نظر پہنچتی تھی۔ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بہت سے مشاہدات بھی کروائے گئے۔ یہاں کچھ مشاہدات پیش کیے جاتے ہیں۔

شدّاد بن اوس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ (شب معراج کو) راستے میں میرا گزر ایسی زمین پر ہوا، جس میں کھجور کے درخت بہ کثرت تھے۔ جبریل امین نے کہا کہ یہاں نماز پڑھیے۔ میں نے وہاں نماز پڑھی تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ نے یثرب میں نماز پڑھی۔ آپ نے طیبہ میں نماز پڑھی (جہاں آپ ہجرت کریں گے)۔ وہاں سے روانہ ہو کر ایک اور زمین پر گزر ہوا، جبریل امین نے کہا کہ یہاں نماز پڑھیے۔ میں نے وہاں اتر کر نماز پڑھی۔ پھر میں سوار ہو گیا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ نے وادیٔ سینا میں، شجر موسیٰ کے قریب نماز پڑھی۔ وہاں سے روانہ ہو کر ایک اور زمین پر گزر ہوا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہاں اتر کر نماز پڑھیے۔ میں نے وہاں اتر کر نماز پڑھی تو جبریل نے کہا کہ آپ نے مَدْیَنْ میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد ایک اور زمین پر گزر ہوا۔ جبریل امین نے کہا کہ یہاں اتر کر نماز پڑھیے۔ میں نے وہاں نماز پڑھی۔ پھر جبریل امین نے کہا کہ آپ نے بیت اللحم میں نماز پڑھی۔ جہاں حضرت عیسیٰ السلام پیدا ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم بیت المقدس پہنچے تو جبریل نے ایک پتھر میں شگاف ڈال دیا اور اس سے براق کو باندھ دیا، پھر ہم دونوں مسجد میں داخل ہو گئے۔ پھر جلد ہی بہت سے حضرات مسجدِ اقصیٰ میں جمع ہو گئے۔ پہلے ایک مؤذن نے اذان دی اور اقامت کہی اور ہم سب صف باندھ کر کھڑے ہو گئے اور جبریل امین نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل امین نے بتایا کہ جتنے نبی مبعوث ہوئے، سب نے ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔

انبیا علیہم السلام کی حمد وثنا

اس کے بعد انبیا کی ارواح کی آپس میں ملاقات ہوئی اور انہوں نے اپنے رب کی تعریف بیان کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا اور مجھے عظیم مملکت عطا فرمائی، اور میری امت کو میرا فرماں بردار اور میری پیروی کرنے والا بنایا اور مجھے آگ سے محفوظ رکھا اور اسے میرے لیے ٹھنڈک اور سلامتی والا بنایا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، انہوں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے کلام کر کے مجھے کلیم بنایا اور میرے ذریعے فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات فرمائی اور میری امت میں ایسی قوم پیدا فرمائی جو حق کے مطابق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف کرتی ہے۔

پھر داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی ثنا بیان کی، انہوں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے ملکِ عظیم عطا فرمایا اور مجھے زبور سکھائی اور میرے لیے لوہے کو نرم کر دیا اور پہاڑوں اور پرندوں کو میرے تابع کر دیا جو (اپنے رب کی) تسبیح کرتے ہیں، اور مجھے حکمت اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد وثنا کی اور فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہواؤں، جنوں اور انسانوں کو میرے تابع کر دیا جو میرے لیے وہ کچھ بناتے ہیں جو میں چاہتا ہوں (مثلاً) قلعے، تراشیدہ اشیا، لگن جیسے (بڑے بڑے) حوض اور (بڑی بڑی) ایک ہی جگہ پر جمی ہوئی دیگیں، اور مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں اور مجھے ہر چیز کا فضل عطا کر دیا، اور شیاطین، انسانوں، جنوں اور پرندوں کے لشکروں کو میرے تابع کر دیا اور مجھے اپنے مومن بندوں میں سے بہت سوں پر فضیلت عطا فرمائی، اور مجھے ایسی عظیم الشان سلطنت عطا کی جو میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہوگی، اور میری بادشاہی کو ہر اعتبار سے پاک وصاف بنایا، جس کا نہ کوئی حساب ہوگا، نہ اس پر کچھ سزا ہوگی۔

پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کی، انہوں

نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا اور میری مثال آدم علیہ السلام کی سی بنائی، جنہیں مٹی سے پیدا کیا تھا اور پھر کہا تھا ہو جا! پس وہ ہو گئے تھے، اور مجھے کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دی اور اپنے حکم سے مجھے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفایاب کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کا ذریعہ بنایا، اور مجھے آسمان پر اٹھایا اور پاک کیا اور میری اور میری والدہ کی شیطان مردود سے حفاظت فرمائی، سو شیطان کو ہمارے خلاف کوئی راہ نہ مل سکی۔

ان تمام تقاریر کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آپ میں سے ہر ایک نے اپنے رب کی ثنا کر لی، اب میں اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، اور تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر (خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا) بنایا، اور مجھ پر فرقان (قرآن کریم جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے) اتارا جس میں ہر چیز کا بیان ہے، اور میری امت کو بہترین امت بنایا جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے اور میری امت کو معتدل امت بنایا اور میری امت کو اوّل و آخر بنایا، اور میرے سینے کو کھول دیا اور مجھ سے میرا بوجھ دور کر دیا اور میرا ذکر بلند کر دیا اور مجھے فاتح (روحانی اعتبار سے سب سے پہلا) اور خاتم (بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری) بنایا۔

یہ سن کر حضرت ابراہیم نے کہا کہ ان ہی فضائل کی وجہ سے محمد ﷺ کو تم سب پر فضیلت عطا ہوئی۔

دودھ و شراب کے پیالے

جب آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے تو آپ کے پاس شراب، پانی اور دودھ لایا گیا۔ آپ نے دودھ نوش فرمایا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے دینِ فطرت کو اختیار فرمایا ہے۔ اگر آپ پانی پیتے تو آپ اور آپ کی امت غرق ہو جاتی۔ اور اگر آپ شراب پیتے تو آپ اور آپ کی امت گم راہ ہو جاتی۔

آسمانوں کی سیر

اس کے بعد سفر کا دوسرا حصہ شروع ہوا، یہ بیت المقدس سے آسمانوں تک کی سیر پر مشتمل

تھا۔ اسے معراج کہتے ہیں، معراج اصل میں سیڑھی کو کہتے ہیں، چناں چہ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب بیت المقدس میں ہونے والی تقریب سے فارغ ہوا تو میرے پاس معراج (سیڑھی) لائی گئی، میں نے اس سے زیادہ خوب صورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ اس کا ایک قدمچہ چاندی کا تھا اور ایک سونے کا، یہ سیڑھی جنت الفردوس سے لائی گئی تھی اور موتیوں سے مرصع تھی، اور اس کے دائیں بائیں فرشتے چل رہے تھے۔ پھر جبریل امین مجھے اس پر سوار کر کے لے چلے، یہاں تک کہ آسمان دنیا پر پہنچے اور (دروازہ) کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ اس نے کہا: جبریل امین۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ کہا گیا اور کیا ان کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اس نے کہا ہاں! کہا گیا مرحبا، خوش آمدید، کیا ہی اچھی آمد ہے۔ پس (دروازہ) کھول دیا گیا۔ جب میں اس میں داخل ہوا تو میں نے وہاں آدم (علیہ السلام) کو پایا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ آدم (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجیے۔ میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے (میرے سلام کا) جواب دیا اور کہا مرحبا صالح بیٹے اور نبی کو۔ پھر ہم اوپر چڑھے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچے تو جبریل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ اس نے کہا جبریلؑ، کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ کہا گیا اور کیا ان کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اس نے کہا ہاں! کہا گیا مرحبا، خوش آمدید، کیا ہی اچھی آمد ہے۔ پس (دروازہ) کھول دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ یہاں دونوں خالہ زاد بھائی یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) ہیں۔ جبریل نے کہا یہ یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) ہیں، دونوں کو سلام کیجیے۔ میں نے دونوں کو سلام کیا تو دونوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ مجھے مرحبا کہا۔ پھر میں نے تیسرے آسمان کو عروج کیا تو جبریل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ اس نے کہا جبریل۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ کہا گیا اور کیا ان کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اس نے کہا ہاں! کہا گیا مرحبا کیا ہی اچھی آمد ہے، پس (دروازہ) کھول دیا گیا۔ وہاں میں نے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھا۔ جبریل نے کہا یہ یوسف (علیہ السلام) ہیں، پس ان کو سلام کیجیے۔ میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، مجھے مرحبا کہا۔ پھر میں نے چوتھے آسمان کو عروج کیا تو جبریل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ پوچھا

گیا کون ہے؟ اس نے کہا جبریل۔ کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا گیا اور کیا ان کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اس نے کہا ہاں، کہا گیا مرحبا، کیا ہی اچھی آمد ہے۔ پس دروازہ کھول دیا گیا، وہاں میں نے ادریس (علیہ السلام) کو دیکھا، جبریل نے کہا کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں، ان کو سلام کیجیے، میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، مجھے مرحبا کہا۔ پھر میں نے پانچویں آسمان کو عروج کیا تو جبریل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا، پوچھا گیا کون ہے؟ انہوں نے کہا جبریل، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا گیا کیا ان کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اس نے کہا ہاں، کہا گیا مرحبا، کیا ہی اچھی آمد ہے، پس (دروازہ) کھول دیا گیا، پھر جب میں داخل ہوا تو میں نے ہارون (علیہ السلام) کو دیکھا، جبریل نے کہا یہ ہارون ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سلام کیجیے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور مرحبا کہا۔ پھر میں نے چھٹے آسمان پر عروج کیا تو جبریل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ اس نے کہا جبریل۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا گیا اور کیا ان کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اس نے کہا ہاں، کہا گیا مرحبا، کیا ہی اچھی آمد ہے۔ پس (دروازہ) کھول دیا گیا۔ وہاں میں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھا۔ جبریل نے کہا یہ موسیٰ (علیہ السلام) ہیں ان کو سلام کیجیے۔ پس میں نے سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ مجھے مرحبا کہا۔ پھر میں نے ساتویں آسمان پر عروج کیا تو جبریل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ اس نے کہا جبریل۔ کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا گیا اور کیا ان کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اس نے کہا ہاں، کہا گیا مرحبا، کیا ہی اچھی آمد ہے۔ (دروازہ) کھول دیا گیا۔ وہاں میں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا۔ جبریل نے کہا یہ ابراہیم (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجیے۔ ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، پھر مرحبا کہا۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک بلند کیا گیا جو بیری کا ایک درخت ہے۔ اس کے پھل اتنے بڑے بڑے تھے جیسے مقام ہجر کے مٹکے اور جس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح تھے۔ زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک جاتی ہے اور پھر اوپر اٹھائی جاتی ہے اور ملائے اعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آ کر ٹھہر جاتی ہے اور پھر نیچے اترتی ہے۔

حوضِ کوثر

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان کی بالائی سطح پر لے گئے۔ یہاں تک کہ آپ ایک نہر پر پہنچے جس پر یاقوت اور موتی اور زبرجد (ایک قیمتی پتھر) کے پیالے رکھے ہوئے تھے اور اس پر سبز رنگ کے لطیف پرندے بھی تھے۔ جبریل امین نے کہا یہ کوثر ہے جو آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو دی ہے۔ اس کے اندر سونے اور چاندی کے برتن پڑے ہوئے ہیں اور وہ یاقوت اور زمرد کے سنگریزوں پر چلتی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ میں نے ایک برتن لے کر اس میں سے کچھ پیا تو وہ شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوش بودار تھا۔ اسی جگہ آپ ﷺ نے بے شمار فرشتے اور سونے کے پتنگے اور پروانے دیکھے جو سدرۃ المنتہیٰ کو گھیرے ہوئے تھے۔

بیت المعمور

آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر مجھے بیت المعمور تک بلند کیا گیا، جو فرشتوں کا قبلہ اور ٹھیک خانہ کعبہ کے اوپر واقع ہے۔ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر کبھی ان کی باری کی نوبت نہیں آتی۔ مسند احمد اور مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا جو بیت المعمور سے تکیہ لگائے ہوئے تھے اور بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، عبادت کے بعد جب نکل کر چلے جاتے ہیں تو پھر قیامت تک دوبارہ کبھی ان کی باری نہیں آئے گی۔

صَرِیفُ الاقلام اور قاب قوسین

پھر آپ ﷺ کو ایسے مقام تک بلند کیا گیا جہاں آپ ﷺ نے صریف الاقلام کو سنا۔ یہاں فرشتے امورِ الٰہیہ اور احکام خداوندی کو لوحِ محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر جبریل امین مجھے ایسے بلند مقام تک لے گئے جہاں قلموں سے لکھنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

مقام صریف الاقلام سے چل کر حجابات طے کرتے ہوئے آپ ﷺ بارگاہِ خداوندی میں پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی سواری کے لیے ایک رَفْرَف (مسند) آئی جس پر سوار ہوکر آپ قاب قوسین تک پہنچے، یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث میں ہے کہ میرے لیے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا اور میں نے نور اعظم کو دیکھا اور پردے میں سے موتیوں کی ایک رفرف (مسند) کو دیکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو کلام فرمانا چاہا وہ فرمایا۔ جب جبریل امینؑ وہاں پہنچ کر رک گئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس مقام پر اپنے ساتھی کا ساتھ چھوڑ جاؤ گے؟ جبریل نے کہا کہ اگر میں ایک قدم بھی مزید آگے بڑھا تو آگ مجھے جلا ڈالے گی۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات

شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔

۱۔ پانچ نمازیں۔

۲۔ خواتیم سورۂ بقرۃ، یعنی سورۂ بقرۃ کی آخری دو آیتیں۔

۳۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دے گا، یعنی کبیرہ گناہ کرنے والوں کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا، بل کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو انبیا اور ملائکہ کی شفاعت سے معاف فرما دے گا اور بعض کو اپنی خاص رحمت سے معاف فرما دے گا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر مجھ پر ہر روز کے لیے پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ پھر میں واپس آیا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا کہ ہر روز پچاس نمازیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی امت روزانہ پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی۔ خدا کی قسم میں آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور میں بنی اسرائیل کے علاج میں سخت کوشش کر چکا ہوں۔ آپ واپس جا کر اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیے۔ پھر میں واپس گیا تو

اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا تو انہوں نے پہلے جیسی بات کہی۔ پھر میں لوٹ کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں اور کم کر دیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا تو انہوں نے ویسی ہی بات کہی جیسی پہلے کہی تھی۔ میں پھر لوٹ کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں اور کم کر دیں۔ میں واپس موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا تو انہوں نے پھر ویسی ہی بات کہی۔ میں پھر لوٹ کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اور دس نمازیں کم کر دیں۔ میں واپس موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا تو انہوں نے پھر ویسی ہی بات کہی جیسی پہلے کہی تھی۔ میں پھر گیا تو اللہ تعالیٰ نے ہر روز پانچ نمازوں کا حکم دیا۔ میں واپس موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا تو انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت روزانہ پانچ نمازوں کی قوت نہیں رکھتی اور میں اس سے پہلے بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں اور ان کے علاج میں بہت زیادہ کوشش کر چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس جا کر اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کریں۔ میں نے کہا کہ میں اتنی مرتبہ درخواست کر چکا ہوں کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ اب میں راضی ہوں اور اللہ کے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ پھر جب میں آگے بڑھا تو ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں کے لیے تخفیف کر دی۔

صبح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو اس سفر کے بارے میں آگاہ کیا جائے، چناں چہ آپ باہر تشریف لے گئے، اور قریش کے پاس پہنچ کر ان کو تمام واقعہ بیان کیا۔ جبیر بن مطعم نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اگر آپ کی ایسی شان ہوتی جیسی آپ بتا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ بات نہ کہتے جو آپ کہہ رہے ہیں، جب کہ آپ اس وقت ہمارے درمیان میں موجود ہیں۔ پھر ایک دوسرے آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کیا آپ ہمارے اونٹوں کے پاس سے گزرے جو فلاں فلاں جگہ پر تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں نے ان کو دیکھا۔ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ اس کی تلاش میں تھے۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنی فلاں کے قافلے کے پاس سے گزرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہاں! میں نے ان کو فلاں فلاں جگہ پایا اور ان کے ایک سرخ اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور ان کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا، اس میں جتنا پانی تھا وہ میں نے پی لیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں ان کی تعداد اور قافلوں کے بارے میں بتائیے کہ ان

میں کون کون راعی تھے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کے شمار وغیرہ کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ پھر آپ کھڑے ہوئے، پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اونٹ آپ کے سامنے کر دیے گئے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے ان کا شمار کیا اور یہ بھی جان لیا کہ اس میں کون کون راعی تھے۔ پھر آپ نے قریش سے کہا کہ تم نے مجھ سے بنی فلاں کے اونٹوں کے بارے میں پوچھا تھا، وہ اتنے اتنے ہیں اور اس کے راعیوں میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ) اور فلاں فلاں ہیں۔ وہ سب کل صبح سویرے تمہیں ثنیہ (وہ موڑ جہاں سے مکے میں داخل ہوتے تھے) پر ملیں گے۔ یہ سن کر وہ لوگ ثنیہ پر جا بیٹھے، تاکہ آپ ﷺ کی بات کی تصدیق کر سکیں۔ پھر جب اونٹوں کا قافلہ نمودار ہوا تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی اونٹ گم ہوا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر دوسرے قافلے سے پوچھا کہ کیا تمہارے سرخ اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی پیالہ تھا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نے ہی اس کو رکھا تھا، پس ہم میں سے نہ تو کسی نے اس کو پیا اور نہ اس کو زمین پر بہایا۔

ابوسلمہؒ سے روایت ہے کہ اسرا اور معراج کا قصہ سن کر بہت سے مسلمان فتنے میں مبتلا ہو گئے (اور انہوں نے اس کا انکار کیا)۔ اور کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر سارا قصہ ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ سچے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ کیا آپؓ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں شام (بیت المقدس) گئے اور پھر اسی رات واپس مکے لوٹ آئے؟ ابوبکرؓ نے فرمایا: ہاں، میں تو اس سے بھی بڑی بات میں آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں تو آسمان کی باتوں (وحی) کے بارے میں بھی ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اس وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق پڑ گیا۔

سوالات

۱۔ واقعہ معراج سے متعلق اہلِ اسلام کا کیا عقیدہ ہے؟

۲۔ شب معراج کے انعامات بیان کیجیے۔

۳۔ واقعۂ معراج سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

مدینے میں اسلام کی ابتدا

قبائل کو دعوتِ اسلام

نبوت کے چوتھے سال جب آپ ﷺ نے علی الاعلان تبلیغ شروع فرمائی، تو ساتھ ہی موسمِ حج میں باہر سے آنے والے افراد کو بھی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ فرداً فرداً ہر قبیلے کے پاس جاتے اور انہیں بتاتے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تم میری تصدیق اور حمایت کرو، یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آ جائے اور حق سب پر ظاہر ہو جائے۔ مختلف ایام میں عرب میں میلے بھی لگتے تھے۔ آپ ﷺ ان تمام بازاروں اور میلوں میں بھی لوگوں کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ہجرت تک آپ کا یہی معمول رہا، آپ نے اس دوران بہت سے قبیلوں سے ملاقات کی، اور اسلام کی دعوت دی۔ ان میں بنو عامر بن صعصعہ، بنو محارب بن خصفۃ، بنو فزارہ، بنو غسان، بنو مرۃ، بنو حنیفہ، بنو سُلیم، بنو عبس، بنو نضر، بنو بکاء، بنو کندہ، بنو کلب، بنو حارث بن کعب، بنو عذرۃ، بنو حضارمۃ، شامل ہیں، مگر کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا۔

آپ ﷺ بنی حنیفہ اور بنی عامر بن صعصعہ کے پاس بھی گئے، آپ ﷺ کی دعوت سن کر ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر ہم آپ ﷺ کا ساتھ دیں اور آپ مخالفین پر غالب آ جائیں تو کیا آپ یہ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کے بعد ریاست ہمیں ملے گی؟ آپ نے فرمایا کہ یہ معاملہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جسے چاہے گا میرے بعد مقرر کر دے گا۔ اس نے کہا کہ خوب ہے کہ اس وقت تو عربوں کے سامنے سینہ سپر ہم بنیں اور جب آپ کامیاب ہو جائیں تو دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا، جب وہ اپنے شہر واپس لوٹے تو اپنے قبیلے کے ایک بوڑھے شیخ کے پاس پہنچے، اس نے سفر کی روداد سن کر اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا اور کہنے لگا کہ اے بنی عامر! کیا اب تلافی کی

کوئی صورت ہے؟ خدا کی قسم! بنی اسماعیل میں آج تک کسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا، بلاشبہ وہ حق پر ہے، سواس وقت تمہاری فراست کہاں چلی گئی تھی؟

سوید بن صامت رضی اللہ عنہ کا اسلام

ان ہی دنوں بنوعمرو بن عوف کے سوید بن صامت حج یا عمرے کے ارادے سے مکہ آئے، سوید کا لقب ان کی شرافت اور اعلیٰ نسبی کی وجہ سے ان کی قوم نے کامل رکھ دیا تھا، ان کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی، آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے کہا کہ شاید آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھی وہی کچھ ہے جو میرے پاس ہے، آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ حکمتِ لقمان۔ آپ نے فرمایا کہ بیان کرو، انہوں نے کچھ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اچھا کلام ہے، لیکن میرے پاس اس سے افضل ہے، یہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، وہ ہدایت اور نور ہے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ کریم کی آیات تلاوت فرمائیں اور ایمان کی دعوت دی، انہوں نے کہا یہ اچھا کلام ہے، پھر وہ مدینے آ گئے، انہیں وہاں خزرج کے لوگوں نے قتل کر دیا، کہا جاتا ہے کہ وہ ایمان کی حالت میں قتل ہوئے، یہ جنگِ بعاث سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اسلام

اسی سال ابوالحیسر انس بن رافع چند نوجوانوں کے ہم راہ مکے آیا، تاکہ قریش کے کسی قبیلے کو اپنا حلیف بنانے کے لیے اپنی قوم خزرج کی طرف سے معاہدہ کرے، ان نوجوانوں میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جس مقصد کے لیے تم یہاں آئے ہو، میں اس سے کہیں بہتر شے تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ابوالحیسر اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ وہ کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں بندوں کو اللہ کی طرف بلاؤں۔ میں بندوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اللہ نے مجھ پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ ایاس بن معاذ یہ سنتے ہی بولے: اے میری قوم! خدا کی قسم جس کام کے لیے تم یہاں آئے ہو، یہ

تمہارے لیے اس سے کہیں بہتر ہے، اس پر ابوالحیسر انس بن رافع نے کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر ماریں اور کہا کہ ہم اس کام کے لیے نہیں آئے۔ ایاس خاموش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر چلے گئے۔ ایاس مدینے واپس جانے کے چند روز بعد انتقال کر گئے۔ مرتے وقت ان کی زبان پر کلمہ اور تکبیر، تسبیح اور تحمید کے کلمات مسلسل جاری تھے۔

ضماد ازدوی رضی اللہ عنہ کا اسلام

ان ہی دنوں یمن سے ضماد ازدوی مکے آئے، جب انہوں نے دیکھا کہ بچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل رہے ہیں، (انہوں نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ محمد پر جنات کا اثر ہے)، تو وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں آپ کے جنون کا علاج کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سن لو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خطبہ پڑھا:

سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ ہم اس کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور ہر کام میں اس کی مدد چاہتے ہیں، جسے خدا راہ دکھاتا ہے اسے کوئی گم راہ نہیں کر سکتا اور جس کو خدا ہی راستہ نہ دکھائے اس کی کوئی راہ نمائی نہیں کر سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔

ضماد نے یہ کلمات پھر سنے اور بے اختیار بول اٹھے کہ میں نے بہت سے کاہن اور ساحر دیکھے ہیں اور شاعر سنے ہیں، مگر ایسا کلام میں نے کسی سے بھی نہیں سنا۔ یہ کلمات تو ایک گہرے سمندر کی مانند ہیں۔ پھر وہ مسلمان ہو گئے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام

جب ابوذر غفاری کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے بھائی انیس کو کہا کہ مکہ مکرمہ جا کر ان کے بارے میں مجھے معلومات فراہم کرو، پھر مجھے آ کر بتاؤ۔ چناں چہ ان کے بھائی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، پھر واپس آ کر اس نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے وہ اچھے اخلاق کی تلقین کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام شعر نہیں ہے۔ انیس خود شاعر تھا۔ یہ سن کر ابوذر رضی اللہ عنہ کی پوری تشفی نہیں ہوئی۔ چناں چہ خود مسجد

الحرام میں حاضر ہوئے، اور نبی ﷺ کو تلاش کرنا شروع کیا۔ آں حضرت کو پہچانتے نہ تھے اور کسی سے دریافت کرنا بھی نہیں چاہتے تھے، ایک رات وہ حرم میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ مسافر ہیں۔ علیؓ نے ان سے کہا کہ آپ میرے گھر چل کر آرام کریں، ابوذر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے چل پڑے، لیکن انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کچھ بات نہیں کی، حتیٰ کہ صبح ہوگئی، پھر حضرت ابوذرؓ نے اپنا مشکیزہ اور سامان اٹھایا اور مسجد الحرام میں آگئے، یہ دن بھی گزر گیا اور وہ نبی ﷺ کو نہیں دیکھ سکے، حتیٰ کہ شام ہوگئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پھر ان پر سے گزر ہوا اور سمجھ گئے کہ یہ شخص ابھی تک اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکا، وہ انہیں پھر اپنے ساتھ لے آئے، اور اس روز بھی ان میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے سے کوئی سوال نہیں کیا، تیسرے دن پھر حضرت علیؓ ان کے پاس سے پھر گزرے اور انہیں اپنے ساتھ لیا تو ان سے کہا کہ کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ کی آمد کا سبب کیا ہے؟ ابوذرؓ نے کہا کہ اگر آپ مجھ سے پکا وعدہ کریں کہ میری رہ نمائی کریں گے تو میں بتاتا ہوں، جب حضرت علیؓ نے وعدہ کیا تو انہوں نے سارے قصے کی خبر دی۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ بلاشبہ وہ حق پر ہیں اور وہ اللہ کے رسول ہیں ﷺ، آپ صبح کو میرے ساتھ چلیں اگلے روز حضرت علی انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ انہوں نے آپ کی باتیں سنیں اور وہیں اسلام لے آئے، پھر حضور ﷺ نے ان سے کہا کہ اپنی قوم میں واپس جاؤ اور انہیں میرے متعلق آگاہ کرو، حتیٰ کہ میرے غلبے کا وقت آجائے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں ان لوگوں کے سامنے اسلام کا اعلان کروں گا، پھر وہ نکلے اور مسجد میں آئے اور بلند آواز سے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر لوگ کھڑے ہوگئے اور نہیں اس قدر مارا کہ وہ گر پڑے، اسی دوران حضرت عباسؓ آ گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو حضرت ابوذرؓ کے اوپر گرا دیا اور کہا کہ افسوس ہے تم پر، کیا تمہیں علم نہیں کہ یہ قبیلۂ غِفار کا آدمی ہے اور تمہاری شام کی تجارت کا راستہ ادھر سے ہی ہے۔ اس طرح انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو مشرکین سے بچایا۔ ابوذرؓ دوسرے روز پھر مسجد الحرام میں آئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ مشرکین نے پھر مارا اور ان پر ٹوٹ پڑے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ

نے پھر آپ کو بچایا۔ ایک روایت میں ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ تم یہاں کتنے روز سے ہو؟ میں نے کہا تیس دن ہو گئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ تمہیں کھلاتا پلاتا کون ہے؟ میں نے کہا کہ صرف زم زم پر گزارا ہے اور اس کی وجہ سے میری توند تک نکل آئی ہے، اور مجھ میں بھوک کی کم زوری بالکل نہیں۔

مدینے میں اسلام

مدینے میں اسلام کا آغاز اکا دکا افراد کے اسلام قبول کرنے سے ہوا۔ ان میں حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ قبیلۂ خزرج کے ان چھ انصار سے پہلے اسلام لائے جو نبوت کے گیارہویں سال موسمِ حج میں مکہ آ کر مسلمان ہوئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا خالہ زاد بھائی معاذؓ بن عفراء جب مکے پہنچے تو ہم نے ایک شخص کو درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے دیکھا، ہم نے کہا کہ اس سے طوافِ بیت اللہ کے لیے سواری مانگتے ہیں، جب ہم نے قریب پہنچ کر جاہلیت کے طرز پر سلام کیا تو اس نے اسلامی انداز میں جواب دیا، ہمیں یہ بات عجیب محسوس ہوئی، ہم نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اس نے ہمیں بیٹھنے کے لیے کہا، پھر ہم نے پوچھا کہ وہ شخص کہاں ہے جو فلاں فلاں دعوے (نبوت وغیرہ کے) کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ میں ہی ہوں، ہم نے کہا کہ ہمارے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کیجیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہارے خیال میں آسمان اور زمین اور ان بلند پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟ ہم نے کہا کہ اللہ نے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہیں کس نے پیدا کیا؟ ہم نے جواب دیا کہ اللہ نے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ ان بتوں کو جن کو عام لوگ پوجتے ہیں کس نے تراشا؟ ہم نے جواب دیا کہ ہم نے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ عبادت کا مستحق خالق ہے یا مخلوق؟ ہم نے کہا خالق۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا پس تم اس بات کے مستحق ہو کہ بت تمہاری عبادت کریں اور تم خدا کی عبادت کرو، اس لیے کہ بتوں کو تم نے بنایا ہے اور تم اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہو اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ صلہ رحمی کرو اور ظلم وزیادتی کو چھوڑ دو۔

میں نے کہا بے شک آپ نے بلند اور پاکیزہ اخلاق کی طرف بلایا ہے۔ میں آپ کے

پاس سے اٹھ کر حرم شریف میں پہنچا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد سات تیر نکالے اور ان میں سے ایک تیر کو آں حضرت ﷺ کے نام کا ٹھہرایا اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے فال لینے کا ارادہ کیا اور دعا کی کہ اے اللہ! آں حضرت ﷺ جس دین کی دعوت دیتے ہیں اگر وہ حق ہے تو اس تیر کو سات مرتبہ نکال دے۔ ساتوں مرتبہ حضور کے نام کا تیر نکلا، مجھے اطمینان ہوا اور میں نے بلند آواز کلمہ پڑھ لیا، یہ سن کر لوگ میرے پاس اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ مجنون شخص بے دین ہو گیا، میں نے کہا نہیں مومن ہو گیا، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، مجھے دیکھ کر معاذ بن عفرا کہنے لگا کہ اے رفاعہ جس چہرے کے ساتھ تم گئے تھے یہ وہ چہرہ نہیں ہے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سورۂ یوسف اور علق کی تعلیم دی، پھر ہم مدینے لوٹ آئے۔

خزرج کے وفد کا اسلام

مدینے میں زیادہ آبادی اوس و خزرج کی تھی۔ یہ لوگ بت پرست تھے۔ ان کے ساتھ یہودی بھی رہتے تھے۔ جب کبھی یہودیوں کا اوس و خزرج کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہوتا تو یہودی کہتے کہ عن قریب ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ ہم ان کی اتباع کریں گے اور ان کی معیت میں تمہیں قوم عاد اور ارم کی طرح ہلاک و برباد کر دیں گے۔ نبوت کے گیارہویں سال اور جنگ بعاث کے بعد حج کے موسم میں قبیلہ خزرج کے چھ آدمی مکے آئے۔ ان کے نام یہ ہیں: ۱۔ ابو امامہ اسعد بن زُرارہ، انہوں نے صحابہ میں سب سے پہلے ۱ھ میں وفات پائی۔ ۲۔ عوف بن الحارث، یہ بدر میں شہید ہوئے۔ ۳۔ رافع بن مالک بن عجلان یہ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ۴۔ قطبہ بن عامر بن جدیدہ، یہ عقبہ کی دونوں بیعتوں میں شریک رہے۔ ۵۔ عقبہ بن عامر بن زید، ۶۔ جابر بن عبداللہ رئاب یہ جنگ بدر میں شریک تھے۔

یہ لوگ جب آں حضرت ﷺ سے ملے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارا تعلق قبیلہ خزرج سے ہے، آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا تم یہود کے حلیف ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بٹھایا اور ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی، بتوں سے نفرت دلائی، نیکی کی تعلیم دی اور برائیوں سے منع فرمایا۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کو فوراً پہچان لیا اور ایک دوسرے سے کہنے

لگے کہ واللہ یہ وہی نبی ہیں جن کا یہود ذکر کیا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہود اور قبیلہ اوس کے لوگ اس فضیلت وسعادت میں ہم پر سبقت لے جائیں۔ چناں چہ وہ سب اسی وقت ایمان لے آئے۔ ان لوگوں نے مدینے واپس جا کر خوش خبری سنائی کہ وہ نبی جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آ گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ پھر مدینے میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہ ہو رہا ہو۔

پہلی بیعتِ عقبہ

نبوت کے بارھویں سال حج کے دنوں میں مدینہ منورہ کے ۱۲ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لیے مکہ حاضر ہوئے۔ ان میں سے پانچ ان ہی چھ آدمیوں میں سے تھے جو اس سے پہلے ۱۱ نبوی میں ایمان لائے تھے۔ سات آدمی نئے تھے، جن کے نام یہ ہیں۔ ٦۔ معاذ بن حارث (عوف بن حارث کے بھائی) ۷۔ ذکوان بن عبد قیس، ۸۔ عبادہ بن صامت، ۹۔ یزید بن ثعلبہ، ۱۰۔ عباس بن عبادہ بن نضلہ، ۱۱۔ ابوالہیثم مالک بن تیہان، ۱۲۔ عویم بن ساعدہ۔ ان میں سے ذکوان بیعت کے بعد مکے میں ہی ٹھہر گئے تھے اور بعد میں ہجرت کی، اس لیے وہ انصاری بھی ہیں، مہاجر بھی۔ ان حضرات نے منیٰ میں، عقبہ کے قریب، رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درجِ ذیل امور پر بیعت کی۔ اسے بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔

ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور صرف اسی کی عبادت کریں گے، چوری اور زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے، کسی پر تہمت نہیں لگائیں گے، ہر اچھی بات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔ اگر یہ شرائط پوری کریں تو ان کے لیے جنت ہوگی، ورنہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا چاہے وہ عذاب دے چاہے وہ بخش دے۔ جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصارِ مدینہ کی خواہش پر مُصعَب بن عمیرؓ کو ان کی تعلیم وتربیت کے لیے ان کے ساتھ کر دیا، یہ ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقین اسلام میں سے تھے۔ مدینے پہنچ کر حضرت مصعبؓ نے اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر قیام کیا جو مدینے کے نہایت معزز رئیس تھے۔ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے۔ مسلمانوں کو نماز بھی یہی پڑھاتے تھے۔ ان کی تبلیغ کے نتیجے میں روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔ رفتہ رفتہ مدینے میں گھر گھر اسلام پھیل گیا۔

اُسید بن حضیر اور سعد بن معاذؓ کا اسلام

ایک دن حضرت مصعبؓ، اسعد بن زرارہؓ اور چند مسلمان بیرِ مرق پر جمع ہوئے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اپنے اپنے قبیلوں کے سردار تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر کو کہا کہ یہ دونوں یعنی حضرت مصعبؓ اور اسعد بن زرارہؓ ہمارے گھروں میں آکر ہمارے قبیلوں کے بے وقوف اور کم زور لوگوں کو بہکانے لگے ہیں۔ تم جا کر ان کو منع کر دو کہ آئندہ ہمارے گھروں میں کبھی نہ آئیں۔

اسید بن حضیر تلوار لے کر ان دونوں کے پاس پہنچے۔ جب اسعدؓ نے اسید کو اپنی طرف آتے دیکھا تو حضرت مصعبؓ سے کہنے لگا کہ دیکھو یہ قبیلے کا سردار آرہا ہے، خدا کرے وہ تمہاری بات مان جائے۔ اسید وہاں پہنچ کر ان کو برا بھلا کہنے لگا۔ حضرت مصعبؓ نے کہا کہ آپ ذرا تشریف رکھیے اور میں جو کہوں اسے سنیے، اگر پسند آئے تو قبول کر لیجیے اور اگر ناپسند ہو تو اسے چھوڑ دیجیے۔

اسید یہ کہہ کر کہ تم نے انصاف کی بات کی ہے بیٹھ گیا۔ حضرت مصعبؓ نے اسے اسلام کے بارے میں بتایا اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کی۔ اسید سب کچھ خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر کہنے لگا کہ کیا ہی عمدہ اور کیا ہی اچھا کلام ہے اور اس نے پوچھا کہ اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت مصعبؓ نے کہا کہ پہلے اپنے جسم اور کپڑوں کو پاک کرو پھر کلمۂ شہادت پڑھو اور دو رکعت نماز ادا کرو۔

اسید نے اسی وقت اٹھ کر اپنے کپڑے پاک کیے، غسل کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دو رکعت نماز ادا کی اور کہا کہ ایک اور شخص سعد بن معاذ ہے، اگر وہ مسلمان ہو گیا تو پھر تمہارا کوئی مخالف نہ رہے گا۔ میں ابھی جا کر اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اسید یہ کہہ کر سعد بن معاذ اور اس کی قوم کے پاس چلا گیا، جو اس وقت اسی کے انتظار میں تھے۔ سعد بن معاذ اسید کو دیکھتے ہی اپنی قوم سے بولا کہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اسید کا وہ چہرہ نہیں ہے جو تمہارے پاس سے جاتے وقت تھا۔ جب اسید قریب پہنچا تو سعد نے کہا کہ تو نے کیا کیا؟ اسید نے کہا کہ میں نے دونوں سے بات کی، میں نے ان کی بات میں کوئی حرج نہیں پایا۔ اس پر سعد بن معاذ خود تلوار لے کر اسعد بن زرارہؓ کے پاس پہنچا اور بولا کہ اگر تم سے میری رشتے داری نہ ہوتی تو میں ابھی تلوار

سے تمہارا کام تمام کر دیتا۔ قوم کو بہکانے کے لیے تم ہی ان کو یہاں لے کر آئے ہو۔

حضرت مصعبؓ نے سعد سے کہا کہ تم کچھ دیر بیٹھ کر میری بات سنو، اگر پسند آئے تو قبول کر لینا ورنہ چھوڑ دینا۔ سعد یہ کہہ کر کہ تم نے انصاف کی بات کی ہے بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے اسلام پیش کیا اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ سنتے ہی سعد نے بھی اسلام میں داخل ہونے کا طریقہ دریافت کیا۔ حضرت مصعبؓ نے کہا کہ پہلے اپنا جسم اور کپڑے پاک کرو پھر کلمۂ شہادت پڑھ کر دو رکعت نماز ادا کرو۔ سعد نے اسی وقت اٹھ کر کپڑے پاک کیے، غسل کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دو رکعت نماز ادا کی۔ سعد جب واپس اپنی قوم کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ ہم حلفیہ کہتے ہیں کہ سعد کا وہ چہرہ نہیں جو یہاں سے جاتے وقت تھا۔ سعدؓ نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ سب نے متفقہ طور پر کہا کہ تم ہمارے سردار ہو اور تمہاری رائے اور مشورہ سب سے بہتر ہوتا ہے۔ سعدؓ نے کہا کہ مجھ پر تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا حرام ہے، جب تک تم سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ۔ ان کے کہنے کا یہ اثر ہوا کہ شام تک قبیلہ بنی عبدالاشہل کے تمام مرد و عورت ایمان لے آئے۔

اسی سال یعنی ۱۲ نبوی میں اسعد بن زرارہؓ نے مدینے میں جمعہ قائم کیا، یہ دیکھ کر کہ یہود و نصاریٰ میں ہفتہ وار اجتماع کے لیے ایک خاص دن مقرر ہے، انصار کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو بھی ہفتے میں ایک دن مقرر کرنا چاہیے، انہوں نے اس دن کا نام جمعہ تجویز کیا اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے سب کو نماز پڑھائی۔

دوسری بیعت عقبہ

اگلے سال ۱۳ نبوی میں حضرت مصعب بن عمیرؓ مسلمانوں کے ایک گروہ کو اپنے ہم راہ لے کر حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کے علاوہ اوس و خزرج کے مشرکین بھی قافلے میں شامل تھے۔ جن کی تعداد ۵۰۰ بیان کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ۷۵ تھی (۷۳ مرد، ۲ عورتیں) ان مسلمانوں نے ایامِ تشریق میں آں حضرت ﷺ کے دست مبارک پر اسی گھاٹی میں بیعت کی، جس میں گزشتہ سال انصار کے بارہ آدمیوں نے کی تھی، اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

ان لوگوں نے بیعت کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینے آنے کی دعوت دی، حضرت عباسؓ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، انہوں نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ قریش کے لوگ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جانی دشمن ہیں۔ تم ان سے کوئی عہد یا اقرار کرنے سے پہلے سوچ لینا کہ یہ نازک اور مشکل کام ہے۔ انصار نے جواب دیا: اے عباس! جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا اور سمجھ لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنے لیے اور اللہ کے لیے جو چاہیں ہم سے عہد لے لیں۔ ہم اس کے لیے حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اللہ کا کلام پڑھ کر سنایا اور اسلام پیش کیا اور فرمایا کہ اللہ کی عبادت اور بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، دین کی تبلیغ واشاعت میں میری پوری پوری مدد واعانت کرو اور جب میں اور میرے ساتھی تمہارے شہر میں جائیں تو ہماری حمایت وحفاظت اسی طرح کرو جس طرح اپنی اور اپنے اہل وعیال کی کرتے ہو، اور خوشی ورنج و راحت اور غربت وافلاس، ہر حال میں میری اطاعت کرو اور جو میں کہوں وہ سنو اور اس پر عمل کرو۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ اگر ہم ایسا کریں تو ہمیں اس کا کیا صلہ ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنّت یعنی آخرت کی نعمتیں جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ ابوالہیثم بن تیہان نے عرض کیا کہ ہم میں اور یہود میں کچھ تعلقات قائم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق قائم ہونے کے بعد ان سے ہمارے تعلقات ختم ہو جائیں گے، ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح وکامرانی نصیب فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر مکے واپس چلے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا: ہرگز نہیں۔ میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہوگا تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ جس سے تمہاری جنگ ہے اس سے میری جنگ ہے، جس سے تمہاری صلح ہے اس سے میری بھی صلح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوس اور خزرج میں سے اللہ کے حکم سے ۱۲ نقیب مقرر فرمائے۔

سوالات

۱۔ بیرونِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ دین بیان کیجیے۔

۲۔ مدینہ منورہ میں دعوت پہنچنے کے مراحل بیان کریں۔

۳۔ مدینہ منورہ میں دین اسلام کے فروغ میں حضرت مصعبؓ کا کردار بیان کریں۔

ہجرت مدینہ

مقامِ ہجرت کا تعین اور آغاز

نبوت کی طرح ہجرت کی ابتدا بھی سچے خوابوں سے ہوئی، پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں ہجرت کی جگہ دکھائی گئی، جس میں صرف یہ دکھایا گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت فرمارہے ہیں۔ پھر وحی کے ذریعے مدینہ منورہ کی تعین کردی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحابہ کرامؓ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

چناں چہ سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ تھے، جن کی زوجہ ام سلمہؓ کو اس موقع پر قریش نے ان کے ساتھ ہجرت نہ کرنے دی اور وہ بعد میں مدینے پہنچیں۔ اور اگر حضرت مصعبؓ کو شمار کرلیں تو سب سے پہلے حضرت مُصعب بن عمیرؓ نے ہجرت کی۔ بخاری کی روایت میں ذکر ہے کہ سب سے پہلے مُصعب بن عمیر اور ابن ام مکتومؓ نے ہجرت کی، ان کے بعد حضرت بلال، سعد، عمار بن یاسر، عمر بن الخطاب اور بیس دیگر صحابہ نے ہجرت کی، رضی اللہ عنہم۔ ابن اسحاق و ابن سعد کی روایت میں ہے کہ ابوسلمہؓ کے بعد عامر بن ربیعہ نے اپنی اہلیہ کے ہم راہ ہجرت کی، ان کے بعد عبداللہ بن جحشؓ نے ہجرت کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق ہر شخص نے ہجرت چھپ کر کی سوائے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے، انہوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار لٹکائی، کمان کاندھے پر ڈالی، تیر ہاتھ میں لیا، نیزہ کمر سے باندھا اور کعبہ کی طرف چلے، قریش کے سردار کعبہ کے گرد جمع تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کا طواف کیا، مقامِ ابراہیم پر آئے اور دو رکعت ادا کیں، پھر مشرکین مکہ کے مختلف حلقوں میں ایک ایک کر کے گئے اور ان کو

کہا ''تمہارے چہرے بگڑ جائیں، اللہ تمہاری ناک خاک آلود کرے، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنی ماں کو روتا ہوا چھوڑے، اپنی اولاد کو یتیم کروائے، اپنی بیوی کو بیوہ بنائے وہ اس وادی سے باہر آ کر مجھ سے ملے''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کے اس اعلان کا جواب دینے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، سوائے چند کم زور مسلمانوں کے جنہوں نے ان کے ساتھ شریکِ سفر ہو کر ہجرت کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کرنے والوں کی تعداد اس موقع پر ۲۰ بیان ہوئی ہے۔

ہجرت کے لیے حضرت ابو بکرؓ کا انتظار

صحابۂ کرامؓ ایک ایک کر کے مدینہ منورہ ہجرت کر رہے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس مشہور صحابہؓ میں سے صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ اور چند بے کس و نادار مسلمان، جو کفار کے نرغے میں تھے رہ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی رسول اللہ ﷺ سے اکثر ہجرت کے لیے اجازت طلب کرتے رہتے تھے۔ آں حضرت ﷺ آپؓ سے فرماتے کہ جلدی نہ کرو، شاید اللہ تعالیٰ تمہیں میرا مصاحب بنا دے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اس کی خواہش کرنے لگے۔

مشرکینِ مکہ کی تشویش

مدینۂ منورہ سے آنے والے انصار کے مسلمان ہو جانے کے بعد جب بہت سے صحابۂ کرامؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تو وہاں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور مسلمان قوت پکڑنے لگے، جس کی وجہ سے مشرکین مکہ کو فکر و تشویش لاحق ہوئی اور ان کو یہ خدشہ ہوا کہ اب مدینے میں مسلمانوں کا ایک مرکز قائم ہو گیا ہے اور وہ وہاں ہمارے خلاف ہر طرح کی قوت جمع کر کے ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں، نیز صحابۂ کرامؓ کے چلے جانے کے بعد اس بات کا قوی امکان ہے کہ آپ ﷺ بھی وہاں تشریف لے جائیں، انہوں نے اس اہم معاملے پر مشورے کے لیے دار الندوہ میں ایک خاص مجلس طلب کی۔

اس مجلس میں مشورے کے لیے قریش کے چودہ سردار جمع ہوئے۔ ان میں سے، گیارہ جنگ بدر میں ایک ہی دن میں قتل ہوئے اور باقی تین یعنی ابوسفیان بن الحرب، جبیر بن مطعم

اور حکیم بن حزام قتل ہونے سے بچے اور بالآخر مسلمان ہو گئے۔

مجلس شروع ہوتے ہی ابلیسِ لعین ایک سن رسیدہ نجدی بزرگ کی صورت میں دارالندوہ کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ جب لوگوں نے اس کو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں اہلِ نجد میں سے ایک بزرگ ہوں، چناں چہ اسے بھی مشورے میں شریک کر لیا گیا۔ طویل مشورے کے بعد ابو جہل نے کہا کہ نہ تو ان کو قید کیا جائے اور نہ جلا وطن، بل کہ ہر قبیلے میں سے ایک ایک مضبوط و چالاک جواں مرد منتخب کیا جائے اور ہر ایک کو ایک عمدہ اور تیز کاٹنے والی تلوار دی جائے۔ یہ سب بہادر نوجوان رات کی تاریکی میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر کا محاصرہ کر لیں۔ جب وہ صبح کی نماز کے لیے باہر نکلیں تو سب ایک ساتھ اپنی اپنی تلواروں سے حملہ کر کے (نعوذ باللہ) ان کو قتل کر دیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل میں تمام قبیلے شامل ہو جائیں گے، اس کا بدلہ نہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قبیلہ بنی عبد مناف لے سکے گا اور نہ ان کو سچا ماننے والے فساد برپا کر سکیں گے۔ صرف خون بہا اور دیت کے مال کا مطالبہ رہ جائے گا، وہ سب مل کر ادا کر دیں گے۔ سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا اور طے پایا کہ یہ کام اسی رات کو انجام دیا جائے۔

مجلس برخاست ہوتے ہی جبریل امین، اللہ کی طرف سے وحی لے کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام واقعے سے مطلع کیا اور اللہ کی طرف سے ہجرت مدینہ کی اجازت کا پیغام پہنچایا اور کہا کہ آج رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بستر پر نہ سوئیں۔

مشرکین مکہ آپ کی دشمنی میں پیش پیش ہونے کے باوجود اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے، کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو صادق و امین سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ نے وہ سب امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کر کے فرمایا کہ یہ سب ان کے مالکوں تک پہنچا کر مدینے چلے آنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، ایسے وقت (دوپہر کے وقت) کہ اس سے قبل کبھی ہمارے پاس تشریف نہ لاتے تھے۔ آپ نے اندر داخل ہو کر حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اپنے پاس سے سب کو ہٹا دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ تو آپ ہی کے گھر والے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے، حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا مجھے ہم راہی کی اجازت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا میری ان دونوں سواریوں میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے لیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیمت دے کر۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر ہم بہت جلدی میں ان کے لیے تیاری کرنے لگے، اور ایک تھیلی میں ہم نے ناشتہ بند کیا، اس تھیلی کا منہ حضرت اسماؓ نے اپنے نطاق (کمر بند) سے ایک ٹکڑا کاٹ کر باندھ دیا۔ (اس زمانے میں عورتیں اپنی کمر میں ایک کپڑا باندھا کرتی تھیں اس کو نطاق کہتے تھے) اسی وجہ سے حضرت اسماؓ کو ذات النطاقین (دو کمر بند والی) کہتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات تک حضرت ابو بکرؓ کے گھر میں قیام فرمایا۔

جبلِ ثور کی طرف روانگی

رات گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھر سے روانہ ہونے لگے تو ابو بکرؓ نے اپنا تمام مال ساتھ لے لیا، جو پانچ یا چھ ہزار درہم تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے روانہ ہوئے تو ایک ٹیلے پر سے نظر ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو دیکھا اور فرمایا: خدا کی قسم! تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب۔ اگر میں (یہاں سے) نہ نکالا جاتا تو (میں) نہ نکلتا۔

جب غار کے دھانے تک پہنچ گئے تو ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے میں داخل ہوں گا، تاکہ اگر کوئی ضرر رساں چیز ہو تو مجھ پر حملہ کرے، پھر حضرت ابو بکر نے غار کے سوراخ اپنے کپڑے کو پھاڑ کر اس سے بند کر دیے، ایک سوراخ بچا تو اس میں اپنے پیر پھنسا دیے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اسی دوران اس سوراخ سے جس پر ابو بکرؓ نے پیر رکھا ہوا تھا سانپ نے آکر انہیں ڈس لیا، جس کی تکلیف سے ان کے آنسو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر گرے تو آپ نے پوچھا کہ کیا ہوا، انہوں نے بتایا کہ سانپ نے

ڈس لیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ اپنا لعاب مبارک لگایا، اس سے تکلیف جاتی رہی۔

صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارا کپڑا کہاں گیا؟ انہوں نے قصہ عرض کر دیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ بلند فرمائے اور دعا فرمائی کہ اے اللہ ابو بکرؓ کو جنت میں میرے ساتھ میرے درجے میں رکھنا۔ اللہ نے وحی فرمائی کہ دعا قبول ہو گئی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا کہ قریش ہمیں تلاش کرتے کرتے غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے تو اس وقت میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم غار میں ہیں اور قریش اوپر ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو نیچے ہمیں ضرور دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا: ابو بکر! تمہارا ان دو شخصوں کے بارے میں کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے، یعنی اللہ ان کے ساتھ ہے۔

جبل ثور پر پہنچ کر آپ نے تین دن قیام فرمایا۔ ان دنوں میں عبداللہ بن ابو بکرؓ بھی رات کے وقت ان کے پاس رہتے تھے۔ عبداللہ بن ابو بکرؓ صبح منہ اندھیرے وہاں سے روانہ ہو کر مکے واپس آ جاتے اور قریش کے ساتھ اسی طرح شامل ہو جاتے۔ وہ دن بھر قریش کے ساتھ رہ کر ان کے منصوبے اور خبریں معلوم کرتے اور رات کو غار میں پہنچ کر دن بھر کی خبریں بتا دیتے۔ حضرت ابو بکرؓ کا غلام عامر بن فُہَیرَہ رات گئے اپنی بکریاں جبل ثور پر لے جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ ان کا دودھ نوش فرما لیتے۔ پھر رات کے آخری حصے کی تاریکی میں عامر بن فہیرہ اپنی بکریاں ہنکا کر واپس لے جاتا۔ تین رات تک وہ ایسا ہی کرتا رہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ

اِدھر جب رات کی تاریکی چھا گئی تو قریش کے نوجوانوں نے حسب پروگرام آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ صبح ہوئی تو ان کو پتہ چلا کہ آپ گھر میں موجود نہیں ہیں۔ انہوں نے حضرت علی سے بدتمیزی کی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاتھ نہ آ سکے۔

غارِ ثور سے روانگی

حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق راستے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے قبیلہ بنو الدیل کے ایک شخص عبداللہ بن اُرَیقِط کو راستے کی رہ نمائی کے لیے اجرت پر مقرر کیا

جو بنی عبد بن عدی میں سے تھا اور بڑا واقف کار اور راستوں کا ماہر تھا اور عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا۔ وہ اگرچہ مشرکین کا ہم مذہب تھا، مگر بھروسے کے قابل تھا۔ دونوں حضرات نے اس کو امین بنا کر اپنی سواریاں اس کے حوالے کر دیں اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ تیسری رات کے بعد علی الصبح اونٹنیاں لے کر غار ثور پر ملے۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور عامر بن فہیرہ ساحل کے راستے، مدینۂ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

سُراقہؓ کا واقعہ

عبداللہ ابن اریقط نے درمیانی راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے چلنا شروع کیا تھا، اسی طرح کئی روز مسلسل سفر ہوتا رہا۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رابغ کے موجودہ قلعے اور ساحل کے درمیانی میدان سے گزر رہے تھے تو اس وقت سراقہ نامی ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب کیا، اور قریب پہنچ گیا۔

سراقہ کہتے ہیں کہ میں پیچھا کرتے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ میں نے آپ کی قرأت صاف سن لی، اس وقت آپ کی توجہ میری طرف بالکل نہیں تھی مگر حضرت ابو بکرؓ میری طرف زیادہ متوجہ تھے، اچانک میرے گھوڑے کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، اور میں نیچے گر پڑا، پھر میں نے گھوڑے کو ڈانٹا اور میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا مگر گھوڑا پاؤں باہر نہ نکال سکا، گھوڑے نے قدم باہر نکالنے کی کوشش کی جس سے غبار دھوئیں کی طرح اٹھ کر آسمان کی طرف بلند ہو گیا، میں نے پھر تیروں سے فال نکالی مگر، نتیجہ میرے حق میں برآمد نہ ہوا یعنی میں ان کو نقصان نہ پہنچا سکوں گا۔ پھر میں نے امان کے لیے پکارا تو آپ رک گئے۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے قریب پہنچا تو اسی وقت میرے دل میں خیال آیا کہ جب مجھے ان تک پہنچنے میں یہ مصیبت پیش آئی تو وہ اپنے مقصد میں ضرور غالب آ کر رہیں گے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے آپ کے بارے میں ایک دیت (۱۰۰ اونٹ) انعام مقرر کیا ہے اور میں نے آپ کو وہ سب باتیں بیان کر دیں جو وہ لوگ آپ کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ پھر میں نے آپ کو کچھ زادِ راہ اور سامان کی بھی پیش کش کی، مگر آپ نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی اور نہ مجھ سے کوئی چیز لی، صرف اتنا فرمایا کہ ہماری خبر ظاہر نہ کرنا۔

میں نے کہا کہ مجھے کوئی امن کی تحریر لکھ دیجیے۔ آپ نے عامر بن فہیرہ کو لکھنے کا حکم دیا جوانہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ دی۔ پھر آں حضرت ﷺ آگے روانہ ہو گئے۔

جب سُراقہ واپس جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سراقہ اس وقت تیری کیا شان ہوگی، جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے شاہی کنگن پہنائے جائیں گے۔ اس نے کہا: کسریٰ بن ہرمز کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ سراقہ جعرانہ کے مقام پر مسلمان ہوا۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جب مدائن فتح ہوا اور مُرصّع زیورات حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے پیش ہوئے تو امیر المؤمنین نے سُراقہ کو بلا کر اس کے ہاتھوں میں کسریٰ کے شاہی کنگن پہنائے اور زبان سے فرمایا: اللہ اکبر! اللہ کی بڑی شان ہے کہ کسریٰ کے کنگن سراقہ اعرابی کے ہاتھوں میں پہنائے۔

حضرت زبیرؓ سے ملاقات

حضرت عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہ کاروانِ تجارت کے ساتھ شام سے واپس آتے ہوئے آں حضرت ﷺ کو ملے، انہوں نے آپ کو اور حضرت ابوبکرؓ کو سفید لباس پیش کیا۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت طلحہؓ نے بھی دونوں کو لباس پیش کیا۔

قصہ بریدہ اسلمیؓ

اسی اثنا میں جب کہ رسول اللہ ﷺ قبا پہنچنے والے تھے، سراقہ کی طرح بریدہ اسلمی جو اپنی قوم کا سردار تھا، اپنے ستر آدمیوں کے ساتھ آپ کی تلاش میں نکلا، تا کہ قریش سے سو اونٹ انعام حاصل کر لے۔ جب بریدہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ نے سوال کیا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں بریدہ ہوں۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے ابوبکرؓ ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا۔ پھر آں حضرت ﷺ نے فرمایا تو کس قبیلے سے ہے؟ بریدہ نے جواب دیا کہ میں قبیلہ اسلم سے ہوں۔ آپ نے پھر حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم سلامت رہے۔ پھر فرمایا کہ قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو؟ بریدہ اسلمی نے کہا بنی سہم سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا حصہ نکل آیا، یعنی تجھ کو اسلام سے حصہ ملے گا۔

پھر بریدہ نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں عبداللہ کا بیٹا اور اللہ کا رسول، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ بریدہ حضور کا نام سنتے ہی اسلام لے آئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ستر آدمی جو بریدہ کے ساتھ تھے مسلمان ہوگئے۔ اور اسی روز عشا کی نماز آپ کے پیچھے ادا کی، پھر بریدہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مدینے میں داخل ہوتے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہونا چاہیے، پھر انہوں نے اپنا عمامہ اتار کر نیزے سے باندھ لیا۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو بریدہ جھنڈا لیے ہوئے آپ کے آگے آگے چل رہے تھے۔

دیکھیے! مکے سے اس بے سروسامانی کے عالم میں نکلنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مدینے میں داخل ہونے سے قبل کیا اہتمام فرما دیا گیا، اب پورا ایک لشکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، اور ایک علم بردار آپ کے ساتھ چل رہا ہے۔

قبا میں تشریف آوری

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کی خبر مدینۂ منورہ میں پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ تمام اہلِ شہر ہر روز صبح کو نکل کر شہر کے باہر جمع ہو جاتے اور روزانہ دوپہر تک انتظار کر کے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔ ایک روز یہ لوگ انتظار کر کے واپس جا رہے تھے کہ ایک یہودی نے ایک ٹیلے پر سے آپ کو رونق افروز ہوتے دیکھ کر قرائن سے پہچان لیا اور بے اختیار پکارا: اے اہل عرب! تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آ گیا۔ یہ آواز سنتے ہی لوگ والہانہ آپ کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے اور تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔

مدینۂ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے، ان میں سب سے ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا۔ اس خاندان کا سردار کلثوم بن الہدم تھا۔ قبا پہنچ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلثوم بن الہدم کے مکان پر قیام فرمایا اور حضرت ابو بکرؓ خبیب بن اساف کے مکان پر ٹھہرے۔

یہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ۔ حضرت ابو بکرؓ لوگوں کے سامنے کھڑے ہوگئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش کھڑے رہے۔ انصار میں سے جن لوگوں نے اب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، وہ جوش عقیدت اور شوق دیدار میں حضرت ابو بکرؓ کو سلام

کرنے لگے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دھوپ آ گئی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئے اور اپنی چادر سے آپ پر سایہ کرلیا، اس وقت لوگوں کو پتا چلا کہ ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سے ہیں۔

دوسری جانب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روانہ ہونے کے بعد مکے میں تین دن تک قیام کیا اور آپ کی امانتیں لوگوں تک پہنچائیں۔ پھر مکے سے روانہ ہو کر وہ بھی قبا میں پہنچ کر کلثوم بن الہدم کے مکان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مقیم ہو گئے۔

مسجد قبا کی تعمیر

قبا میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد تعمیر کرائی جو بعثت کے بعد پہلی مسجد ہے۔ جس جگہ مسجد تعمیر ہوئی وہ زمین حضرت کلثومؓ کی ملکیت تھی اور اس میں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ جب مسجد کی تعمیر کا آغاز ہونے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے اہلِ قبا! (بڑے بڑے) پتھر لاؤ، جب کثیر تعداد میں پتھر جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ رخ ایک خط کھینچا اور ایک پتھر اس کی جگہ رکھ دیا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کے برابر میں ایک پتھر رکھ دو۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ابوبکرؓ کے پتھر کے برابر ایک پتھر رکھ دو، پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو کہا کہ عمرؓ کے پتھر کے برابر میں ایک پتھر رکھ دو، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس میں خلافت کی ترتیب کی طرف بھی اشارہ تھا، پھر مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرامؓ کے ہم راہ اس میں شریک رہے۔

اسی مسجد کی شان میں سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

> وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن ہی سے پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے، اس لائق ہے کہ آپ وہاں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی پاک رہنے والے پسند ہیں۔ (التوبہ: ۱۰۸)

مدینے کی طرف روانگی

قبا میں چند روز قیام فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے روز مدینۂ منورہ کا قصد کیا۔ راستے میں بنی سالم کا محلہ پڑتا تھا، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ اور نماز سے پہلے

نہایت فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ مدینے میں یہ آپ ﷺ کا سب سے پہلا خطبہ اور سب سے پہلی نماز جمعہ تھی، جس میں ایک سو اہل مدینہ شریک تھے۔

نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ، اونٹنی پر سوار ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا اور مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ نے اونٹنی کی مہار کو بالکل ڈھیلا چھوڑا ہوا تھا اور اس کو کسی طرف بھی حرکت نہیں دے رہے تھے اور اونٹنی دائیں، بائیں دیکھتی ہوئی چل رہی تھی۔ لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر ملی تو ہر طرف سے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، سب جوش مسرت وعقیدت میں پیش قدمی کے لیے دوڑے۔ انصار کا ایک عظیم الشان گروہ ہتھیار لگائے ہوئے، آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے چل رہا تھا۔ آپ یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے، اسی دن سے شہر کا نام مدینۃ النبی ہو گیا۔

راستے میں انصار کے خاندان آباد تھے، ہر شخص کی تمنا اور آرزو تھی کہ آپ اس کے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، جہاں اللہ کے حکم سے بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا۔ جہاں اب مسجد نبوی ہے، اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا، یہاں پہنچ کر آں حضرت ﷺ کی اونٹنی خود بہ خود رکی، آپ اونٹنی سے اترے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ آپ کو اپنے گھر لے گئے۔ ان کا مکان دو منزلہ تھا، آپ ﷺ نے نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوبؓ دونوں وقت کا کھانا آپ کی خدمت میں پیش کرتے اور جو کچھ کھانا بچ جاتا وہ حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ کھاتے۔

سوالات

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مدینہ کے لیے کیا محفوظ حکمتِ عملی اپنائی؟

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے قبا آمد کا احوال بیان کیجیے۔

۳۔ سراقہ بن مالک کے واقعے سے رسول اللہ ﷺ کی بلند ہمتی کا پتا ملتا ہے۔ اس پر روشنی ڈالیے۔

ہجرت کی اہمیت اور مدینہ منورہ میں قیام

ہجرتِ مدینہ، اسلامی ریاست کی تشکیل، تاسیس اور توسیع و استحکام کے سلسلے میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی جاں سپاسی، سرفروشی، جاں نثاری اور فدائیت کی ان گنت قیمتی داستانیں بھی اسی واقعے سے مربوط ہیں، اس سے وابستہ واقعات اور اس کی متنوع حیثیت سے اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے، ہجرتِ مدینہ کی صرف سیاسی اہمیت نہیں معاشی، معاشرتی، سفارتی اور عمرانی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت مسلم ہے، ذیل میں اس کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے ہجرت اور مکے سے مسلمانوں کی مدینہ منورہ منتقلی کا اگرچہ ظاہری سبب قریش مکہ کی ایذا رسانیاں تھیں، مگر درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ دین اسلام کی شوکت و عظمت کے اظہار اور اس کی کرنوں سے تمام عالم کو منور کرنے کے لیے جو وقت مقرر کیا تھا اس کا نکتۂ آغاز یہی ہجرتِ مدینہ تھی، ہجرتِ مدینہ ہی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلام ایک عملی دین اور مکمل نظامِ حیات کا حامل ہے اور اس کی تعلیمات نہ صرف قابلِ عمل ہیں، بل کہ وہ عملی طور پر بھی اسی قدر جاذبیت اور کشش رکھتی ہیں جس قدر وہ صفحۂ قرطاس پر خوش نما نظر آتی ہیں، جب کہ اس سے قبل مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو یہ سہولت حاصل نہیں تھی کہ وہ اپنے دعووں کو یا قرآنی نظام کو عملی صورت میں پیش کر سکتے۔ عرب قبائل کی اسلام کی جانب رغبت اور ان کے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے کا اصل سبب یہی تھا کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری و ہمہ جہتی اور اس کے فوائد و ثمرات کا عملی طور پر مشاہدہ کیا اور انہیں اس کے قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ نظر نہ آئی، پھر اسلام کے آفاقی پیغام کی راہ میں ایک رکاوٹ مشرکین مکہ سے مخالفت کی صورت میں جو سامنے آئی تھی اس کا سدباب صلح حدیبیہ

کے تاریخ ساز واقعے سے ہوگیا، یہ صلح بھی درحقیقت ہجرتِ مدینہ کا ثمرہ قرار دی جاسکتی ہے، کیوں کہ مکے میں رہتے ہوئے مشرکین مکہ سے برابر کی سطح پر بات کرنا ممکن نہیں تھا، یہ اسی صورت میں ممکن ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو ایک ریاست اور حکومت کی شکل میں منظم کرلیا تھا اور وہ اپنی قوت کا مظاہرہ کر چکے تھے۔

مدینے میں مسلمانوں کو ایک نئے نظام کی تشکیل و تاسیس میں اس لیے بھی مدد ملی کہ وہاں اسلام لانے والے قبائل پہلے ہی سے بالادست حیثیت کے حامل تھے اور ریاستِ مدینہ کی زمامِ کار ابتدا ہی سے ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو وہ تمام سہولتیں حاصل ہوگئیں جن کا وجود ایک نئے نظام کو نافذ کرنے اور ایک نئے معاشرے کی اٹھان کے لیے ضروری تھا۔

سیاسی اعتبار سے ہجرتِ مدینہ کا اہم فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو اقوام عرب اور پھر اقوامِ عالم تک اپنا پیغام اور خدائی احکام پہنچانے کا موقع ملا، جب کہ اس سے قبل قریش اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ چناں چہ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں تک دعوتِ اسلام پہنچانے کے لیے کئی ذرائع اور راستے اختیار فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلاطین اور حکم رانوں کے پاس اپنے سفیر روانہ فرمائے اور انہیں خطوط تحریر کیے، جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں نتائج وعواقب کی ذمے داری ان ہی پر ڈالی گئی تھی، ان حکم رانوں میں اس وقت کی دو بڑی قوتوں روم اور فارس کے فرماں روا بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبائلی سرداروں کے پاس اپنے نمائندے روانہ کیے، اسی سفارتی کوشش کے نتیجے میں بہت سے قبائل سے معاہدے طے پائے اور وفود کی مدینہ منورہ آمد کا سلسلہ شروع ہوا، جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ مدینہ منورہ کی اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کو قریب و دور کے تمام قبائل نے تسلیم کرلیا اور اس کی بالادست حیثیت قبول کرلی، بل کہ دوسری بڑی بڑی قوتوں اور سلطنتوں نے بھی برابر کی سطح پر اس سے معاملات کرنے شروع کیے، یہ بہت بڑی سیاسی وسفارتی کامیابی تھی۔

مدینے کی معاشرت

حجاز اور تہامہ مغربی عرب کے دو بڑے اہم صوبے ہیں، جو عموماً پہاڑی اور ریگستانی

علاقے پر مشتمل ہیں۔ ان میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے نخلستان ہیں۔ ان ہی میں نسبتاً ایک بڑے نخلستان کو مدینۃ النبی اور دارالہجرت ہونے کا لازوال شرف حاصل ہوا۔ قدیم مدینہ منورہ کی لمبائی تقریباً بارہ سے چودہ میل اور چوڑائی ۸ سے دس میل ہے۔ یہ بیس بائیس چھوٹی چھوٹی بستیوں پر مشتمل تھا۔ ہر بستی میں چھوٹے چھوٹے قلعے یا گڑھیاں تھیں جن کی تعداد ۵۵ سے ۷۵ کے لگ بھگ تھی۔ قلعے کے باہر کی زمین عموماً باغوں اور کھیتوں پر مشتمل ہوتی تھی اور اہل قلعہ کی ملکیت ہوتی تھی۔ یہ سب قلعے یا بستیاں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ ان ہی میں ایک بستی کا نام یثرب تھا جو نسبتاً بڑی تھی۔ عرب کے پورے معاشرے کی طرح مدینے کا معاشرہ بھی قبائلی تھا۔ یہ سب قبائل اس طرح مل جل کر رہتے تھے کہ ان میں آپس میں شادیاں بھی ہوتی تھیں، باہمی تعلقات، لین دین اور تجارتی روابط بھی ہوتے تھے۔

مدینے کی معیشت

پورے جزیرۂ عرب میں مدینہ منورہ اس اعتبار سے نمایاں تھا کہ وہاں زراعت اور تجارت دونوں کے مراکز تھے۔ اس کے برعکس طائف میں زیادہ تر زراعت ہوتی تھی، تجارت برائے نام تھی۔ مکے میں صرف تجارت ہوتی تھی زراعت نہیں تھی۔ مدینے میں بہت سے باغات اور زرعی زمینیں تھیں، جن میں کھجور اور انگور کے علاوہ دوسری چیزیں بھی کثرت سے پیدا ہوتی تھیں، مثلاً جو، انجیر، انار، کیلا وغیرہ۔ اگرچہ گندم بھی پیدا ہوتی تھی مگر اس کی مقدار بہت کم تھی، اسی لیے عام طور پر لوگوں کی غذا جو اور کھجور ہوتی تھی۔

بنو نضیر کے لوگ قبا کے قریب آباد تھے۔ یہ چند ہزار تھے اور مدینے کی زراعت کے بڑے حصے پر قابض تھے۔ مال دار ہونے کی بنا پر یہ لوگ ضرورت مندوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے۔ مرکب سود کی وجہ سے مقروض پھنس جاتا تھا اور قرض دینے والا اس کی زمین رہن رکھ لیتا تھا۔ اگر مقروض قرض ادا نہ کر پاتا تو قرض دینے والا اپنے قرض کے عوض اس کی زمین ہتھیا لیتا تھا۔ اس طرح انہوں نے عربوں اور انصار کی بہت سی زمینیں ہتھیا رکھی تھیں۔

علمائے یہود

مدینے کی سب سے اہم قوت علمائے یہود تھے، کیوں کہ وہ پڑھے لکھے تھے، اور اچھی

طرح جانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بشارت دی تھی وہ عن قریب مبعوث ہونے والا ہے، اس لیے وہ آپ کی بعثت کے منتظر تھے۔ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ پہنچے تو یہودی علما خاص طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے امتحان کے طور پر کچھ سوالات کیے، جن لوگوں کی قسمت میں سعادت لکھی تھی وہ دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی سابقہ انبیا نے بشارت دی ہے، اور بلا توقف ایمان لے آئے اور جن کی قسمت میں محرومی تھی وہ محروم رہے۔ عروہ بن زبیرؓ کی روایت کے مطابق یہودی علما میں سب سے پہلے حی بن اخطب کا بھائی یاسر بن اخطب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کا کلام سنا۔ واپس جا کر اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میرا کہا مانو، بلا شبہ یہ وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے۔ لہٰذا ان پر ایمان لاؤ، مگر اس کے بھائی حیی بن اخطب نے اس کی مخالفت کی وہ قوم کا سردار تھا۔

حضرت صفوان بن عسال فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ اس نے کہا کہ نبی نہ کہو، اگر انہوں نے تیری بات سن لی تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ پھر یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کو جو آیات بینات دی گئی تھیں وہ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرو، جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ کسی بے گناہ کو (قتل یا بغاوت وغیرہ کی تہمت لگا کر) قتل کرانے کے لیے حاکم کے پاس نہ لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ، میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو، اور اے یہود! تمہارے لیے خاص طور پر یہ حکم بھی ہے کہ تم ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو، یعنی ہفتے کے روز کے لیے جو احکام تمہیں دیے گئے ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کرو۔

یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اتباع کرنے سے تمہیں کیا چیز روکتی ہے؟ کہنے لگے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ اللہ ہر

پیغمبر کو ان ہی کی نسل سے مبعوث فرمائے۔ اب اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے تو ہمیں ڈر ہے کہ یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔

ایک روز ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت آ پہنچا جب آپ سورۂ یوسف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے پوچھا: اے محمد (ﷺ)! آپ کو یہ سورت کس نے تعلیم دی؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اس یہودی عالم کو بہت تعجب ہوا اور اس نے فوراً یہودیوں کے پاس واپس جا کر کہا محمد (ﷺ) جو قرآن پڑھتے ہیں وہ تورات ہی کی طرح ہے۔ پھر وہ عالم یہودیوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے آپ کے چہرے سے پہچان لیا، پھر آپ کی چادر ڈھلک جانے سے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی خبر توریت میں دی گئی ہے۔ پھر انہوں نے سورۂ یوسف کو غور سے سنا اور سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ سب اسی وقت اسلام لے آئے۔

اسلام عبداللہ بن سَلام رضی اللہ عنہ

مدینے کے یہودی علما میں اسلام لانے والوں میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سب سے نمایاں ہیں، وہ حضور ﷺ سے پہلی ملاقات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ جلدی سے آپ ﷺ کی جانب دوڑے، ان میں، میں بھی شامل تھا، جب آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک ظاہر ہوا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا، میں نے آپ سے سب سے پہلے جو کلام سنا وہ یہ تھا، آپ فرما رہے تھے:

> سلام پھیلاؤ کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، جب لوگ سو رہے ہوں اس وقت نماز (تہجد) پڑھا کرو تو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی صفت، نام اور زمانہ پہلے سے جانتا تھا، مگر کسی پر ظاہر نہیں کرتا تھا۔ جب آپ نے قبا میں بنی عمرو بن عوف میں قیام فرمایا تو ایک آدمی نے آپ کی آمد کی خبر دی۔ اس وقت میں اپنے کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کام کر رہا تھا اور میری پھوپھی خالدہ بنت حارث درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سنی تو

وہیں سے خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ میری پھوپھی نے تکبیر سن کر مجھ سے کہا: خدا کی قسم! اگر تو موسیٰ علیہ السلام بن عمران کی آمد کی خبر سنتا تو اس سے زیادہ خوش نہ ہوتا۔ عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں میں نے اپنی پھوپھی سے کہا خدا کی قسم! یہ بھی موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں اور وہی دین دے کر بھیجے گئے ہیں، جو حضرت موسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔ پھر میری پھوپھی نے پوچھا: اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ہمیں خبر دی گئی ہے کہ وہ قیامت کی سانس کے ساتھ مبعوث ہوں گے؟ میں نے اپنی پھوپھی کو جواب دیا ہاں! یہ وہی نبی ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ پھر اپنے گھر والوں کے پاس جا کر ان کو دعوتِ اسلام دی، چناں چہ سب نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اسلام کو یہود سے چھپائے رکھا، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! یہود بہت بہتان باندھنے والی قوم ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے گھر کے کسی حصے میں چھپا دیں اور ان پر میرا اسلام ظاہر ہونے سے پہلے ان کو بلا کر میرے بارے میں دریافت فرمائیں کہ میں ان میں کیسا ہوں! چناں چہ آپ نے عبداللہ بن سلامؓ کو اپنے مکان کے ایک حصے میں چھپا دیا۔ یہود نے آ کر آپ سے سوالات کیے، پھر آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم میں حصین بن سلام کیسا آدمی ہے (ان کا پرانا نام)، انہوں نے کہا کہ وہ ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے اور ہمارا سب سے بڑا عالم ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں جب یہود اپنی بات ختم کر چکے تو میں نکل کر ان کے سامنے آ گیا اور ان سے کہا کہ اے قوم یہود! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو قبول کرو۔ خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، ان کا نام اور صفت تورات میں لکھی ہوئی ہے، جو تمہارے پاس ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کی معرفت رکھتا ہوں۔ یہ سن کر یہود نے کہا کہ تو جھوٹا ہے، اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا میں نے آپ کو نہیں بتا دیا تھا کہ یہ بہت بہتان باندھنے والی، بے وفا، جھوٹی اور حق سے منہ پھیرنے والی قوم ہے۔ پھر انہوں نے اپنا اور اپنے اہل خانہ کا اسلام ظاہر کر دیا۔

اسلامِ میمون بن یامین

اسی طرح میمون بن یامین بھی یہود کے رؤسا میں سے تھے، آں حضرت ﷺ کو دیکھ کر مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے حالات بھی حضرت عبداللہ بن سلام جیسے ہی ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ یہود کو بلا کر مجھے حکم بنا دیجیے، وہ لوگ میری طرف رجوع کریں گے۔ آپ نے یہود کو بلانے کے لیے آدمی بھیج دیا اور حضرت میمون کو اپنے مکان کے ایک حصے میں چھپا دیا، پھر وہ لوگ آئے اور آپ سے گفت گو کی۔ آپ نے فرمایا: تم اپنے لوگوں میں سے کسی کو میرے اور اپنے مابین حکم مقرر کرلو۔ یہود نے کہا: میمون بن یامین جو فیصلہ کردے ہمیں منظور ہے۔ آپ نے میمون کو آواز دی، وہ باہر آئے اور کہا: اشهد ان محمداً رسول الله، مگر یہود نے تصدیق کرنے سے انکار کردیا۔

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر

مدینۂ منورہ میں قیام کے بعد آپ نے سب سے پہلے مسجدِ نبوی کی تعمیر فرمائی۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب بنونجار کی کچھ زمین تھی، جس میں کچھ قبریں اور کچھ کھجور کے درخت تھے۔ یہ زمین دو یتیم لڑکوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی، جو اپنے چچا کے زیر تربیت تھے۔ آپ ﷺ نے دونوں یتیم لڑکوں کو بلا کر ان کے چچا کے ذریعے خرید و فروخت کی گفت گو فرمائی۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم یہ زمین بلا کسی معاوضے کے آپ کی نذر کرتے ہیں۔ آپ نے قبول نہیں فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے قیمت دے کر زمین خرید لی۔ تعمیر شروع ہوئی تو صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپ ﷺ بھی بہ نفسِ نفیس کام میں شریک رہے۔

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور سادگی میں بے مثل تھی۔ اس کی دیواریں کچی اینٹوں سے اور ستون کھجور کے تنوں سے بنائے گئے تھے اور کھجور ہی کے پتوں اور شاخوں سے چھت بنائی گئی تھی۔ بارش کے سبب پانی اندر ٹپکتا تھا۔ اس کے تدارک کے لیے چھت کو گارے سے لیپ دیا گیا تھا، اور کچے فرش پر کنکریاں بچھا دی گئیں۔ مسجد میں تین دروازے بنائے گئے، ایک دروازہ اس طرف بنایا گیا جس طرف قبلے کی دیوار ہے، اور دوسرا دروازہ مغرب کی جانب، جسے اب باب الرحمت کہتے ہیں اور تیسرا دروازہ وہ تھا جس سے آپ ﷺ آتے

جاتے تھے۔اسے اب باب جبرائیلؑ کہتے ہیں۔دراصل مسجد کی تعمیر دومرتبہ ہوئی، پہلی تعمیر اس وقت ہوئی جب آپ ﷺ نے ہجرت فرما کر حضرت ابوایوب انصاری کے مکان پر قیام فرمایا۔دوسری تعمیر فتح خیبر کے بعد سن ۷ ہجری میں ہوئی۔ پہلی تعمیر میں مسجد کی لمبائی چوڑائی سو گز سے کم تھی اور دوسری تعمیر میں سو گز سے کچھ زیادہ تھی۔

مسجد کی تعمیر کے بعد اس سے متصل ہی آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات کے لیے حجرے تعمیر کرائے، اس وقت حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما عقدِ نکاح میں آچکی تھیں۔اس لیے دو ہی حجرے تعمیر کرائے۔باقی حجرے بعد میں ضرورت کے مطابق تعمیر ہوتے رہے۔مسجد سے متصل حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکانات تھے۔جب آپ کو ضرورت پیش آتی تو وہ اپنے مکان آپ کو نذر کردیتے تھے۔اکثر حجرے کھجور کی شاخوں اور کچی اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔کمروں کی لمبائی دس ہاتھ، چوڑائی ۶ ہاتھ اور اونچائی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوکر چھت کو چھولے، تمام حجرے مشرق اور شام کی جانب واقع تھے۔دروازوں پر کمبل اور ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے۔اور راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔یہ حجرے رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے تک اسی حالت میں موجود رہے۔

اسلام میں سب سے پہلا وقف

بنی نضیر کے یہود میں ایک شخص کا نام مخیریق تھا۔اس نے خفیہ طور پر اسلام قبول کرلیا تھا۔ وہ بنونضیر کے یہودیوں میں سب سے زیادہ دولت مند آدمی تھا۔انتقال سے پہلے جب وہ بیمار تھے تو آپ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔انہوں نے اپنی بہت سی زمینیں اور باغات آپ کو دینے کی وصیت کی تھی۔آپ ﷺ نے وہ سارے باغات اور زمین لے کر اپنی طرف سے وقف کردی جس سے اسلامی ریاست کے ضروری اخراجات ادا ہوتے تھے، غریبوں، ناداروں اور اصحاب صفہ کی ضروریات بھی اسی سے پوری ہوتی تھیں۔اسلام میں یہ پہلا وقف تھا جو آپ نے قائم فرمایا۔دوسرا وقف حضرت عمر نے فرمایا جو اس آمدنی کی بنیاد پر تھا جو ان کو خیبر کی فتح کے نتیجے میں مال غنیمت سے ملنے والی زمین سے حاصل ہوتی تھی۔یہ آمدنی یتیموں اور بیواؤں اور مسافروں پر خرچ ہوتی تھی۔اس کے بعد متعدد اوقاف قائم ہوئے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ مدینے کی تجارت پر یہود کا قبضہ تھا۔ اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ ان کے مقروض تھے۔ مہاجرین کے آنے سے صورت حال میں تبدیلی آئی، کیوں کہ مہاجرین تجارت کے بڑے ماہر تھے اور ان میں بڑے نامی گرامی تاجر تھے۔ مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام۔ ان حضرات نے جب یہاں تجارت شروع کی تو اس سے بازار پر یہودیوں کا زور اور اثر ورسوخ کم ہوتا چلا گیا۔

اس کے باوجود یہود چھوٹے تاجروں اور خاص طور پر اپنے مسلمان خریداروں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ ان کا سد باب کرنے کے لیے آپ ﷺ نے مسجد نبوی کے قریب مسلمانوں کے لیے ایک متبادل بازار قائم فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ تمہارا اپنا بازار ہے، یہاں تم سے کوئی ظالمانہ ٹیکس نہیں لے گا۔ جو شخص ہمارے اس بازار میں مال لاکر بیچے گا وہ اسی اجر کا مستحق ہوگا جس کا جہاد کرنے والا مستحق ہوتا ہے اور جو شخص ہمارے اس بازار میں ذخیرہ اندوزی کرے گا تو اس کو اتنا ہی مجرم سمجھا جائے گا جتنا کتاب اللہ میں الحاد کرنے والا، کتاب اللہ کے معانی میں تبدیلی کرنے والا یا کتاب اللہ کے معانی کو غلط بیان کرنے والا۔

بارٹر سسٹم

اس زمانے میں بہت سے دوسرے علاقوں کی طرح مدینے میں بھی بارٹر کا کاروبار ہوتا تھا۔ لوگ ایک چیز دے کر دوسری چیز لیا کرتے تھے۔ یہودیوں نے اس کو بھی اپنی بالادستی اور معاشی کنٹرول کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ چوں کہ صنعت وتجارت اور زراعت یہودیوں کے قبضے میں تھی، اس لیے فصل کٹنے سے بہت پہلے جب وہ کسی کو کوئی چیز دیتے تو کہتے کہ یہ اچھی چیز ہے اور جب فصل تیار ہونے پر اس کا بدل وصول کرنے آتے تو کہتے کہ تمہاری پیداوار گھٹیا ہے اس لیے تمہیں زیادہ دینا پڑے گا۔ اس طرح وہ اپنی چیز کو اعلیٰ اور دوسرے کی چیز کو گھٹیا قرار دے کر زیادہ وصول کرتے مثلاً ایک کلو کے بدلے دو کلو لے لیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ربا کے احکام کے تحت کاروبار کی بہت سی شکلوں کو ناجائز قرار دیا تو بارٹر کی اس شکل کو بھی ناجائز قرار دیا۔ اس کو ربا الفضل کہتے ہیں۔ اس سے ایک تو بارٹر کے کاروبار میں خود بہ خود کمی آئی اور زراعت کو فروغ ہوا، دوسرے یہود کے استحصال کا ایک بڑا طریقہ ختم ہوگیا اور

مسلمان تاجر نقصان سے محفوظ ہو گئے۔

مواخاة

جب مسلمان، مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے، بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے، تو ان میں کچھ لوگ خوش حال اور صاحب ثروت بھی تھے، مگر کافروں سے چھپ کر نکلنے کی بنا پر اپنے ساتھ کچھ نہیں لا سکے تھے، اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین میں بھائی بندی کا رشتہ قائم کر دیا جائے، تا کہ وطن اور اہل و عیال کی جدائی کا دکھ و پریشانی انصار کی الفت و محبت سے بدل جائے اور انصار و مہاجرین ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے مددگار اور مصیبت میں ایک دوسرے کے غم گسار ہوں۔ ضعیف و کم زور کو قوی اور طاقت ور کی قوت حاصل ہو۔ چناں چہ یہ مواخات ہجرت کے پانچ ماہ بعد ۴۵ مہاجرین اور ۴۵ انصار کے مابین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہوئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا ''یہ تمہارے بھائی ہیں'' پھر مہاجرین و انصار میں سے ایک ایک کو بلاتے اور فرماتے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔

مواخات کے بعد انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز میں سے اپنے بھائی کو آدھا آدھا حصہ دے دیا۔ زمین، مال اور جائیداد ہر چیز آدھی آدھی کر دی، یہاں تک کہ جس انصاری کے دو بیویاں تھیں، اس نے اپنے مہاجر بھائی سے کہہ دیا کہ تم جس کو پسند کرو میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں، طلاق کے بعد تم اس سے نکاح کر لو۔ اگرچہ کسی مہاجر نے یہ پیش کش قبول نہیں کی۔ یہ مواخات انسانی تاریخ کا غیر معمولی واقعہ ہے، جس کی دوسری مثال موجود نہیں۔

سوالات

۱۔ ہجرتِ مدینہ کی اہمیت بیان کیجیے۔
۲۔ مواخاتِ مدینہ کی اہمیت اور فوائد بیان کیجیے۔
۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مسجدِ نبوی کا معاشرتی کردار بیان کیجیے۔

ابتدائی مدنی زندگی

مدینہ منورہ میں آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوری طور پر بہت سے اقدامات کیے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی بہت سے احکامات نازل ہوئے۔ یہاں مسلمانوں کا کئی ایک طبقات سے واسطہ پڑا۔ ان صفحات میں ان تمام حالات کا ذکر مقصود ہے۔

انصار

انصار مدینے کے وہ صحابہ کرام ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں خوش آمدید کہا، اور جو آپ کے مدینے میں آنے کا سبب بنے۔ ان کا تعلق اوس اور خزرج نامی قبائل سے تھا، اور ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ان کی خدمات کی وجہ سے ان کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اشاعتِ اسلام میں انصار کی سرگرمی اور مہاجرین کے ساتھ انہوں نے جس ایثار و خلوص کا مظاہرہ کیا، تاریخِ عالم اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی، اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان سے خاص لگاؤ اور محبت تھی، جس کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد بار فرمایا۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر انصار کسی وادی یا شعب سے گزریں تو میں بھی انصار کی وادی سے گزروں گا، اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں ضرور انصار میں سے ہوتا۔

اسی طرح حضرت براء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انصار سے صرف مومن ہی محبت کرتا ہے، اور منافق کے سوا ان سے کوئی بغض نہیں رکھتا۔ سو جس نے ان سے محبت کی، اللہ نے اس سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اللہ نے اس سے بغض رکھا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے، اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے۔

منافقینِ مدینہ

کفارِ مکہ کھلے اور سخت دشمن تھے، ان میں سے جو شخص حمایت کا وعدہ کر لیتا تھا، تو اس کے وعدے پر بھروسہ کیا جاتا تھا، کیوں کہ وہ لوگ معاہدے کی پوری پابندی کرتے تھے، مگر مدینے میں یہودیوں کی بڑی جماعت تھی۔ ان کے وعدوں اور معاہدوں کا اعتبار نہ تھا، کیوں کہ وہ موقع پاتے ہی معاہدہ ختم کر دیتے تھے۔ یہاں ایک جماعت منافقوں کی بھی پیدا ہوگئی تھی یعنی وہ لوگ بہ ظاہر ایمان لے آئے تھے، مگر در پردہ وہ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ وہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے تو اسلام سے پوری محبت ظاہر کرتے اور جب مسلمانوں سے علیحدہ ہوتے اور کفار کی مجلس میں بیٹھتے تو اسلام کا مذاق اڑاتے، شرارتیں، اور سازشیں کرتے۔ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ توبہ اور سورۂ منافقون میں ان منافقین کے حالات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ یہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے، لوگوں کو اسلام کی بعض تعلیمات کا غلط مطلب سمجھاتے۔ گزشتہ انبیا کی تعلیمات میں خلط ملط کر کے مسلمانوں کو گم راہ کرنے کی کوشش کرتے۔ غرض فریب، دھوکہ دہی اور عہد شکنی ان کی عادت تھی۔ یہ سب برائیاں یہودیوں میں بہت زیادہ تھیں، ان ہی کی صحبت سے مدینے کے بت پرست قبائل کے کچھ لوگوں میں بھی یہ باتیں پیدا ہوگئیں تھیں۔ یوں منافقین کا طبقہ ہجرت کے بعد پیدا ہوا۔

اذان کی ابتدا

اذان اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، جیسا کہ نماز میں رکوع، جماعت اور تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز کی ابتدا کرنا یہ سب اس امت کی خصوصیات ہیں۔ اذان اور اقامت کا آغاز ہجرت کے پہلے سال ہوا۔ فرضیتِ نماز سے ہجرتِ مدینہ تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذان کے بغیر نماز پڑھتے تھے۔ جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کہ لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟ کسی نے کہا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے جس کو دیکھ کر مسلمان ایک دوسرے کو مطلع کر دیں۔ پھر یہ رائے پیش ہوئی کہ یہود کی طرح بوق سینگ یا بگل استعمال کیا جائے، جس کی آواز سے یہود نماز کی اطلاع دیا کرتے تھے۔ پھر ناقوس کا ذکر ہوا، جسے نصاریٰ اپنی نماز کی اطلاع دینے کے لیے استعمال کرتے تھے،

پھر کہا گیا کہ آگ جلادی جایا کرے، جس کو دیکھ کر لوگ اکٹھے ہو جائیں۔ مگر یہ سب دوسری اقوام کے طریقے تھے، اس لیے پسند نہیں کیے گئے۔ آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی شخص کیوں نہ مقرر کردیا جائے جو نماز کے لیے بلند آواز سے پکار دیا کرے، چناں چہ یہ تجویز منظور ہوئی۔ (اور عارضی طور پر) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ بہ وقتِ نماز الصلاۃ جامعۃ کی صدا بلند کردیا کریں۔

اس واقعے کے بعد حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں خواب کی حالت میں تھا کہ ایک شخص آیا جس نے دو سبز چادریں اوڑھی ہوئی تھیں، اور ہاتھوں میں ناقوس لیا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے کہا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم اس کے ذریعے لوگوں کو نماز کے لیے بلائیں گے۔ اس نے کہا کہ اس کام کے لیے میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس سے بہتر ہو؟ میں نے کہا کیوں نہیں، چناں چہ اس نے کہا:

الله اکبر، الله اکبر، الله اکبر، الله اکبر، اشهد ان لا اله الا الله، اشهدا ن لا اله الا الله، اشهد ان محمدارسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله، حی علی الصلاة، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، الله اکبر، الله اکبر، لا اله الا الله

پھر وہ مجھ سے تھوڑا سا پیچھے ہٹا اور کہنے لگا کہ اور جب جماعت کھڑی ہو جائے تو کہو:

الله اکبر، الله اکبر، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة، الله اکبر، الله اکبر، لا اله الا الله

خواب دیکھنے کے بعد عبداللہ بن زیدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مسجد نبوی میں آ کر اطلاع دی۔ آپ نے خواب سن کر فرمایا کہ یہ خواب ان شاء اللہ حق ہے اور فرمایا کہ یہ اذان بلال رضی اللہ عنہ کو سکھا دو، ان کی آواز بلند ہے۔ چناں چہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے چادر گھسیٹتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے،

جیسے عبداللہ نے دیکھا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سمیت ۱۴ دیگر صحابہؓ نے بھی خواب میں اذان کا مشاہدہ کیا تھا۔

میثاقِ مدینہ

جب آں حضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت تھی، تمام عرب اس چھوٹی سی جماعت کا دشمن تھا۔ مدینہ منورہ کی آبادی میں اکثریت اوس وخزرج کے قبیلوں کی تھی۔ یہودی بھی بڑی تعداد میں مدینے کے اطراف میں مضبوط برج اور قلعے بنا کر رہتے تھے۔ ان کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ بہت بڑے اور مشہور تھے۔ یہ لوگ اہلِ کتاب اور علمی اعتبار سے ممتاز تھے۔ یہاں ان کے مدرسے اور علمی مراکز قائم تھے۔ یہ لوگ اپنی آسمانی کتاب کے ذریعے نبی آخرالزماں ﷺ کے احوال واوصاف سے بہ خوبی واقف تھے، مگر اپنے طبعی حسد وعناد کی بنا پر نہ صرف یہ کہ خود ایمان نہیں لائے، بل کہ قریش کو بھی آپ کے خلاف بھڑکاتے اور اکساتے تھے، تاہم ان کے بیش تر سلیم الفطرت علما آپ پر ایمان لائے اور اپنی کتابوں کے حوالے سے آپ کے بارے میں پیشن گوئیوں اور نشانیوں کو لوگوں پر ظاہر کیا۔ ہجرت کے پانچ ماہ بعد آپ ﷺ نے ان یہودیوں کے فتنے وفساد کے انسداد کے لیے ایک تحریری معاہدہ کیا۔ جس میں لوگوں کے حقوق وفرائض پوری تفصیل سے بیان کیے گئے۔ اس کو دستورِ نبوی، میثاق مدینہ یا صحیفہ کہتے ہیں۔

اصحابِ صُفّہ

لغت میں صفہ سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں۔ مسجد نبوی کے قیام کے ساتھ ہی ایک چبوترا بھی بنایا گیا، یہ ان حضرات کے لیے تھا جنہوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آں حضرت ﷺ کی محبت کے لیے وقف کر دی تھی اور جن کا کوئی ٹھکانہ اور گھر بار نہ تھا۔ یہ جگہ صفہ کے نام سے مشہور تھی، اور یہ لوگ اصحابِ صفہ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

یہ لوگ دن رات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے، ان کو نہ تجارت سے کوئی مطلب تھا، اور نہ زراعت سے کوئی سروکار تھا اور نہ ان کے بال بچے تھے۔ ان میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تو وہ اس حلقے سے نکل جاتا۔ ان لوگوں کو کبھی دو دو دن تک کھانا نہیں ملتا تھا۔

جب آپ ﷺ مسجد میں نماز کے لیے تشریف لاتے تو یہ لوگ بھی نماز میں شریک ہوجاتے۔ باہر کے لوگ ان کو دیکھ کر دیوانہ سمجھتے تھے۔ دعوتِ اسلام کے لیے ان ہی لوگوں کو بھیجا جاتا تھا۔ واقعۂ معونہ میں ان ہی میں سے ستر آدمی اسلام کی تعلیم دینے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے، جو خود اصحابِ صفہ میں سے ہیں، روایت ہے کہ میں نے ستر ایسے اصحابِ صفہ کو دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا آدمی نہ تھا جس کے پاس چادر ہو۔ صرف ایک ایک تہ بند یا ایک ایک کمبل تھا، جس کو انہوںؓ نے اپنی گردنوں میں باندھا ہوا تھا۔ یہ کمبل بھی اتنے چھوٹے تھے کہ کسی کے آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا اور کسی کے ٹخنوں تک اور وہ ہاتھ سے ان کو پکڑ کر رکھتے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں اکثر بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ کو زمین پر لگا دیتا اور اکثر بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک روز میں اس راستے پر بیٹھ گیا، جہاں سے لوگ نکلا کرتے تھے۔ اتنے میں وہاں سے حضرت ابوبکرؓ گزرے۔ میں نے ان سے قرآن کریم کی ایک آیت کا مطلب پوچھا، میرا مقصد یہ تھا کہ وہ میری حالت کو دیکھ کر مجھے کھانا کھلانے کے لیے ساتھ لے جائیں، مگر وہ چلے گئے، اور انہوں نے وہ نہیں کیا جو میں چاہتا تھا۔ پھر میرے پاس سے حضرت عمرؓ گزرے، میں نے ان سے بھی قرآن کریم کی ایک آیت کا مطلب پوچھا، اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ وہ میری حالت کو دیکھ کر مجھے کھانا کھلانے کے لیے اپنے ساتھ لے جائیں، مگر وہ بھی چلے گئے، انہوں نے بھی میری غرض کو نہیں سمجھا۔

پھر میرے پاس سے ابو القاسم ﷺ گزرے، پس آپ مسکرائے اور جو کچھ میرے دل میں تھا اور جو چہرے سے ظاہر تھا آپ فوراً پہچان گئے اور فرمایا: اے ابا ہر! یعنی اے ابو ہریرہ۔ میں نے عرض کیا: حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ، آپ چل دیے اور میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ ایک پیالہ دودھ رکھا ہوا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ گھر والوں نے کہا کہ یہ فلاں نے آپ کے لیے ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابا ہر! میں نے عرض کیا، میں حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا جاؤ، اہلِ صفہ کو بلا لاؤ۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اہلِ صفہ اسلام کے مہمان تھے، نہ ان کا کوئی ٹھکانہ تھا اور نہ گھر اور نہ ان کے پاس مال تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جب کہیں سے کوئی صدقہ آتا تو آپ پورا اصحاب صفہ کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ تناول نہ فرماتے اور اگر آپ کے پاس ہدیہ بھیجا جاتا تو آپ خود بھی اس میں سے تناول فرماتے اور اصحابِ صفہ کو بھی اس میں شریک فرماتے۔ اس وقت مجھے یہ گراں گزرا۔ (کہ میں اصحابِ صفہ کو بلا لاؤں) اور اپنے دل میں کہا کہ دودھ کے اس ایک پیالے سے اصحابِ صفہ کو کیا ملے گا۔ اس پر سب سے زیادہ حق تو میرا تھا، اس کو پی کر کچھ قوت و توانائی حاصل کرتا اور یہ کہ جب اصحابِ صفہ آجائیں گے تو مجھے ہی اس کی تقسیم کا حکم ملے گا اور تقسیم کے بعد اس دودھ سے میرے لیے شاید کچھ نہ بچے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا چارہ نہ تھا۔

میں اصحابِ صفہ کے پاس گیا اور ان کو بلا کر لے آیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے اباہر! میں نے عرض کیا، میں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ نے فرمایا: یہ لو اور ان کو دو۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پیالہ لے کر ایک آدمی کو دیا، جب وہ پی کر سیر ہو گیا تو اس نے پیالہ مجھے لوٹا دیا۔ پھر میں نے وہ پیالہ دوسرے آدمی کو دے دیا۔ جب وہ بھی پی کر سیر ہو گیا تو اس نے پیالہ مجھے لوٹا دیا۔ اس طرح جب سب پی چکے تو آخر میں میں نے پیالہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لوٹا دیا۔ آپ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: اے اباہر! میں نے عرض کیا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ نے فرمایا اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں، میں نے عرض کیا آپ نے سچ فرمایا یا رسول اللہ۔ پھر آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پینا شروع کر دو۔ پس میں نے بیٹھ کر پینا شروع کیا۔ آپ بار بار فرماتے پیو اور پیو یہاں تک کہ میں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، اب بالکل گنجائش نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا مجھے دو۔ پھر میں نے پیالہ آپ کو دے دیا تو آپ نے اللہ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا دودھ پی لیا۔

روزے کی فرضیت

روزہ شوال ۲ ہجری قمری میں فرض ہوا، اس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی وفات

تک ۹ سال رمضان المبارک کے روزے رکھے۔

وجوبِ صدقۃ الفطر

اسی سال ۲۸ ذی قعدہ ۲ھ قمری (۲۸ رمضان بہ کبیسۂ شوال ۲ ہجری قمریہ شمسی / ۲۲ مئی ۶۲۴ء) بہ روز منگل عید سے دو روز قبل صدقۃ الفطر واجب ہوا۔

زکاۃ کی فرضیت

اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ رمضان کے روزے ہجرت کے بعد فرض ہوئے ہیں، کیوں کہ جس آیت میں ان کی فرضیت کا ذکر ہے وہ بالاتفاق مدنی ہے۔ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم زکاۃ کا حکم نازل ہونے سے قبل دیا، پھر زکاۃ کی فرضیت کا حکم آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا حکم دیا نہ اس سے ہمیں منع کیا، سو ہم اسے ادا کرتے رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صدقۃ الفطر زکاۃ کی فرضیت سے پہلے فرض ہوا، اور معلوم ہوا کہ زکاۃ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد فرض ہوئی۔ چناں چہ زکاۃ کی فرضیت ۲ ہجری میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد ہوئی ہے۔

منبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کم از کم بیس روایتوں سے ثابت ہے کہ منبر ۲ ہجری میں بن چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ منبر غابہ نامی مقام کی لکڑی کا تھا، غابہ شام کی جانب عوالئ مدینہ میں سے ایک مقام کا نام ہے، یاقوت کے بہ قول یہ مدینہ منورہ سے چار میل کے فاصلے پر، اور ایک قول کے بہ موجب ۹ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

منبر کی لکڑی کے بارے میں روایت میں دو نام آتے ہیں، اثل اور طرفا۔ اردو میں طرفا کو جھاؤ کہتے ہیں جو جھاڑی نما پودا ہوتا ہے، اس لیے یہ منبر اثل سے بنا ہوگا جو طرفا سے بڑا ہوتا ہے، کیوں کہ اس کی لکڑی اس کام کے لیے موزوں ہے۔ چوں کہ دونوں دیکھنے میں ایک جیسے ہوتے ہیں، اس لیے اس کو طرفا بھی کہہ دیا گیا، واللہ علم۔

یہ منبر تین سیڑھیوں پر مشتمل تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور تک اپنی حالت پر

برقرار رہا، بعد میں مروان نے منبر کے نیچے کی جانب مزید چھ سیڑھیوں کا اضافہ کر دیا تھا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگائے ہوئے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ نے (دورانِ خطبہ) ارشاد فرمایا کہ میرے لیے کھڑے ہونا دشوار ہو گیا ہے، تمیم داری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں آپ کے لیے منبر نہ بناؤں، جیسا کہ میں نے اہل شام کو بناتے ہوئے دیکھا ہے؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بارے میں مسلمانوں سے مشورہ کیا، ان کی بھی یہی رائے ہوئی کہ منبر بنایا جائے، چناں چہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا ایک غلام ہے جس کا نام کلاب ہے جو لوگوں کے لیے کام کرتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اسے حکم دو کہ وہ میرے لیے منبر بنائے۔

منبر بننے سے قبل آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھجور کے ایک تنے کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، جب منبر بن گیا تو آپ نے اس پر خطبہ دیا، یہ دیکھ کر کھجور کا تنا رونے لگا۔ بخاری میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمعہ کا خطبہ دیتے وقت ایک درخت یا کھجور (کے تنے) کے پاس کھڑے ہوتے تھے۔ جب منبر بن گیا اور جمعہ کا دن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس منبر پر تشریف فرما ہوئے، اس پر کھجور کے تنے سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منبر سے اتر کر اسے گلے لگا لیا اور جیسے بچوں کو چپ کراتے ہیں اس طرح چپ کرایا، آپ نے فرمایا یہ تنا اس ذکر پر رو رہا تھا جو اس کے قریب ہوا کرتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے لیے گڑھا کھودا جائے اور اسے دفن کیا جائے۔

یوں ایک بے جان تنے کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لمس کی برکت سے یہ اعزاز نصیب ہوا کہ اسے بھی انسانوں کی طرح باقاعدہ دفن کیا گیا۔

سوالات

۱۔ انصارِ مدینہ کا تعارف اور فضیلت بیان کریں۔

۲۔ صفہ اور اصحابِ صفہ کے احوال بیان کریں۔

۳۔ میثاقِ مدینہ کی اہمیت بیان کیجیے۔

جہاد کا آغاز

مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے کچھ ہی عرصے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاد کی اجازت ملی، اس سے قبل مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر یہ محض لڑنے کی اجازت نہیں تھی، اس اجازت کو جہاد جیسا بامعنی عنوان دیا گیا، اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ پہلے یہ جانیں کہ جہاد کیا ہے، اس کی قسمیں کون کون سی ہیں، اور اس کے کیا آداب ہیں، جن کی وجہ سے عام لڑائی اور جنگ کے مقابلے میں جہاد کو مذہبی تقدس حاصل ہے۔

جہاد۔ حقیقت، ضرورت واہمیت

جہاد اور مجاہدہ، دشمن سے مدافعت میں پوری قوت صرف کرنے کا نام ہے۔ دراصل قرآن وسنت کی اصطلاح میں اللہ کی رضا اور خوشنودی، اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور حق اور سچائی کی اشاعت وحفاظت میں کمال درجے کی جانی، مالی، زبانی اور قلم کی سعی وتوانائی خرچ کرنے کا نام جہاد ہے۔

جہاد کی قسمیں

جہاد کی مذکورہ بالا تعریف کے مطابق ہر نیک کام، جو نہایت جاں فشانی اور محنت کے ساتھ کیا جائے، اس میں داخل ہے۔ اس کی چند قسمیں ہیں، جن کی اہمیت کے پیشِ نظر انہیں الگ الگ بیان کرنا ضروری ہے۔

۱۔ اپنے نفس سے جہاد کرنا: خود اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا، جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ اسی کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اور اللہ میں خوب کوشش کرو، جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے، اسی نے تمہیں منتخب کیا ہے اور اس نے دین میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کی، یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اسی نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا۔ (الحج:۷۸)

۲۔ علم کے ذریعے جہاد کرنا: دنیا کا تمام شر و فساد جہالت کا نتیجہ ہے۔ اس کا دور کرنا ہر طالب حق کے لیے ضروری ہے۔ اگر کسی کے پاس عقل و معرفت اور علم و دانش کی روشنی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس روشنی سے دوسرے تاریک دلوں کو روشن کرے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ کے ذریعے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔ (النحل:۱۲۵)

۳۔ جہاد بالمال: انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے وہ اللہ کی عطا کی ہوئی ہے۔ اور یہ اس لیے عطا کی گئی کہ اس کو اللہ کی رضا کے کاموں میں خرچ کرے۔ حق کی حمایت و نصرت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں سرمایہ فراہم کرنا جہاد بالمال ہے۔ آپ ﷺ کی تربیت اور صحبت کی برکت سے صحابہ کرام نے اپنی انتہائی غربت و ناداری کے باوجود ہر موقع پر اپنی بساط سے زیادہ مالی ایثار کیا۔ قرآن کریم میں فرمایا:

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا۔ اور وہ جنہوں نے (مہاجروں کو) رہنے کی جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ (الانفال:۷۴)

دین کی حمایت، اس کی تبلیغ و اشاعت یعنی زبان و قلم دونوں سے اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچانے اور ان کو سکھانے میں بھرپور کوشش کرنا، لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا، عدل قائم کرنا، ظالم کو ظلم سے روکنا، غریبوں حاجت مندوں کی مدد و اعانت کرنا، احکام الٰہی ادا کرنے میں ہمہ وقت لگے رہنا وغیرہ سب جہاد کی مختلف قسمیں اور صورتیں ہیں۔

۴۔ جہاد بالقتال: قرآن و حدیث میں سب سے زیادہ اس کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(اے مسلمانو!) جو لوگ تم سے قتال کرتے ہیں تم بھی ان سے اللہ کی راہ میں قتال

کرو اور زیادتی نہ کرو۔ (البقرۃ: ۱۹۰)

ہجرت مدینہ کے بعد کفار کے ساتھ قتال کا حکم سب سے پہلے اسی آیت میں آیا کہ مسلمان صرف ان کافروں سے قتال کریں جو ان کے مقابلے پر قتال کے لیے آئیں، عورتیں بچے، بوڑھے، عبادت گزار، راہب، پادری، اپاہج و معذور اور وہ لوگ جو کافروں کے ہاں محنت و مزدوری کا کام کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ان سب کو قتل کرنا جائز نہیں۔

جہاد بالقتال کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اقدامی جہاد: اگر حملہ آور قوتوں پر حملہ کر کے ان سے مقابلہ نہ کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ دشمن مسلمانوں کو سکون سے نہیں رہنے دے گا، بل کہ وہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بھی مانع ہوگا۔ قتال کی یہ صورت فرض کفایہ ہے۔ مسلمانوں کی حکومت کے زیرِ کمان اگر مسلمانوں کا ایک گروہ یہ فرض انجام دیتا رہے گا تو یہ سب کی طرف سے کافی ہوگا۔ جو مسلمان اس میں شریک ہوگا اس کے لیے بڑا اجر ہے اور جو اس میں شریک نہیں ہوگا اس پر کوئی گناہ نہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> وہ مومن جو اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال سے جہاد کرے۔ صحابہ نے عرض کیا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا کہ وہ مومن جس نے کسی پہاڑ کی کسی کھائی میں قیام اختیار کر لیا، اللہ سے ڈرتا ہے اور لوگوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

۲۔ دفاعی قتال: جہاد کی یہ قسم فرض کفایہ نہیں ہے، بل کہ نماز اور روزے کی طرح فرض عین ہے۔ اگر کسی اسلامی ملک یا آبادی پر غیر مسلموں نے حملے کا قصد کیا تو اس ملک کے تمام مسلمانوں پر ریاستی کمان کے تحت ملکی دفاع فرض عین ہے۔ خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام، مال دار ہوں یا نادار۔ اگر ایسے موقعے پر آقا غلام کو، قرض خواہ قرض دار کو اور ماں باپ اولاد کو جہاد میں جانے سے روکیں تو ان کے احکام کی تعمیل نہیں کی جائے گی۔ البتہ لنگڑے، لولے، اندھے۔ بیمار اور دیگر شرعی طور پر معذور لوگوں پر جہاد فرض نہیں۔

جہاد کی مذکورہ بالا قسموں کے علاوہ ہر نیک کام کی ادائیگی میں محنت وقوت صرف کرنا جہاد ہے۔ جیسے کہ:

الف۔ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا: حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کہہ دینا ایک عظیم جہاد ہے۔

ب۔ والدین کی خدمت: ابن عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تو ان ہی میں جہاد کر۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے (جہاد میں شرکت کے لیے) رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کیا یمن میں تیرا کوئی ہے۔ اس نے کہا کہ میرے ماں باپ ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا انہوں نے تجھے اجازت دی ہے؟ اس نے کہا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ اور ان سے اجازت لو، اگر وہ اجازت دیں تو جہاد کرو، اور اگر اجازت نہ دیں تو ان ہی کے ساتھ نیکی کرو، یعنی ان ہی کی خدمت کرو۔

ج۔ عورتوں کا جہاد: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: حج کتنا عمدہ جہاد ہے۔

جہاد کی نیت

جس طرح دیگر عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکاۃ اور حج وغیرہ کی ادائیگی میں نیت کا درست ہونا فرض ہے اسی طرح جہاد کے لیے بھی نیت کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسان اس اجر اور قدر ومنزلت کا مستحق نہیں ہوتا۔

خلوص نیت کی برکت سے ایک عمل پر بہت سارا اجر وثواب ملتا ہے اور ایک عمل کے لیے کئی نیتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً کسی نے ضرورت مند رشتے دار کو صرف اللہ کی راہ میں دینے کی نیت کی تو اس کو صرف اللہ کے لیے دینے کا ثواب ملے گا اور اگر اس نے ضرروت مند رشتے دار کو

دیتے وقت صلہ رحمی کی بھی نیت کرلی تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ ایک اللہ کی راہ میں دینے کا اور ایک صلہ رحمی کا۔ اسی طرح مسجد جانے کی کئی نیتیں ہوسکتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ ثواب ملے گا۔ مثلاً اللہ کے گھر کی زیارت کی نیت، نماز پڑھنے کی نیت، اعتکاف کی نیت وغیرہ ان سب نیتوں پر علیحدہ علیحدہ ثواب ملے گا۔

حضرات ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ انسان کبھی بہادری دکھانے کے لیے جنگ کرتا ہے اور کبھی قومی عزت وحمیت کی بنا پر اور کبھی دنیاوی نمود و شہرت کے لیے، ان میں سے کون سی جنگ جہاد فی سبیل اللہ کا مصداق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان میں سے جو شخص صرف اس لیے لڑے کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند رہے وہی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

جہاد کا حکم

اسلام کے تو معنی ہی صلح اور امن وسلامتی کے ہیں۔ اسلام تو دنیا کے لیے امن و صلح کا پیغام لے کر آیا ہے اور اس کی پیروی کرنے والوں کو تواضع وانکساری اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اسی لیے اہلِ ایمان نے مکی زندگی میں ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے وقت اپنے گھر بار اور قیمتی املاک کو خاموشی سے چھوڑ دیا، مگر کوئی ردِعمل نہیں دیا۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ مسلمانوں کے لیے جنگ کے سوا چارہ نہ تھا۔ اگر اس وقت بھی یہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے تو کافر ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیتے اور دنیا میں اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہتا۔ چناں چہ اسی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حالت پر رحم فرما کر ان کو چودہ سال تک کفار ومشرکین مکہ کے ظلم وستم، صبر وسکون کے ساتھ برداشت کرنے کے بعد حملہ آور دشمن سے مدافعت کا حکم دے دیا۔

چناں چہ ارشاد ہوا:

> ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دے دی گئی جن سے کافر قتال کرتے ہیں، کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے محض یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ ایک دوسرے کو نہ ہٹاتا رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور عبادت خانے اور وہ

مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب منہدم ہو چکے ہوتے، اور بے شک اللہ بھی اسی کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے غلبے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکاۃ دیں اور نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ (الحج: ۳۹-۴۱)

اس آیت میں جہاد کی اجازت کے ساتھ ساتھ اس کا مقصد بھی واضح کر دیا گیا ہے، چناں چہ جہاد اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، گزشتہ انبیا کو بھی جہاد کا حکم تھا۔ اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو دنیا میں اللہ کا نام لینا مشکل ہو جاتا اور تمام عبادت خانے مسمار کر دیے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ قدیم سنت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کو جہاد کا حکم دیتا ہے، تاکہ فساد کرنے والوں کا فتنہ اور شر ختم ہو، اور یہ دھرتی رہنے والوں کے لیے رہنے اور زندگی گزارنے کے قابل رہ سکے۔

جہاد کے آداب

اسلام نے جہاد کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ اس کے آداب بھی تلقین فرمائے ہیں، اور میدانِ جہاد میں ان کا خیال رکھنے کی سختی سے تاکید بھی فرمائی ہے۔ درحقیقت اسلامی نقطۂ نظر سے جنگ کے دوران قوت کا استعمال صرف ان لوگوں کے خلاف ہونا چاہیے جو اس جنگ میں عملاً برسرِپیکار ہوں یا ان لوگوں سے جن سے شر و فساد کا اندیشہ ہو، باقی تمام انسانی طبقوں کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رہنا چاہیے۔ اس بارے میں متعدد قرآنی آیات اور احادیث ہیں۔ چناں چہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اے ایمان والو! جب کسی لشکر سے تمہارا آمنا سامنا ہو جائے تو تم ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازع نہ کرو، ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو

دکھانے کے لیے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔(الانفال:۴۵۔۴۷)

آداب جہاد ایک نظر میں

آدابِ جہاد قرآن وحدیث میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں، اختصار کی غرض سے ان کا خلاصہ نکات کی صورت میں ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

۱۔اللہ کو کثرت سے یاد کرنا۔

۲۔بلندی پر چڑھتے وقت اللہ اکبر کہنا

۳۔نشیب میں اترتے وقت سبحان اللہ کہنا۔

۴۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا۔

۵۔نماز کی طرف رجوع کرنا۔

۶۔اللہ سے عافیت مانگنا۔

۷۔مقابلے کے وقت دشمن کو اسلام کی دعوت دینا۔اگر وہ قبول کرلیں تو قتال سے باز رہنا۔

۸۔اگر دشمن دعوت اسلام قبول نہ کرے اور جزیہ دینا منظور کرلے تو قتال سے باز رہنا۔

۹۔دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرنا۔

۱۰۔مقابلے کے وقت صبر کرنا۔

۱۱۔تقوٰی اختیار کرنا۔

۱۲۔آپس میں تنازع نہ کرنا۔

۱۳۔اترانا اور دکھاوا نہ کرنا۔

۱۴۔اپنی جان و مال سے جہاد کرنا۔

۱۵۔جہاد میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ثابت قدم رہنا۔

۱۶۔عہد شکنی نہ کرنا۔

۱۷۔مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔

۱۸۔ مقتولین کا مثلہ (ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ کاٹنا) نہ کرنا۔

۱۹۔ کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔

۲۰۔ کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔

۲۱۔ کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔

۲۲۔ کسی عبادت گزار، راہب، پادری وغیرہ کو قتل نہ کرنا۔

۲۳۔ کسی اپاہج و معذور کو قتل نہ کرنا۔

۲۴۔ کافروں کے ہاں مزدوری کرنے والوں کو جو جنگ میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو، قتل نہ کرنا۔

۲۵۔ کسی کو باندھ کر قتل نہ کرنا۔

۲۶۔ دشمن کے علاقے میں مسجد دیکھو تو کسی کو قتل نہ کرو۔

۲۷۔ اذان سنو تو کسی کو قتل نہ کرو۔

۲۸۔ اصلاح احوال کرنا۔

۲۹۔ احسان کرنا۔

۳۰۔ حد سے تجاوز نہ کرنا۔

یہ ہے وہ اسوۂ حسنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ جہاد کے لیے عطا فرمایا ہے اور یہی وتعلیمات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد وقتال کے سلسلے پر تعلیم فرمائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ جیسے موقع کو ایک نظام میں سمو دینا اور اس کے بھی آداب مقرر کر کے اسے جہاد میں تبدیل کر لینا پوری انسانیت پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان عظیم ہے، جس کا شکر پوری انسانیت پر واجب ہے۔

جہاد کا آغاز

مدنی عہد میں جہاد کا آغاز جیسا کہ عرض کیا گیا یہاں پہنچتے ہی ہو گیا تھا، چناں چہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کا حکم ملنے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے کے قرب وجوار میں چھوٹے چھوٹے لشکر روانہ فرمائے۔ جس جہاد میں آپ نے خود شرکت فرمائی اس کو غزوہ کہتے

ہیں خواہ اس میں لڑائی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

جن غزوات میں قتال ہوا ان کی تعداد ۹ ہے اور وہ یہ ہیں۔ بدر، احد، مریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف۔

ان غزوات میں سے صرف غزوۂ احد میں آپ ﷺ زخمی ہوئے، آپ کا سامنے کا دندان مبارک شہید ہوا۔ دو غزوات، بدر اور حنین میں واضح فتح ہوئی۔ غزوۂ طائف واحد غزوۂ ہے جس میں منجنیق نصب کی گئی۔ صرف غزوۂ احزاب میں خندق کے ذریعے دفاع کیا گیا۔

سریہ

جس جنگی معرکے میں آپ ﷺ بہ ذات خود شریک نہیں ہوئے، بل کہ اس کے لیے آپ نے صحابہ کی ایک جماعت بھیجی اس کو سریہ کہتے ہیں۔ خواہ اس جماعت میں صرف دو آدمی ہوں یا زیادہ۔ سریے کی جمع سرایا ہے اگر آپ نے کسی جماعت کو جاسوسی کے لیے بھیجا یا احکام شریعت اور قرآن کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا وہ بھی سریہ کہلاتا ہے۔ سرایا کی تعداد ۸۰ ہے۔ ہم ان غزوات و سرایا میں سے چند سرایا اور غزوات کی تفصیل تاریخی ترتیب سے ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ سریہ حمزہ (مہم سِیفُ البحر)

ذیقعدہ ۱ ہجری قمری (رمضان ۱ ہجری قمریہ شمسی/مئی ۶۲۳ء

آں حضرت ﷺ نے جہاد کی اجازت ملنے کے بعد ہجرت کے ساتویں مہینے میں پہلا سریہ روانہ کیا۔ اس میں آپ نے جو علم صحابہ کو عطا کیا وہ سب سے پہلا عَلَم تھا جو سفید رنگ کا تھا، ابو مرثد الغنوی ؓ حضرت حمزہ ؓ کے ماتحت علم بردار تھے۔ آپ نے ۳۰ مہاجرین (ان میں کوئی انصاری نہیں تھا) کو حضرت حمزہ ؓ کی سرکردگی میں مشرکین کی ایک جماعت کے مقابلہ کے لیے بھیجا جو شام سے واپس آ رہی تھی۔ مشرکین کی جماعت میں ۳۰۰ آدمی تھے اور ابو جہل اس کا سربراہ تھا۔

مقام عیص کے قریب واقع سِیفُ البحر پر کفار سے آمنا سامنا ہو گیا، مگر ایک شخص مجدی بن عمرو الجُہنی نے جو دونوں فریقوں کا حلیف تھا بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرا دیا، اور حضرت حمزہ ؓ اپنے آدمیوں کے ہم راہ مدینے واپس آ گئے۔

غزوۂ ذِی العُشَیرَہ

یکم جمادی الاولیٰ ۲ ہجری قمری (یکم صفر بہ کبیسۂ محرم ۲ ہجری قمر یہ شمسی/ ۱۳۱ اکتوبر ۶۲۳ء) بہ روز پیر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ۱۵۰ یا دو سو مہاجرین کو ساتھ لے کر قریش کے ایک قافلے کو روکنے کے لیے عُشَیرَہ کی طرف روانہ ہوئے، جو یَنۡبُع کے قریب ایک مقام ہے۔ آپ کے ساتھ سواری کے لیے ۳۰ اونٹ تھے۔ آپ کا علم سفید رنگ کا تھا جو حضرت حمزہؓ کو دیا گیا تھا۔ ذی العشیرہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ مشرکین کا قافلہ کئی روز پہلے گزر چکا ہے۔ پھر آپ نے کچھ دن یہیں قیام فرمایا اور بنی مُدۡلِج سے معاہدہ کر کے مدینے واپس چلے گئے۔

سوالات

۱۔ جہاد کی اقسام بیان کیجیے۔
۲۔ جہاد اور جنگ میں فرق بیان کیجیے۔
۳۔ جہاد میں اسلام کے بتائے ہوئے اہم اصول و ضوابط مختصراً بیان کیجیے۔

غزوۂ بدر

۱۷ رمضان بہ کبیسۂ شوال ۲ ہجری قمریہ شمسی/ ۱۱ مئی ۶۲۴ء

یہ غزوہ ہجرت کے دوسرے سال ۱۷ ذی قعدہ ۲ ہجری قمری (۱۷ رمضان بہ کبیسۂ شوال ۲ ہجری قمریہ شمسی/ ۱۱ مئی ۶۲۴ء) جمعہ کے روز ہوا۔ مدینے سے ۱۴۸ کلومیٹر وادیٔ صفرا کے زیریں حصے میں پانی کا ایک مشہور چشمہ ہے، جہاں بدر کے نام سے ایک بستی ہے۔ یہ غزوہ اسی مقام پر ہوا، اس لیے اس کو غزوۂ بدر کہتے ہیں۔

یہ پہلا غزوہ ہے، جس میں مشرکین مکہ کا مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس فتح کو مسلمانوں پر خدا کا احسان بتایا ہے۔

غزوۂ بدر کا سبب یہ بنا کہ رمضان المبارک کے شروع میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک بڑا قافلہ جس میں ہزاروں اونٹوں پر قیمتی تجارتی سامان لدا ہوا ہے اور تیس سے چالیس یا ایک روایت میں ستر افراد شامل ہیں، ابوسفیان بن حرب کی نگرانی میں شام سے مکے واپس جا رہا ہے۔ قریش کا یہ وہی قافلہ تھا جو تجارت کے لیے شام گیا تھا اور جس کی تلاش میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذی العشیرۃ تک گئے تھے۔ قریش کا کوئی مرد یا عورت ایسی نہیں تھی جس کے پاس ایک مثقال ہو اور اس نے اس تجارت میں حصہ نہ لیا ہو۔ اس قافلے میں پچاس ہزار دینار یا اس سے زیادہ مالیت کا سامان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت بسیسہ رضی اللہ عنہ کو قافلے کی معلومات کے لیے بھیجا، انہوں نے آ کر قافلے کی صحیح صورت حال بیان کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں سے گفت گو فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہماری مطلوبہ چیز آ پہنچی ہے۔ جس کی سواری موجود ہو وہ ہمارے ساتھ سوار ہو۔ لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے تھے کہ ان کی سواریاں مدینے کی بالائی آبادی میں ہیں وہ لے کر آ جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف وہی

روانہ ہو جس کی سواری موجود ہو، چناں چہ رسول اللہ ﷺ اور جن جن صحابی کے لیے ممکن ہو سکا وہ روانہ ہو گئے اور مشرکوں سے پہلے بدر پہنچ گئے۔

آں حضرت ﷺ نے پہلے نماز کے لیے ابن ام مکتومؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور پھر مقامِ روحا میں پہنچ کر ابولبابہؓ کو اپنا نائب بنا کر مدینۂ منورہ بھیج دیا۔ مدینے سے ایک میل پر واقع بیئرِ ابو عنبہ پر پہنچ کر لشکر قائم فرمایا۔ یہاں جو لوگ کم عمر تھے، آپ ﷺ نے ان کو واپس فرما دیا۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں صرف اس وجہ سے بدر میں شریک نہ ہو سکا کہ میں اور میرے والد حسیل رضی اللہ عنہما مدینہ طیبہ کے ارادے سے نکلے تو راستے میں ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا، اور کہا کہ تم محمد ﷺ کے پاس جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم تو مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہیں، انہوں نے ہم سے اللہ کے نام سے پختہ عہد اور وعدہ لیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے، ہم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا: تم مدینہ منورہ جاؤ، ہم ان کے عہد کو پورا کریں گے۔ ان کے خلاف صرف اللہ سے مدد چاہتے ہیں۔

یہاں سے روانگی کے وقت آپ ﷺ نے قیس بن صعصعہؓ کو مسلمانوں کی گنتی کرنے کا حکم دیا۔ قیسؓ نے سب لوگوں کو ابو عنبہؓ کے کنوئیں کے پاس کھڑا کر کے گنتی کی اور آں حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یہ سب ۳۱۳ ہیں۔ آپ ﷺ یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ طالوت کے ساتھ بھی لوگوں کی اتنی ہی تعداد تھی۔

دوسری جانب قریش کو علم ہوا کہ ہمارے قافلے کو روکنے کے لیے مسلمان نکل آئے ہیں تو ان کا نو سو سے ایک ہزار کی تعداد میں بڑا قافلہ ابوسفیان کے قافلے کی حفاظت کے لیے مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں۔ یہ لشکر مرظہران سے عسفان اور قدید سے ہوتا ہوا ابوا پہنچا، پھر بدر کے مقام پر اس نے ڈیرے ڈال دیے۔

ابوسفیان قافلے کو لے کر مدینے کے قریب پہنچے تو وہاں ڈرتے ڈرتے پانی پر پہنچے جہاں مجدی بن عمرو الجہنی سے ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کچھ سن گن ملی ہے۔ مجدی نے کہا کہ میں نے سوائے دو سواروں کے کسی کو نہیں دیکھا، جنہوں نے آ کر ٹیلے

کے پاس اونٹ بٹھایا تھا اور اتر کر اپنے مشکیزوں میں پانی لیا اور چل دیے۔ ابو سفیان یہ سن کر ٹیلے کے پاس گئے اور اونٹ کی ایک مینگنی اٹھا کر اس کو توڑا، اس کے اندر سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی، یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ خدا کی قسم! یہ تو یثرب والوں کا چارہ ہے، یعنی یثرب کے لوگ اونٹوں کو کھجور کی گٹھلیاں کھلاتے ہیں۔ وہ فوراً قافلے کا رخ موڑ کر بدر کو اپنے بائیں طرف چھوڑ کر ساحل کے ساتھ ساتھ روانہ ہو گئے۔

کفار کی روانگی کی اطلاع

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چل کر بدر کے قریب پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ قریشی اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے روانہ ہو گئے ہیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہاجرین وانصار کو مشورے کے لیے جمع فرمایا اور ان کو قریش کی خبر دی۔ یہ سنتے ہی پہلے ابوبکر کھڑے ہوئے اور پھر حضرت عمر نے نہایت عمدگی سے اظہار جاں نثاری فرمایا۔

صحابہ کرامؓ کے اس واضح جواب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیسری بار مشورہ طلب فرمایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار سے بیعت عقبہ میں صرف اس بات کا عہد لیا تھا کہ جو دشمن آپ پر حملہ آور ہوگا، اس وقت اس کے خلاف وہ آپ کے حامی اور مددگار ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے مدینے سے باہر جا کر جنگ کرنے کا عہد نہیں لیا تھا۔ حضرت سعد بن معاذؓ جو انصار کے سردار تھے آپ کے اشارے کو سمجھ گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شاید آپ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔

پھر حضرت سعدؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور ہم نے اس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لائے ہیں وہی حق ہے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری کے بارے میں آپ کو عہد و میثاق دیا ہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اسی پر چلیے۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمیں سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے، تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم دشمن سے مقابلے کو ناپسند نہیں کرتے۔ ہم لڑائی کے وقت صبر کرنے والے اور مقابلے کے سچے ہیں اور

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو وہ چیز دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ساتھ لے کر اللہ کے نام پر روانہ ہو جایئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعدؓ کا جواب سن کر خوش ہوئے۔

پھر مقداد بن اسودؓ نے کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، بل کہ آپ کے دائیں اور بائیں آگے اور پیچھے لڑیں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور فرط مسرت سے دمک اٹھا۔

بدر پہنچ کر قریش ریت کے ٹیلے اور بطن وادی کے پیچھے پرلے کنارے کی اونچی زمین پر ٹھہرے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے کنارے پر مقیم ہو گئے۔ قریش نے پہلے پہنچ کر پانی کے چشمے پر قبضہ کرلیا، اس کے برعکس مسلمانوں کو نہ تو پانی ملا اور نہ مناسب جگہ ملی۔ ریتیلا میدان تھا جہاں چلنا بھی دشوار تھا۔ لیکن اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے بارش کردی جو مشرکوں کی طرف تو ایسی موسلا دھار ہوئی کہ ان کے لیے چلنا پھرنا بھی دشوار ہو گیا، اور مسلمانوں کی طرف ہلکی ہلکی بارش ہوئی جس سے وہ نہا بھی لیے، بدن کی گندگی دور ہو گئی اور زمین بھی ہموار اور سخت ہو گئی۔ سب نے پانی پیا اور مشکیزے بھی بھر لیے۔

اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نیند طاری کی کہ سب لوگ سو گئے۔ حال آں کہ حالات ایسے نہیں تھے کہ کوئی سکون سے سو سکتا۔

اس موقع پر حضرت خباب بن منذر بن جموحؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہاں اترنے کا حکم دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم آگے پیچھے نہیں ہٹ سکتے یا یہ جنگی تدبیر اور مصلحت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جنگی تدبیر اور مصلحت ہے۔ حضرت خباب نے عرض کیا کہ یہ جگہ اترنے کے لیے مناسب نہیں، یہاں سے لوگوں کو لے چلیے اور قریش کے قریب ترین جو پانی ہے وہاں پڑاؤ ڈالیں۔ ہم وہاں چشمے کے قریب ایک کنواں کھود کر اس پر ایک حوض بنا دیں گے۔ اس طرح پانی چشمے سے نکلنے کی بہ جائے کنوئیں میں آکر بھر جائے گا اور اس پانی سے ہم حوض بھر لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے صحیح مشورہ دیا ہے۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ سب کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور قریش کے قریب ترین پانی

کے پاس پڑاؤ ڈال دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چھپر بنانا

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم آپ کے لیے چھپر نہ بنا دیں؟ جس میں آپ قیام فرمائیں اور آپ کے قریب سواریاں تیار کر رکھیں، پھر دشمن سے مقابلہ کریں۔ اگر اللہ نے ہمیں عزت دی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو یہ ہماری خواہش کے مطابق ہوگا اور اگر دوسری صورت پیش آئی تو آپ اپنی سواریوں پر سوار ہو کر ہماری قوم کے ان لوگوں سے جا ملیں جو ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ لوگ بھی آپ کی محبت میں ہم سے کم نہیں۔ اگر ان کو ذرا بھی خیال ہوتا کہ آپ کو جنگ پیش آئے گی تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپ کی حفاظت کرے گا، وہ آپ کی خیر خواہی کریں گے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے لیے کلمات خیر کہے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ کے لیے ایک ٹیلے پر جہاں سے پورا میدان جنگ نظر آتا تھا ایک چھپر بنایا گیا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ قیام پذیر رہے اور حضرت سعد بن معاذؓ دروازے پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت عمر کا قریش کے پاس جانا

جب قریش پڑاؤ ڈال چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو یہ پیغام دے کر قریش کے پاس بھیجا کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں۔ میں تم سے لڑنا پسند نہیں کرتا۔ میرے مقابلے پر تمہاری جگہ اگر دوسرے لوگ ہوتے تو میں ان سے لڑتا۔ یہ سن کر حکیم بن حزام نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بات تو خیر خواہی کی کی ہے، اس کی بات کو مان لو۔ خدا کی قسم! جب وہ انصاف کی بات پیش کر چکا تو اب تم اس پر غالب نہیں آسکتے، کیوں کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنا تمہاری طرف سے زیادتی ہوگی۔ ابو جہل نے کہا جب اللہ نے ہمیں ان پر قابو دے دیا تو اب ہم واپس نہیں جائیں گے۔

قریش کا ٹیلے سے اترنا

صبح ہوتے ہی قریش نے کوچ کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ریت کے اس ٹیلے سے نیچے اترتے دیکھا جہاں وہ وادی میں ٹھہرے ہوئے تھے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور فرمایا:

اے اللہ! بلاشبہ تو نے مجھ پر کتاب نازل کی، مجھے قتال کا حکم دیا اور دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اے اللہ! یہ قریش اپنے غرور وتکبر کے ساتھ آگئے ہیں۔ اے اللہ یہ تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں اور اس سے لڑتے ہیں، اے اللہ! تو نے جس فتح کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ عطا فرما اور صبح ان کو ہلاک فرما۔

پھر عتبہ بن ربیعہ کو سرخ اونٹ پر سوار دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس قوم میں سے کسی میں کوئی خیر ہوسکتی تھی تو اس سرخ اونٹ والے میں تھی اور اگر یہ لوگ اس کا مشورہ مان لیتے تو سیدھے راستے پر پڑ جاتے۔ یہ عتبہ ہے جو لڑائی سے روک رہا تھا اور واپس جانے کا مشورہ دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میری قوم کے لوگو! آج واپس جانے کے عار کی پٹی میرے سر باندھ دو اور کہو عتبہ نامراد ہوگیا۔ ابوجہل انکار کر رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اور صف بندی

اس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا سب سے بڑا تھا۔ مہاجرین کا جھنڈا مصعب بن عمیر، خزرج کا حباب بن منذر اور اوس کا جھنڈا اسعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ بعض روایات میں معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کا رنگ سفید مذکور ہے۔

صبح ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صف بندی شروع کی اور تیر کی مانند صفوں کو سیدھا کیا۔ آپ کے پاس ایک چھوٹا تیر تھا جس سے اشارہ کرکے آپ کسی سے فرماتے تھے، ذرا آگے بڑھو اور کسی کو حکم دیتے پیچھے ہٹو۔ جب صفیں درست ہوگئیں تو آپ نے جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا۔

جنگ کا آغاز

اس اثنا میں قریش بھی جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ قریش کی طرف سے سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ، اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا اور للکار کر اپنا مبارز (مقابل) طلب کیا۔ لشکر اسلام میں سے عبداللہ بن رواحہؓ اور حارثؓ کے دونوں بیٹے عوفؓ اور معوذؓ مقابلے کے لیے نکلے۔ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم انصار کے گروہ سے ہیں۔ عتبہ نے کہا ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہماری قوم میں سے ہمارے جوڑ اور برابر کے آدمی بھیجو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عبیدہ بن الحارثؓ کھڑے ہو جاؤ، اے حمزہؓ کھڑے ہو جاؤ اور اے علیؓ کھڑے ہو جاؤ۔ جب یہ حضرات سامنے پہنچے تو انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ حضرت عبیدہ نے کہا۔ میں عبیدہ بن الحارثؓ ہوں، حضرت حمزہؓ نے کہا میں حمزہ ہوں، حضرت علیؓ نے کہا میں علی ہوں۔ عتبہ نے کہا کہ ہاں تم ہمارے جوڑ کے ہو اور محترم ہو۔

حضرت عبیدہؓ عتبہ کے، حضرت حمزہؓ شیبہ کے اور حضرت علیؓ ولید کے مقابل آئے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تو ایک ایک وار ہی میں ان کا کام تمام کر دیا۔ حضرت عبیدہؓ اور عتبہ میں تلواروں کی نوک جھونک ہونے لگی اور دونوں زخمی ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ حضرت عبیدہؓ کی امداد کو پہنچے اور عتبہ کا کام تمام کیا اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بدر کے دن میں کچھ دیر لڑتا رہا، پھر دوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں پڑے ہوئے یاحیّ یاقیّوم فرما رہے تھے اس سے زیادہ کوئی لفظ نہیں فرما رہے تھے۔ پھر میں لڑائی کی طرف گیا کچھ دیر بعد میں پھر واپس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدے میں وہی الفاظ کہتے ہوئے پایا۔ اس کے بعد اللہ نے فتح سے ہم کنار فرمایا۔

مشت خاک پھینکنا

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے

اشارے سے ایک مٹھی بھر خاک شاہت الوجوہ (چہرے بگڑ گئے) پڑھتے ہوئے کافروں پر پھینک ماری اور صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ کافروں پر ٹوٹ پڑو۔ مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔ اس کے ساتھ ہی دشمن بھاگ اٹھا۔ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال:۱۷)

جب آپ نے وہ مٹھی بھر خاک پھینکی تو حقیقت میں وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی، بل کہ وہ اللہ نے پھینکی تھی۔

اس مٹھی بھر خاک کا پھینکنا تھا کہ کفار کا لشکر سراسیمہ ہو گیا اور بڑے بڑے بہادر اور جاں باز قتل اور قید ہونے لگے۔ پھر مسلمانوں نے اللہ کے دشمنوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

جنگ کا خاتمہ

اللہ کی نصرت سے جنگ کا خاتمہ اسلامی لشکر کی فتح پر ہوا۔ صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے۔ کافروں کے لشکر کو زبردست جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا، ان کی اصل طاقت ٹوٹ گئی، ان کے نام ور سردار و سپہ سالار ایک ایک کر کے مارے گئے۔ مرنے والوں میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل، ابوالبختر ی، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف اور حجاج کے بیٹے شامل تھے۔ مشرکین کے کل ستر آدمی مارے گئے اور ستر افراد ہی قید ہوئے۔

اہل مدینہ کو خوش خبری دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو مدینے کے قریب عالیہ کی طرف اور حضرت زید بن حارثہ کو سافلہ کی طرف بھیجا۔ چناں چہ عبداللہ بن رواحہ نے عالیہ کے علاقوں میں اور حضرت زید بن حارثہ نے سافلہ کے علاقوں میں جا کر اعلان کیا کہ اے گروہ انصار! تمھیں خوش خبری ہو اللہ نے اپنے نبی اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح نصیب فرمائی ہے۔ قریشی سرداروں میں سے فلاں فلاں قتل ہو گئے اور فلاں فلاں گرفتار ہو گئے۔

جب قریش کی شکست کی خبر لے کر سب سے پہلے ابن عبد عمرو مکے پہنچا جو اس وقت تک

کافر تھا اور بعد میں مسلمان ہوا۔ اس نے مکے پہنچ کر پکار پکار کر لوگوں سے کہنا شروع کیا: عتبہ و شیبہ قتل ہو گئے، ابوالحکم (ابوجہل) اور امیہ بھی قتل ہو گئے، سرداران قریش میں سے فلاں فلاں بھی قتل ہو گئے، اور فلاں فلاں گرفتار ہو گئے۔

یہ وحشت ناک خبر صفوان بن امیہ نے بھی سنی جس کو بطحا کا سردار کہا جاتا تھا اور جو قریش کے سب سے زیادہ فصیح لوگوں میں سے تھا، اس وقت وہ حطیم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر یہ شخص صحیح الدماغ ہے تو اس سے میرے بارے میں پوچھو، چناں چہ لوگوں نے ابن عبد عمرو سے پوچھا کہ صفوان کا کیا ہو؟ ااس نے جواب دیا کہ وہ تو سامنے حطیم میں بیٹھا ہوا ہے، مگر میں نے اس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے خود دیکھا ہے۔

اگر چہ یہ سب مرنے والے کافر تھے، لیکن تمام لاشوں کو ایک کنوئیں میں ڈالنے کا حکم دیا، امیہ بن خلف کی لاش اس قدر مخدوش ہوگئی تھی کہ اسے وہاں سے منتقل کرنا ممکن نہیں تھا، اس لیے اسے وہیں مٹی میں دبا دیا گیا۔

قیدیوں سے سلوک

مدینہ منورہ پہنچ کر آپ نے جنگی قیدیوں کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ ان کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرو۔ چناں چہ جن صحابہ کے پاس قیدی تھے وہ پہلے ان قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے۔ اگر کھانا نہ بچتا تو خود کھجور پر اکتفا کرتے۔ قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیز بھی تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کے جس گھر میں قید تھا وہ لوگ صبح اور شام کو جب کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے۔ مجھے شرم آتی اور میں اصرار کر کے روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا، مگر وہ روٹی کو ہاتھ بھی نہ لگاتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

ان قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بھی شامل تھے، ان کے بدن پر کرتا نہ تھا۔ ان کا قد بھی اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر پورا نہیں آتا تھا۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی قد میں حضرت عباس کے برابر تھا، اس نے اپنا کرتا منگوا کر دیا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے جو اپنا کرتا عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا بدلہ تھا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا کہ اللہ نے تمھیں ان پر قدرت دی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں، اس لیے فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائیں۔ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سب کی گردن اڑا دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی اور قیدیوں سے فدیہ لینے کا فیصلہ فرمایا۔

اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان بدبو داروں (بدر کے قیدیوں) کے بارے میں مجھ سے بات کرتا، میں ان کو (بغیر فدیہ لیے) رہا کر دیتا۔ دراصل طائف سے واپسی پر مطعم ہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخلے کے وقت تحفظ فراہم کیا تھا۔ آپ اس کے اس احسان کو یاد فرما رہے تھے۔

قیدیوں کے فدیے کی مقدار ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھی۔ جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ نہیں دے سکتے تھے ان کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ قیدیوں میں سے جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان سے کہا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں، یہی ان کا فدیہ ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔

سوالات

۱۔ غزوۂ بدر کے اسباب تحریر کیجیے۔

۲۔ اسلام میں غزوۂ بدر کی اہمیت بیان کیجیے۔

۳۔ غزوۂ بدر کے تناظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائدانہ شخصیت پر روشنی ڈالیے۔

غزوۂ احد

۱۱ محرم ۴ ہجری قمری۔ ۱۱ شوال ۳ ہجری قمریہ شمسی/ ۲۲ جون، ۶۲۵ عیسوی

پس منظر

احد مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ کا نام ہے، جسے دوسرے پہاڑوں سے نمایاں ہونے کی وجہ سے احد کہتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان جنگ میں کفار مکہ کے ۷۰ نام ور افراد مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے تھے۔ اس شکست فاش سے کفار کا جذبہ انتقام بھڑک اٹھا۔ لڑائی میں مارے جانے والے سرداروں کے قریبی رشتے داروں نے تمام عرب کو غیرت دلا کر ان سے معاہدہ کیا کہ جب تک مسلمانوں سے اس شکست کا بدلہ نہیں لیں گے، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ جنگ بدر میں شام سے آنے والے تجارتی قافلے کا اصل مال تو حصہ داروں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، مگر منافع کی رقم اب تک محفوظ تھی۔ قریش کے سرداروں اور مقتولین بدر کے عزیزوں اور رشتے داروں نے طے کیا کہ اس منافع کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے پر خرچ کیا جائے۔

چناں چہ ۵ شوال ۳ ھ کو مشرکین مکہ ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں ۳۰۰۰ افراد کا لشکر لے کر مدینے پر چڑھائی کے لیے نکل پڑے۔ اس لشکر میں ۷۰۰ زرہ پوش جوان، دوسو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ عرب میں عورتیں لڑائی میں ثابت قدمی کا ایک بڑا ذریعہ سمجھی جاتی تھیں۔ جس لڑائی میں عورتیں ساتھ ہوتی تھیں عرب ان کی بے حرمتی کے خیال سے اپنی جانوں پر کھیل جاتے تھے۔ چناں چہ اس مرتبہ مشرکین مکہ نے جوش دلانے کی غرض سے

کچھ عورتوں کو بھی ہم راہ لے لیا، جن کی تعداد پندرہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ اسلام لا کر مکے ہی میں مقیم تھے۔ انہوں نے تمام حالات سے آپ کو مطلع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا۔ صحابہ میں سے جو لوگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور شوق شہادت سے بے چین تھے ان کا اصرار تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔

اسلامی لشکر کی روانگی

احد میں آپ ﷺ کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا۔ مہاجرین کا جھنڈا مصعب بن عمیرؓ کے پاس، جو ان کی شہادت کے بعد حضرت علی بن ابی طالبؓ کے پاس آیا۔ اوس کا جھنڈا اسید بن حضیرؓ کے پاس اور خزرج کا حباب بن منذر کے پاس تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی رائے سامنے آئی، چناں چہ آپ ﷺ ہتھیار لگا کر اور اوپر نیچے دو زرہیں پہن کر گھر سے برآمد ہوئے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کی مرضی کے خلاف رائے دی، یہ ہمارے لیے کسی طرح مناسب نہ تھا۔ آپ اپنی رائے پر عمل فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ہتھیار لگانے کے بعد اللہ کے دشمنوں سے جنگ کیے بغیر ہتھیار اتار دے۔ اب اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ اور میں جو حکم دوں وہ کرو۔ جب تک تم ثابت قدم رہو گے تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ونصرت حاصل ہوگی۔

باہر نکل کر آپ ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ آپ نے کمان کاندھے پر ڈالی ہوئی تھی۔ حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ ہتھیار لگائے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور باقی صحابہ آپ کے دائیں موجود تھے۔ جب آپ ایک گھاٹی کے سرے پر پہنچے تو وہاں آپ کو ایک فوجی دستہ ملا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے عبداللہ بن ابی سے تعاون کا معاہدہ کیا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم مشرکوں کے خلاف اہل شرک سے مدد کے طالب نہیں۔

مقام شیخین پر پہنچ کر آپ ﷺ نے لشکر کا جائزہ لیا۔ پھر آپ کے سامنے ۱۴، ۱۴ برس

کی عمر کے کچھ لڑکے پیش کیے گئے۔آپ نے ان کو نابالغ قرار دے کر واپس فرما دیا۔ان کی تعداد سترہ تھی۔پھر آپ کی خدمت میں کچھ اور لڑکے پیش کیے گئے جن کی عمریں ۱۵،۱۵ سال تھیں۔آپ نے ان کو لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔

آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مدینے سے ایک ہزار آدمی لے کر احد کی طرف نکلے تھے جب آپ احد کے قریب پہنچے تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی لشکر میں سے اپنے تین سو آدمی علیحدہ کر کے غصے میں یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ آپ نے میری رائے نہیں مانی، ہم بلاوجہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں کیوں ڈالیں؟ سورۃ آل عمران کی یہ آیات ان ہی کے بارے میں نازل ہوئیں۔

> اور تمہیں جو مصیبت دونوں لشکروں کے مقابلے کے دن پہنچی تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہنچی اور اس لیے بھی تا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں کو جان لے اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفع کرو تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑنا جانتے تو تمہارے پیچھے ہی نہ ہولیتے۔ اس روز وہ ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ نزدیک تھے۔وہ لوگ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہیں۔(آل عمران:۱۶۶۔۱۶۷)

فوج کی ترتیب

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سب کو لے کر احد پہنچ گئے۔احد کو پشت پر رکھ کر مدینے کی طرف رخ کر کے اہل لشکر سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک قتال نہ کرے جب تک کہ اس کو قتال کا حکم نہ دیا جائے۔آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے احد کو پشت پر رکھ کر صفوں کو ترتیب دیا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔حضرت حمزہؓ کو فوج کے اس حصے کی کمان ملی جو زرہ پوش نہیں تھے۔پشت کی طرف ایک درے سے دشمن کے حملے کا احتمال تھا، اس لیے پچاس تیراندازوں کا دستہ اس درے پر متعین فرما دیا۔ان کا امیر عبداللہ بن جبیر کو مقرر فرمایا، اور ان کو حکم دیا کہ فتح ہو جانے پر بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔

جنگ کا آغاز

اس کے بعد مشرکین کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ صف سے نکل کر میدان میں آیا اور اس نے

للکار کر کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیو! تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تلواروں سے ہمیں جلدی جہنم میں پہنچاتا ہے اور ہماری تلواریں تمہیں جنت میں پہنچاتی ہیں، کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس کو میری تلوار جنت میں یا اس کی تلوار مجھے جلد جہنم میں پہنچا دے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے صف سے نکل کر کہا: میں ہوں، اور تلوار مار کر طلحہ کا کام تمام کر دیا۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے علم ہاتھ میں لیا۔ اس موقع پر حضرت حمزہؓ نے آگے بڑھ کر اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ اس کے بعد مشرکوں کے پرچم کو پے در پے مختلف اٹھاتے اور وقفے وقفے سے قتل ہوتے رہے۔

ابو دجانہ کی شجاعت

جب گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تلوار اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: کون ہے جو اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لے؟ یہ سن کر بہت سے ہاتھ اس سعادت کے حصول کے لیے بڑھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک روک لیا یہاں تک کہ حضرت ابو دجانہؓ نے اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس کا کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ اس سے خدا کے دشمنوں کو مارے یہاں تک کہ وہ ختم ہو جائیں۔ اس پر حضرت ابو دجانہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار حضرت ابو دجانہؓ کو عنایت فرما دی جو بہت بہادر تھے۔ حضرت ابو دجانہؓ جس طرف جاتے صفوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشیں گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ابو سفیان کی بیوی ہند سامنے آ گئی۔ انہوں نے فوراً ہاتھ روک لیا اور کہا یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کسی عورت پر چلائی جائے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

حضرت حمزہؓ نے غزوۂ بدر میں طعیمہ بن عدی الخیار کو قتل کیا تھا۔ جبیر بن مطعم نے وحشی بن حرب سے کہا کہ اگر تم میرے چچا طعیمہ کے بدلے میں حضرت حمزہ کو قتل کر دو، تو آزاد ہو۔ چناں چہ جب لوگ جنگ کے لیے نکلے تو وحشی بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ بعد میں مسلمان ہو گئے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ احد میں جب صفیں مرتب ہو گئیں تو قریش کی صف میں سے سباع بن عبد العزیٰ ''ہے کوئی میرا مقابل'' پکارتا ہوا میدان میں آیا۔ اس پر حضرت حمزہ بن عبد المطلب اس

کے مقابلے کے لیے نکلے۔ اس پر تلوار کا ایسا شدید وار کیا کہ وہ اسی وقت واصل جہنم ہو گیا۔

میں حضرت حمزہؓ کی تاک میں ایک چٹان کے نیچے چھپا ہوا تھا، جب وہ میرے قریب ہوئے تو میں نے اپنا حربہ ان پر پھینک مارا جو حضرت حمزہ کی ناف میں لگا اور پار ہو گیا، اور وہ شہید ہو گئے۔ لڑائی کے بعد جب لوگ مکے واپس ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ مکے واپس آ گیا اور اسلام کا غلبہ ہونے تک مکے ہی میں مقیم رہا، پھر میں طائف چلا گیا۔ جب طائف والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک قاصد بھیجا اور ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ انبیا کسی پر زیادتی نہیں کرتے تو میں بھی ان کے ساتھ روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا: کیا تو وحشی بن حرب ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے ہی حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا؟ میں نے عرض کیا: جی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تجھ سے ہو سکے تو میرے سامنے نہ آنا۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا۔

کفار کی شکست

لڑائی میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ مشرکوں کے سواروں نے مسلمانوں پر تین بار حملہ کیا۔ تینوں دفعہ مسلمانوں کے تیر انداز دستے نے ان پر تیروں کی بارش کر کے ان کے حملوں کو پسپا کر دیا۔ ان کا ہر تیر یا تو مشرکین کے کسی گھوڑے کو لگتا تھا یا آدمی کو۔ آخر کار حضرت علیؓ، طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت ابو دجانہؓ کے تابڑ توڑ حملوں نے میدان سے کافروں کے پاؤں اکھاڑ دیے اور ان کی صفیں تتر بتر ہو گئیں اور وہ پیٹھ پھیر کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا میں تیر اندازوں کی جس جماعت کو درے کی حفاظت پر متعین فرمایا تھا وہ کافروں کو بھاگتے دیکھ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو روکا مگر وہ نہ مانے۔ خالد بن ولید نے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے موقع غنیمت سمجھا اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اپنے دس جاں باز ساتھیوں کے ساتھ جمے رہے، اور مسلسل تیر اندازی کرتے رہے، تیر ختم ہو گئے تو نیزے سے لڑنا شروع کیا، آخر وہ بھی ٹوٹ گیا، پھر تلوار سے لڑتے رہے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے ساتھی بھی ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے۔

اس دن سعد بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے موقع پا کر آں حضرت ﷺ پر ایک پتھر پھینکا، جس سے آپ کے دائیں جانب کا نیچے کا دندان مبارک شہید ہوگیا، اور نیچے کا لب مبارک زخمی ہوگیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں جس قدر اپنے بھائی کے قتل کا خواہش مند رہا، اتنا کبھی کسی کے قتل کا خواہش مند نہیں رہا۔

اسی دوران آپ ﷺ کے قتل کی افواہ بھی پھیل گئی اور لوگ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت حضرت ثابت بن وحداح نے انصار کے ایک چھوٹے سے گروپ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے گروہ انصار! اگر محمد قتل ہو گئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے اور اسے موت نہیں آسکتی۔ اپنے دین کے لیے لڑو، اللہ تمہیں فتح و کامرانی عطا فرمانے والا ہے۔ یہ سن کر انصار کا یہ گروہ اٹھا اور انہوں نے مشرکوں کے اس دستے پر حملہ کر دیا جس میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابو جہل، عمرو بن عاص اور ضرار بن خطاب تھے۔ خالد بن ولید کے جوابی حملے میں ثابت بن وحداح اور ان کے انصاری ساتھی شہید ہو گئے۔

اس موقع پر ابوسفیان نے تین مرتبہ کہا: کیا لوگوں میں محمد ہیں، رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو جواب دینے سے منع فرما دیا، پھر اس نے دو مرتبہ کہا: کیا قوم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ کیا قوم میں ابن الخطاب ہیں؟ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: یہ لوگ قتل ہو گئے ہیں، تم ان سے فارغ ہو چکے ہو۔ اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود پر قابو نہ رکھ سکے اور بولے: او اللہ کے دشمن! بہ خدا تو نے غلط کہا، جن کے تو نے نام گنوائے ہیں وہ سب زندہ ہیں، اب تیرے لیے پریشان کن خبر باقی رہی ہے۔ ابوسفیان نے کہا: یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے، جنگ تو ایک ڈول کی طرح ہے، تم اپنے لوگوں میں مثلہ پاؤ گے، میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا اور مجھے یہ برا بھی نہیں لگا۔ پھر وہ ہبل کی جے، ہبل کی جے پکارنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا: کہو! اللہ اعلیٰ و اجل، اللہ ہی بلند و برتر اور عظمت و جلال والا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: ہمارے پاس عُزّٰی (بت) ہے تمہارے پاس کوئی عُزّٰی نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کیا کہیں؟ فرمایا تم کہو اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم، اللہ ہمارا مولیٰ ہے، تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ثابت قدمی

خالد بن ولید کے اچانک حملے سے اگر چہ لوگ بدحواسی اور اضطراب کا شکار تھے، مگر رسول اللہ ﷺ کے پائے ثبات میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ حضرت مقداد کہتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ اپنی جگہ سے ایک بالشت بھی نہیں ہٹے اور دشمن کے مقابلے پر جمے رہے۔ صحابہؓ کی ایک جماعت کبھی آپ ﷺ کے پاس (حفاظت کے لیے) آتی تھی اور کبھی جاتی تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اپنی کمان سے برابر تیر پھینک رہے تھے، یہاں تک کہ دشمن آپ سے دور ہٹ گئے۔ اس موقع پر صحابہ کی ایک جماعت آپ کے گرد جمی رہی۔ یہ لوگ آپ پر مشرکوں کے حملوں کو روک کر آپ پر پروانوں کی طرح نثار ہو رہے تھے اور اپنی جانیں دے رہے تھے۔

مسلمانوں پر غنودگی

جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ (نعوذ باللہ) شہید ہو گئے تو بعض مسلمان اس سے پریشان ہو گئے اور کچھ دیر کے لیے ان کے قدم میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ چناں چہ اس معرکے میں جن کے مقدر میں شہادت کی سعادت لکھی ہوئی تھی وہ شہید ہو گئے اور کچھ لوگ میدان سے ہٹ گئے اور جو لوگ میدان میں باقی رہ گئے تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا اور ان پر نیند کی سی کیفیت طاری کر دی، جس سے لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے۔ اس نیند کے بعد کافروں کا وہ رعب جو مسلمانوں کے دل پر تھا، اس طرح دور ہو گیا جس طرح تکان دور ہو جاتی ہے۔ اور مسلمانوں نے پھر جو حملہ کیا تو مشرکین بھاگ اٹھے۔ پھر جب ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس جانے لگا تو اس نے بلند آواز سے کہا کہ آئندہ سال بدر پر لڑائی کا وعدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ میں سے کسی کو حکم دیا کہ اس سے کہہ دو کہ ہاں ہمارا اور تمہارا وعدہ ہے۔ ان شاء اللہ۔ احد کے روز ۷۰ صحابہ شہید ہوئے۔

تجہیز و تکفین

رسول اللہ ﷺ نے شہدا احد میں سے دو دو کو ایک چادر میں کفن دیا۔ پھر دریافت

فرمایا کہ ان میں سے کس کو زیادہ قرآن یاد تھا۔ جس کی طرف لوگ اشارہ کرتے آپ اسی کو لحد میں دوسرے پر مقدم کر دیتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ قیامت کے روز میں ان لوگوں کے حق میں شہادت دوں گا اور آپ نے یہ حکم دیا کہ ان کو اسی طرح خون آلودہ دفن کر دو۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام شہدا کو وہیں دفن کیا جائے، بعض صحابہ کی تجویز تھی کہ ان کے ورثا کو مدینہ منورہ منتقل کرنے کی اجازت دی جائے آپ نے منع فرما دیا۔

کافروں پر رعب طاری ہونا

جنگ کے بعد جب ابوسفیان اور مشرکین واپس جانے کے لیے روانہ ہو گئے تو کچھ راستہ طے کرنے کے بعد کہنے لگے کہ ہم نے بُرا کیا، پہلے تو ہم نے ان کو قتل کیا پھر جب چند بھاگے ہوئے لوگوں کے سوا ہمارے مقابلے میں کوئی نہ رہا تو ہم ان کو چھوڑ کر آ گئے۔ اس لیے مناسب ہے کہ ابھی واپس چلو اور ان کی جڑ ہی اکھاڑ دو۔ کافروں نے یہ ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے۔ اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

> ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اس سبب سے کہ انہوں نے خدا کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنایا جن کے لیے اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور آخرت میں ان کا ٹھکانا آگ یعنی دوزخ ہے۔ (آل عمران: ۱۵۱)

سوالات

۱۔ غزوۂ احد کے اسباب بیان کیجیے۔

۲۔ اُحد کے مشکل حالات میں رسول اللہ ﷺ کی ثابت قدمی بیان کیجیے۔

۳۔ غزوۂ اُحد کے نتائج تحریر کریں۔

غزوۂ حمراء الاسد، بنو نضیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہفتے کے دن ۱۵ شوال کو غزوۂ احد سے واپس لوٹے۔ دشمن کے پلٹ کر واپس آ جانے کے خیال سے اس روز خزرج اور اوس کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر ہی رات گزاری۔ ۱۶ شوال کو اتوار کے دن حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی اور صحابہ آپ کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ گھر سے برآمد ہوئے تو ایک شخص نے آ کر اطلاع دی کہ مشرکین کے روحا پہنچنے پر ابوسفیان نے کہا کہ مدینے واپس چلو، تاکہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان کا جڑ سے صفایا کر دیں۔ یہ سن کر صفوان بن اُمیہؓ نے کہا: لوگو! ایسا نہ کرو وہ لوگ شکست کھا چکے ہیں، اب مجھے اندیشہ ہے کہ خزرج کے جو لوگ رہ گئے تھے وہ تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے۔ اگر تم مدینے واپس جاؤ گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہاری فتح شکست میں نہ بدل جائے، لہٰذا مکے ہی واپس چلو۔

تمام گفت گو سننے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صفوان سیدھے راستے پر تو نہیں ہے، مگر اس کی رائے سب سے بہتر تھی۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان لوگوں پر برسنے کے لیے (غیبی) پتھر نامزد کر دیے گئے تھے۔ اگر وہ (مدینے کی طرف) واپس آتے تو گزرے ہوئے دن کی طرح گئے گزرے ہو جاتے اور ان کا نشان بھی باقی نہ رہتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلوا کر اس خبر کا تذکرہ کیا۔ دونوں نے جواب دیا کہ آپ دشمن کا تعاقب کیجیے، کہیں وہ ہمارے بال بچوں پر سر نہ اٹھائیں۔ اس مشورے کے بعد آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ منادی کر دو کہ لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں دشمن کا تعاقب کرنے کا حکم دیا ہے مگر ہمارے ساتھ آج لڑائی میں وہی لوگ نکلیں جو کل لڑائی میں حاضر تھے۔

حضرت اسید بن حضیرؓ کو نو زخم آئے تھے اور وہ ان کا علاج کرنا چاہتے تھے، آپ کا حکم سن کر بولے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر حاضر ہیں۔ چناں چہ آپ اپنے زخموں کے علاج کا خیال کیے بغیر حاضر ہو گئے۔ خاندان بنی سلمہ کے چالیس زخمی نکل کھڑے ہوئے، طفیل بن نعمانؓ کو ۱۳ زخم لگے تھے، خراش بن صمہؓ کو دس، کعب بن مالکؓ کو دس سے زیادہ اور عطیہ بن عامرؓ کو بھی نو زخم لگے تھے۔ غرض مسلمان اپنے زخموں کی طرف دھیان دیے بغیر فوراً اسلحہ لے کر تیار ہو گئے۔

عبداللہ بن ابی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بھی ساتھ چلوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے منادی نے ندا کی ہے کہ صرف وہی لوگ ہمارے ساتھ چلیں جو کل جنگ میں شریک تھے۔ میرا معاملہ یہ ہے کہ میں جنگ میں شریک ہونے کا بڑا خواہش مند تھا، مگر میرے والد نے مجھے اپنی جگہ میری سات (یا نو) بہنوں کا نگران مقرر کیا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ ان عورتوں کو کسی مرد کی سرپرستی کے بغیر یوں ہی نہ چھوڑنا۔ اس مجبوری کی بنا پر میں جہاد میں شریک ہونے سے رہ گیا، اور میرا باپ مجھے لڑکیوں کا نگران چھوڑ کر شہید ہو گیا۔ اب آپ مجھے اپنے ساتھ جانے کی اجازت عنایت فرما دیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس درخواست پر حضرت جابرؓ کو ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

مدینے سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ کے ہم راہ حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے، جو مدینے سے آٹھ میل کے فاصلے پر ذوالحلیفہ جاتے ہوئے راستے کے بائیں طرف واقع ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے سواری کے لیے تیس اونٹ دیے تھے اور کچھ جانور ذبح کرنے کے لیے دیے تھے۔ حمراء الاسد پہنچ کر پیر کے دن ۱۷ محرم کو اور منگل کے دن ۱۸ محرم کو اونٹ ذبح کیے گئے۔ آپ نے دن کے وقت صحابہ کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا، شام ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگ جلانے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم پر سب نے آگ روشن کی۔ کل پانچ سو جگہ آگ روشن کی گئی، تاکہ کافر دور سے دیکھ کر مسلمانوں کی کثرت محسوس کریں۔ حمراء الاسد میں آپ نے تین دن (۱۷، ۱۸ اور ۱۹ محرم) قیام کیا۔

معبد خزاعی کا مشورہ

تہامہ میں بنی خزاعہ کے مسلمان اور کافر سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میل جول رکھتے تھے اور آپ سے ان کا معاہدہ تھا۔ وہ تہامہ کی کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے۔ چناں چہ معبد خزاعی جو اس زمانے میں مشرک تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا اور اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جو تکلیف پہنچی ہمیں اس کا بڑا دکھ ہوا۔ ہماری دلی خواہش تھی کہ اللہ آپ کو اس سے بچائے رکھتا۔ اس کے بعد معبد خزاعی آپ سے رخصت ہو کر روحا میں ابوسفیان کے پاس پہنچا۔ ابوسفیان نے معبد کو دیکھ کر پوچھا کہ ادھر کی کیا خبر ہے؟ معبد نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھی اتنی بڑی فوج لے کر تمہاری تلاش میں نکلے ہیں کہ اتنی بڑی فوج میں نے کبھی نہیں دیکھی اور وہ لوگ سخت غصے میں ہیں۔ جو لوگ اس روز جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ اب ان کے ساتھ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ ان میں تمہارے لیے اتنا شدید غصہ ہے کہ میں نے کبھی ایسا غصہ نہیں دیکھا۔ ابوسفیان نے کہا: تیرا بُرا ہو تو کیا کہہ رہا ہے۔ معبد نے کہا: خدا کی قسم! میرے خیال میں تم کوچ بھی نہ کرنے پاؤ گے کہ گھوڑوں کی پیشانیاں تمہیں نظر آجائیں گی۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! ہم تو یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ لوٹ کر ان پر حملہ کر دیں، تاکہ ان کے باقی لوگوں کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ معبد نے کہا میں تمہیں اس حرکت سے روکتا ہوں۔ معبد کی اس بات نے اور صفوان کے مشورے نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا رخ موڑ دیا اور تعاقب کے ڈر سے وہ جلدی جلدی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

غزوۂ بنو نضیر

اس غزوے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲ جمادی الثانی ۴ ہجری قمری (۱۲ ربیع الاول ۴ ہجری قمریہ شمسی/ ۱۹ نومبر ۶۲۵ء) بہ روز منگل روانہ ہوئے۔ اس موقع پر بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ہجرت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے تشریف لائے تو بنو نضیر سے یہ معاہدہ ہوا کہ فریقین میں سے کوئی کسی کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا اور بنو نضیر نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر آپ کے مخالفوں سے لڑیں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے

مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے۔ جب جنگ بدر میں مسلمانوں کو مشرکین پر فتح حاصل ہوئی تو پہلے بنونضیر کہنے لگے کہ خدا کی قسم! یہ تو وہی نبی ہیں جن کے اوصاف توریت میں بیان کیے گئے ہیں، ان کا جھنڈا نیچا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد جب جنگ اُحد میں مسلمانوں کے تیر انداز دستے کی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح عارضی طور پر کچھ وقفے کے لیے پس پائی میں تبدیل ہوگئی، تو یہ لوگ آپ کی نبوت کے بارے میں شک کرنے لگے اور علی الاعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا اس کو توڑ دیا۔

اس کے علاوہ بھی بنونضیر نے متعدد بار سازشیں کیں، اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ چناں چہ ایک بار بنونضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام دیا کہ آپ اپنے ساتھ تیس آدمیوں کو لے کر آجائیں، ہم بھی اپنے تیس عالموں کو لے کر آتے ہیں، درمیانی مقام پر سب جمع ہو جائیں۔ اگر ہمارے علما آپ کی باتیں سن کر آپ کی تصدیق کر دیں اور آپ پر ایمان لے آئیں تو ہم سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی اور دوسرے روز تیس صحابہ کی ایک جماعت کو ہم راہ لے کر روانہ ہو گئے۔ دوسری طرف سے تیس یہودی علما بھی آ گئے۔ جب دونوں فریق کھلے میدان میں پہنچ گئے تو بنی نضیر آپس میں کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تیس جاں نثار موجود ہیں، اس لیے ان تک رسائی مشکل ہے۔ پھر انہوں نے اپنی اس تدبیر کی ناکامی کے بعد پیغام بھیجا کہ دونوں طرف کے ساٹھ آدمی جمع ہیں، اس لیے اس ماحول میں آپ کی بات سمجھنا مشکل ہے، لہٰذا آپ اپنے تین ساتھیوں کو لے کر آئیں اور ہماری طرف سے بھی تین عالم آجائیں گے، اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے۔

چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین صحابہ کے ساتھ نکلے اور ادھر سے تین یہودی علما آ گئے، جن کے پاس خنجر تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچانک شہید کرنا چاہتے تھے، مگر بنونضیر کی ایک عورت نے (اس کا بھائی مسلمان ہو گیا تھا اور انصاری تھا) بہ طور خیر خواہی اپنے بھائی کو بنونضیر کے ارادے کی اطلاع دے دی، اس کے بھائی نے فوراً خفیہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیوں کی سازش کی خبر دی، خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً مدینے کی طرف لوٹ آئے۔

بنونضیر کی ایک اور بدعہدی یہ تھی کہ بیرِ معونہ سے واپسی میں عمرو بن امیہ ضمیری نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا اور بنونضیر بھی چوں کہ بنی عامر کے حلیف تھے، اس لیے معاہدے کی رو سے دیت کا کچھ حصہ ان کے ذمے بھی واجب الادا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس سلسلے میں چند جلیل القدر صحابہ کرام کے ساتھ بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ آپ ﷺ جا کر ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔

یہودیوں نے کہا: اے ابوالقاسم! پہلے ہم آپ ﷺ کو کھانا کھلائیں گے، پھر جو آپ ﷺ کا مطالبہ ہوگا وہ آپ کو دے دیں گے۔ اس کے بعد یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ محمد ﷺ جتنے آج تمہارے قریب آ گئے ہیں، آئندہ کبھی اتنے قریب نہیں آئیں گے۔ اس وقت اگر کوئی اس مکان کی چھت پر چڑھ کر اوپر سے ان پر ایک بڑا پتھر گرا دے تو ہمیشہ کے لیے سکون ہو جائے۔ یہ گفت گو سن کر عمرو بن جحاش نے کہا کہ یہ کام میں کروں گا، چناں چہ وہ ایک بڑی چکی کا پاٹ نیچے گرا دینے کے ارادے سے گیا۔ سلام بن مشکم نے کہا: ایسا ہرگز نہ کرو، خدا کی قسم! اس کا رب اس کو خبر کر دے گا۔ نیز یہ بدعہدی ہے۔ تھوڑی دیر بعد جبریل نے آکر آپ کو ان کے ارادے کی اطلاع دی، آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر باہر آ گئے اور مدینے تشریف لے آئے۔

جب آپ ﷺ مدینے واپس آ گئے تو کنانہ بن صوریا نے، جو ایک یہودی سردار تھا، یہودیوں سے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ کیوں اٹھ کر چلے گئے؟ یہودیوں نے جواب دیا: خدا کی قسم! اس کی وجہ نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ۔ کنانہ نے کہا کیوں نہیں! تورات کی قسم میں تو اس کی وجہ جانتا ہوں۔ محمد ﷺ کو تمہارے ارادے کی خبر مل گئی ہے، تم لوگ خود فریبی میں مبتلا نہ رہو۔ خدا کی قسم! وہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ ہی نے ان کو تمہارے ارادے کی اطلاع دی، اسی لیے وہ اٹھ کر چلے گئے۔ بلاشبہ وہ آخری نبی ہیں۔ تم چاہتے تھے کہ آخری نبی ہارون کی نسل سے ہو، مگر اللہ نے جہاں چاہا اور جس کو چاہا نبوت عطا کر دی۔ ہماری کتابیں بتا رہی ہیں کہ آخری نبی مکے میں پیدا ہوں گے، اور ہجرت کر کے یثرب میں آئیں گے۔ ان کے اصول و اوصاف وہی ہیں جو ہماری کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم یہاں سے کوچ کر رہے ہو، تمہارے بچے ضائع ہو رہے ہیں، تم

اپنے گھروں کو چھوڑ رہے ہو، اور اپنے اموال کو خیر باد کہہ رہے ہو، یہ بات تمہارے لیے بہت ہی بری ہے۔ میرا کہا مانو اور دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرلو، تیسری کوئی بات تمہارے لیے بہتر نہیں ہے۔ لوگوں نے ابن صوریا سے پوچھا کہ وہ باتیں کیا ہیں، تو اس نے بتایا کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ اور محمد ﷺ کے صحابہ میں شامل ہو جاؤ، اس صورت میں تمہارے مال اور اولاد محفوظ ہو جائیں گے اور جو حال محمد ﷺ کے صحابہ کا ہے وہی تمہارا ہوگا، تمہارے مال بھی تمہارے قبضے میں رہیں گے، اور تمہیں گھروں سے بے دخل بھی نہیں کیا جائے گا۔

یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم توریت اور موسیٰ کی نصیحت کو نہیں چھوڑیں گے۔ کنانہ نے کہا کہ پھر دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس حکم بھیجیں گے کہ تم میرے شہر سے نکل جاؤ، تم ان کی یہ بات مان لینا۔ اس صورت میں وہ تمہاری جانوں اور مالوں کو بخش دیں گے، تمہیں اختیار ہوگا، چاہے تم اپنے مال فروخت کر دینا، چاہے اپنے ساتھ لے جانا۔ یہودیوں نے کہا ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ بنو نضیر سے اٹھ کر مدینے تشریف لے آئے تو آپ نے محمد بن مسلمہ کو بلوا کر حکم دیا کہ بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ دو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ۔ چناں چہ محمد بن مسلمہ نے بنو نضیر کے پاس جا کر کہا کہ تم نے غداری کر کے معاہدہ توڑ دیا ہے، اور جس غداری کا یہود نے ارادہ کیا تھا اس کو بیان کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ عمرو بن جحاش مکان کی چھت کے اوپر سے اللہ کے رسول ﷺ پر پتھر لڑکانا چاہتا تھا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ، تمہیں دس روز کی مہلت دیتا ہوں، اس کے بعد تم میں سے جو بھی نظر آئے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ فرمان سننے کے بعد یہود نے جنگل سے اپنی سواریاں منگوالیں اور جانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران عبداللہ بن ابی کے دو قاصد سوید اور داعش ان سے آکر ملے اور کہا کہ عبداللہ بن ابی نے کہا ہے کہ تم لوگ اپنے گھر اور سامان چھوڑ کر ہرگز مدینے سے نہ جانا، بل کہ اپنے قلعوں ہی میں رہنا۔ میرے پاس میری قوم اور عرب کے دو ہزار آدمی ہیں۔ ہم سب تمہاری مدد کے لیے تمہارے قلعوں کے اندر آجائیں گے اور بنو قریظہ بھی تمہاری مدد کریں گے اور بنی غطفان میں

سے جو تمہارے حلیف ہیں وہ بھی تمہاری مدد کریں گے۔

اس کے بعد عبداللہ بن ابی نے کعب بن اسد قرظی کے پاس آدمی بھیجا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ کعب نے کہا کہ ہم میں سے ایک آدمی بھی معاہدہ نہیں توڑے گا۔ ابی کو اس جواب سے مایوسی ہوئی۔ پھر اس نے حُیَیّ بن اَخطَبُ قُرظی کے پاس آدمی بھیجا اور امداد طلب کی۔ اس نے پہلے تو انکار کیا، پھر عبداللہ بن ابی کے بار بار پیغام بھیجنے پر آخر کار اس نے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس کسی کو بھیج کر یہ اطلاع دے دوں گا کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جائے گا، آپ کو جو کچھ کرنا ہے کر گزریں۔

سلام بن مشکم نے حیی بن اخطب سے کہا کہ اگر مجھے تیری رائے کی سبکی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنے ساتھ والے یہودیوں کو لے کر تجھ سے علیحدہ ہو جاتا۔ خدا کی قسم! تو خوب جانتا ہے اور ہم بھی جانتے ہیں اور جو لوگ تیرے ساتھ ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اوصاف ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں، اس کے باوجود ہم نے ان کی اتباع نہیں کی۔ اس کی وجہ صرف یہ جلن اور حسد ہے کہ ہارون کی اولاد سے نبوت نکل گئی۔ مناسب یہی ہے کہ انہوں نے ہمیں جو حکم دیا ہے ہم اس کو قبول کر لیں اور ان کے شہر سے نکل جائیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس بد عہدی میں تو میرا مخالف ہے اور تو ضرور معاہدہ توڑے گا۔

حیی بن اخطب نے سلام کا مشورہ قبول نہیں کیا اور اپنے بھائی جدی بن اخطب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ کہنے کے لیے بھیجا کہ ہم اپنے گھر نہیں چھوڑیں گے، آپ جو کرنا چاہیں کر لیں۔ اس نے اپنے بھائی کو یہ بھی کہا کہ وہ ابن ابی کو بھی اطلاع کر دے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاہدہ فسخ کرنے کی خبر بھیج دی ہے، اب تم اپنے وعدے کے مطابق عمل کرو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب جدی کی زبانی حیی کا پیغام سنا تو اللہ اکبر کہا اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی۔ آپ نے فرمایا! اب میں یہود کے ساتھ مقابلہ کروں گا۔ جدی جب ابن ابی کے پاس پہنچا تو وہ گھر میں تھا اور کچھ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو بنی نضیر کی آبادی کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ جدی بن اخطب وہاں سے اٹھ کر اپنے بھائی حیی کے پاس پہنچا۔ اس نے پوچھا کیا خبر ہے؟ جدی نے جواب دیا کہ بری خبر ہے۔ جس وقت میں نے جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وہ پیغام پہنچایا جس کے

لیے مجھے بھیجا گیا تھا، تو انہوں نے اللہ اکبر کہا اور کہا کہ اب میں یہود سے جنگ کروں گا۔ میں ابن ابی کے پاس پہنچا تو وہاں کوئی خبر ہی نہ تھی۔ ابن ابی نے بتایا کہ میں غطفان کے ان لوگوں کے پاس اطلاع بھیج رہا ہوں جو حلیف ہیں، وہ آکر تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے میں اپنی جگہ عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو نائب مقرر فرما کر بنونضیر کی طرف روانہ ہو گئے، عصر کی نماز بنونضیر کے میدان میں پہنچ کر پڑھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حملے کا ارادہ کیا تو بنونضیر اپنے قلعوں کی دیواروں پر چڑھ گئے اور وہاں سے پتھر اور تیر برسانے لگے۔ بنوقریظہ اس لڑائی میں الگ رہے اور انہوں نے بنونضیر کی کوئی مدد نہیں کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشا کی نماز پڑھ کر دس صحابہ کے ساتھ گھر واپس آ گئے اور اپنی جگہ حضرت علیؓ کو لشکر کا امیر مقرر کر دیا۔ مسلمانوں نے رات بھر محاصرہ قائم رکھا۔

حیی بن اخطب کا پیغام

صبح ہوئی تو حضرت بلال نے اذان دی اور آپ نے فجر کی نماز بنی خطم کے میدان میں ان دس صحابہ کے ساتھ پڑھی، جو آپ کے ہم راہ واپس آئے تھے۔ نماز فجر کے بعد آپ نے حضرت بلال کو اپنے لیے ایک قبہ بنانے کا حکم دیا۔ آپ نے اس قبے میں قیام فرمایا۔

اس وقت حیی بن اخطب نے پیغام بھیجا کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم دینے کو تیار ہیں اور ہم آپ کے شہر سے نکل جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: آج میں اس کو منظور نہیں کرتا۔ البتہ زرہ اور اسلحے کے علاوہ جتنا سامان تم اونٹ پر لاد سکتے ہو وہ لے جاؤ اور اپنے گھروں سے نکل جاؤ۔ سلام بن مشکم نے کہا کہ کم بخت اس بات کو قبول کر لے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے بھی بری بات قبول کرنی پڑے۔ حیی نے کہا اس سے بری بات اور کیا ہو گی۔

باغات کاٹنے کا حکم

محاصرے کے دوران آپ نے بنی نضیر پر دباؤ بڑھانے کے لیے ان کے باغات کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کام کے لیے ابولیلیٰ مازنی اور عبداللہ بن سلام کو متعین فرمایا۔ ابولیلی عجوہ کھجوروں

کو کاٹتے تھے اور عبداللہ بن سلام، لَوْن کھجوریں کاٹتے تھے، جب ان لوگوں نے کھجوریں کاٹنی شروع کیں تو یہودی عورتوں نے رنج وغم سے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، منہ نوچ ڈالے اور رو رو کر واویلا کرنے لگیں۔ بعض علما نے لکھا ہے کہ جو درخت اس دوران مسلمانوں نے کاٹے تھے ان کی تعداد صرف چھ تھی۔

بنونضیر کا قلعے سے اترنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ جاری رکھا۔ آخر صلح ہوگئی، یہودی قلعے سے نیچے اتر آئے اور اسلحہ چھوڑ کر باقی سامان اونٹوں پر لادنے لگے۔ اسی دوران عمرو بن جحاش کو کسی نے قتل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خبر سے خوشی ہوئی۔ بنونضیر نے کہا کہ کچھ لوگوں کے ذمے ہمارا قرض ہے، لہٰذا ہمیں اتنی مہلت دی جائے کہ ہم اپنا قرض وصول کر لیں۔ آپ نے ان حالات میں بھی یہود کو مہلت دے دی۔ بنونضیر نے عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کیا اور جو سامان لاد سکتے تھے وہ لاد لیا، یہاں تک کہ گھروں کو منہدم کر کے دروازوں کی چوکھٹیں بھی اکھاڑ لیں۔ باقی سامان اور اسلحہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ بنونضیر کے تھوڑے سے لوگ تو شام کی طرف چلے گئے، باقی لوگ اور آلِ حُقَیق اور حُیَی بن اَخطَب کا قبیلہ شام کی بہ جائے خیبر کو چلے گئے۔

بنونضیر کے مال کی تقسیم

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونضیر کے چھوڑے ہوئے مال واسباب کو تقسیم کرنے سے پہلے انصار کو جمع فرما کر خطبہ دیا۔ حمد وثنا کے بعد آپ نے مہاجرین کے ساتھ انصار کے سلوک و احسان کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا:

> اے گروہ انصار! اگر تم چاہو تو میں بنونضیر کے اموال کو تم میں اور مہاجروں میں برابر تقسیم کر دوں اور حسب سابق مہاجرین تمہارے ساتھ شریک رہیں اور اگر تم چاہو تو میں یہ مال صرف مہاجرین پر تقسیم کر دوں اور وہ تمہارے گھر خالی کر دیں۔

حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ نے جو انصار کے سردار تھے، عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نہایت خوش دلی سے اس پر راضی ہیں کہ آپ یہ مال صرف مہاجرین

میں تقسیم فرما دیں اور حسب سابق مہاجرین ہمارے گھروں میں رہیں اور کھانے پینے میں ہمارے شریک رہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انصار نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ مال آپ صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیں، ہم نہایت خوشی سے اس پر راضی اور آپ کا فیصلہ قبول کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کا یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعا فرمائی: اے اللہ! انصار پر اور انصار کی اولاد پر اپنی خاص مہربانی فرما۔ پھر آپ نے تمام مال مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔ انصار میں سے صرف ابودجانہؓ اور سہل بن حنیفؓ کو تنگ دستی کی وجہ سے مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔

سوالات

۱۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی سازشوں کا تذکرہ کیجیے۔

۲۔ یہودی قبیلے بنونضیر کی سازشوں کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اقدامات کیے؟

۳۔ ان حالات میں منافقین مدینہ کے کردار پر روشنی ڈالیں۔

غزوۂ احزاب

۱۰ شوال ۵ ہجری قمری (۸ جمادی الاخری ۵ ہجری قمریہ شمسی/ ۵ مارچ ۶۲۷ء)

اَحزاب، حزب کی جمع ہے۔ حزب جماعت یا گروہ کو کہتے ہیں۔ اس غزوے میں کفار کی مختلف جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو ختم کر دینے کا معاہدہ کر کے مدینے پر حملہ آور ہوئی تھیں، اس لیے قرآن کریم نے اس غزوے کو غزوۂ احزاب کا نام دیا ہے۔ اسی غزوے میں دشمن کو روکنے کے لیے خندق کھودی گئی تھی۔ اس لیے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

یہ غزوہ ۱۰ شوال ۵ ہجری قمری کو پیش آیا۔ بنو نضیر کے اکثر خاندان مدینے سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ وہیں انہوں نے قریش اور مختلف قبائل کی مدد سے مدینے پر اجتماعی حملہ کرنے کی سازش تیار کی۔ اس سازش میں یہود کے سرداروں میں سے سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، ہوذہ بن قیس الوائلی، ابو عمار الوائلی، ہوذہ بن الحقیق اور ابو عامر راہب شامل تھے۔ ان کے ساتھ بنی نضیر اور بنی ابو وائل کے اور افراد بھی تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ یہ سب لوگ مل کر قریش کے پاس مکے پہنچے اور ان کو آپ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ قریش نے جواب دیا کہ اے یہود کے لوگو! تم اہل علم ہو، تمہیں کتاب پہلے دی گئی ہے۔ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان دین کا اختلاف ہے۔ تم پہلے یہ بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا۔ یہود نے جواب دیا کہ تمہارا دین بہتر ہے اور تم حق پر ہو۔ یہود کی زبان سے اپنے دین کی تعریف سن کر قریش کے لوگ خوش ہو گئے اور ان کے اکسانے پر مسلمانوں سے جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ مزید اطمینان کے لیے قریش کے پچاس افراد نے حرم میں جا کر بیت اللہ کی دیوار سے اپنے سینے لگا کر اللہ سے یہ عہد کیا کہ ہم ایک دوسرے کو کبھی دھوکہ نہیں دیں گے، اور

جب تک ایک آدمی بھی زندہ رہے گا ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے۔

یہود کا یہ گروہ مشرکین مکہ سے معاہدہ کرنے کے بعد ایک بڑے اور جنگ جو قبیلے غطفان کے پاس پہنچا اور ان کو بتایا کہ ہم اور مشرکین مکہ مسلمانوں کے خلاف کارروائی پر متفق ہو گئے ہیں۔ تم لوگ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ اور ہم سے معاہدہ کرلو۔ نیز یہ پیش کش بھی کی کہ خیبر میں ایک سال میں جتنی کھجور پیدا ہوں گی وہ تمام یا اس کا نصف تمہیں دیا جائے گا۔ قبیلہ غطفان کے سردار عُیَینہ بن حصن فزاری نے بھی ان کے ساتھ جنگ میں شرکت منظور کرلی۔

قریش کا لشکر چار ہزار جوانوں، تین سو گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹوں کے ساتھ ابو سفیان بن حرب کی قیادت میں مکے سے نکلا اور مرالظہر ان میں پڑاؤ ڈالا۔ یہیں قبیلہ اسلم، قبیلہ اشجع اور بنو مرہ، بنو کنانہ اور فزارہ اور غطفان وغیرہ کے لوگ آکر شامل ہو گئے۔ لشکر کی مجموعی تعداد بعض روایات کے مطابق دس ہزار سے پندرہ ہزار بیان کی گئی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود و مشرکین اور دیگر عرب قبائل کے اتنی بڑی تعداد میں جمع ہو کر مدینے پر حملے کی غرض سے روانہ ہونے کی اطلاع ملی، تو سب سے پہلے آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمہ تھا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی ہمارا بہتر کارساز ہے۔

مشورہ

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے سرداروں کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا۔ مجلسِ مشورہ میں حضرت سلمان فارسی بھی شامل تھے، جو حال ہی میں ایک یہودی کی غلامی سے نجات حاصل کر کے اسلام کی خدمت کے لیے تیار ہوئے تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ فارس کے بادشاہ ایسی صورت میں دشمن کا حملہ روکنے کے لیے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کا یہ مشورہ پسند فرمایا اور خندق کھودنے کے لیے مدینے کے اطراف میں کوہ سلع کے پیچھے اس پورے راستے کی لمبائی کو متعین کر دیا، جس سے مدینے کے شمال کی طرف سے آنے والا دشمن آسکتا تھا۔ اس خندق کے طول و عرض کا خط خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھینچا۔ خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی، ظاہر ہے کہ چوڑائی اور گہرائی بھی خاصی ہوگی، جس کو عبور کرنا دشمن کے لیے آسان نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر دس

آدمیوں کو ۴۰ گز شرعی (یعنی ۴۰ ہاتھ) زمین کھودنے کا ذمے دار بنایا۔

صحابہ کرامؓ کی مشترکہ جدوجہد اور کوشش کے نتیجے میں یہ خندق چھ روز میں مکمل ہوئی۔ مسلمان جیسے ہی خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے تو کفار کا لشکرِ جرّار بھی مدینے پہنچ گیا۔ قریش اپنے حامی قبیلوں کے ساتھ مقام مُجْتَمَعُ الْاَسْیَالْ میں جرف اور زغابہ کے درمیان وادیٔ عقیق میں بئر رومہ کے پاس اترے۔ اور بنی غطفان اور ان کے نجدی ساتھی احد کے ایک جانب نَقْمیٰ کے پچھلے حصے میں اترے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوہ سَلَع کو پشت پر رکھ کر خندق اور کوہ سلع کے درمیانی حصے میں اپنی لشکر گاہ بنائی۔ اس طرح اسلامی لشکر اور کفار کے لشکر کے درمیان خندق حائل تھی۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی

قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے مدینے پہنچ کر قبیلہ بنو قریظہ کو بھی اپنے ساتھ ملانے کا منصوبہ بنایا۔ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ امن و مصالحت کا معاہدہ تھا۔ حیی بن اخطب اس کے پاس پہنچا تو پہلے تو اس نے اپنے قلعے کا دروازہ بند کر لیا اور کھولنے سے صاف انکار کر دیا، اور کہا کہ ہم تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ معاہدہ کر چکے ہیں اور یہ بڑی بدبختی ہوگی کہ ہم اپنا معاہدہ توڑ دیں۔ ہم نے آج تک ان کی طرف سے معاہدے کی پابندی اور سچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ مگر حیی نے اسے دروازہ کھولنے پر مجبور کر دیا، اور بنو قریظہ نے بھی بالآخر خاموشی سے معاہدہ توڑ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام کے ہم راہ جنگ کی تیاری میں مصروف تھے کہ انہیں معاہدہ توڑنے کا علم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت زبیر کو اس خبر کی تصدیق کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے آکر تصدیق کی۔ پھر آپ نے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ اور قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ ساعدیؓ کو واقعے کی تحقیق کے لیے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس بھیجا، اور ان کو ہدایت دی کہ اگر عہد شکنی کی خبر غلط ہو تو تمام صحابہ کے سامنے کھل کر بیان کر دینا اور اگر خبر صحیح ہو تو گول مول بات کہنا۔ چناں چہ یہ دونوں حضرات یہود کے پاس پہنچے تو علم ہوا کہ خبر درست تھی۔ انہوں نے خاموشی سے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیان کر دی۔

محاذِ جنگ کا حال

اس وقت محاذِ جنگ کی صورت یہ تھی کہ مسلمان خندق کی شہر والی جانب تھے، اور کفار سامنے، خندق کی وجہ سے کفار کا لشکر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ دونوں میں دور سے تیر اندازی اور پتھر برسانے کا سلسلہ رہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں جو کفار کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں۔ فوج کے ایک حصے کا انتظام خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنبھالا ہوا تھا۔ یوں تقریباً ایک مہینہ گزر گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابۂ کرامؓ دن رات خندق کے کنارے اس کی حفاظت کرتے تھے۔ اس دوران کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابۂ کرامؓ پر تین تین دن فاقے گزرے۔ ایک دن بھوک سے بے تاب ہو کر صحابہ کرامؓ نے آپ کو اپنے پیٹ دکھائے کہ پتھر بندھے ہوئے ہیں، مگر جب آپ نے اپنا شکمِ مبارک دکھایا تو ایک کے بہ جائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ عربوں کی عادت تھی کہ سخت بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے تاکہ کمر نہ جھکنے پائے۔

محاصرے کی سختی کو دیکھ کر ایک روز آپ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ انصار ہمت ہار جائیں، اس لیے آپ نے بنی غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینے کی پیداوار کا ایک تہائی ان کو دے دیا جائے۔ چناں چہ آپ نے ان کے سردار عیینہ بن حصن اور ابوالحارث بن عمرو کو بلوا کر ان سے فرمایا کہ تم اپنے (غطفانی) ساتھیوں کو لے کر اس شرط پر واپس چلے جاؤ کہ تمھیں مدینے کی کھجور کا ایک تہائی حصہ دے دیا جائے گا۔ وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے اور تحریر لکھ دی گئی، مگر ابھی اس پر دستخط ہونا باقی تھے کہ حضرت اسید بن حضیرؓ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اگر اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے تو اس کی تعمیل ہم پر واجب ہے۔ اب آپ ہمیں یہ بتایئے کہ یہ تدبیر آپ نے خود مناسب سمجھی اور آپ اس کو پسند فرماتے ہیں یا ہمارے فائدے کے لیے ایسا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ خاموش ہو گئے، اور سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بلایا۔ اور ان سے مشورہ کیا، انھوں نے بھی یہی کہا کہ اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو پورا کیجیے اور اگر آپ اپنی رائے سے یہ فیصلہ فرما رہے ہیں تو ہمارے پاس ان کے لیے سوائے تلوار کے کچھ نہیں۔ یہ کہہ کر سعد بن معاذ نے وہ صلح نامہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آپ نے فرمایا کہ نہ یہ حکم الٰہی ہے اور

نہ میری اپنی طبیعت کا تقاضا ہے، بل کہ میں نے صرف تمہاری تکلیف کو دیکھ کر یہ ارادہ کیا ہے، کیوں کہ تم ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو، تمام عرب تمہارے خلاف ہو گئے ہیں۔

حضرت سعد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایک وقت تھا کہ ہم اور یہ لوگ سب بت پرست اور مشرک تھے، ہم نہ اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے اور نہ اس کی عبادت کرتے تھے، اس زمانے میں ان لوگوں کو ہمارے پھل میں سے ایک دانہ بھی خریدے بغیر کھانے کی ہمت نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوئے اور ہم نے ان کو مہمان نوازی میں کچھ کھلا دیا۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائی اور اسلام جیسی دولت سے نوازا تو کیا آج ہم ان کو اپنا پھل مفت دے دیں۔ ہمیں ایسے معاہدے کی ضرورت نہیں، ہم ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

آپ ﷺ نے حضرت سعدؓ کا عزم اور غیرت ایمانی دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ حضرت سعدؓ نے صلح نامے کا کاغذ ان کے ہاتھ سے لے کر تحریر مٹا دی، کیوں کہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے۔ بنو غطفان کے سردار عیینہ اور حارث اس صلح کے لیے خود مجلس میں موجود تھے۔ صحابۂ کرامؓ کی قوت و شدت دیکھ کر ان کے دل خوف سے لرز اٹھے۔

شب خون مارنے کی کوشش

اسی دوران بنو قریظہ نے قریش کی مدد سے مدینے پر شب خون مارنا چاہا۔ جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے سلمہ بن اسلم کی قیادت میں دو سو آدمیوں کو اور زید بن حارثہؓ کی قیادت میں تین سو آدمیوں کو مقرر فرما دیا کہ مدینے کے مختلف مقامات اور قلعوں کی حفاظت کریں۔

رسول اللہ ﷺ رات کو سخت سردی میں بھی خود نگرانی فرماتے تھے۔ ایک رات آپ ﷺ نے اپنے خیمے میں نماز پڑھی اور جا کر نگرانی فرمانے لگے۔ پھر آپ نے عباد بن بشرؓ کو آواز دی۔ عباد نے جواب دیا: میں حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے ان سے

دریافت فرمایا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟ عباد نے عرض کیا ہاں! میرے قبیلے کے کچھ لوگ چوکیداری کررہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے جاؤ، خندق کے آس پاس کچھ مشرک شب خون مارنا چاہتے ہیں، انہیں روکو۔ عبادؓ اپنے آدمیوں کو لے کرفوراً خندق کی طرف چلے گئے۔ جاکر دیکھا کہ ابوسفیان اور کچھ دوسرے مشرک خندق کے تنگ مقام میں گھس آئے ہیں اور مسلمان تیر مار مار کر اور پتھر برسا کر ان کو روک رہے ہیں۔ عباد کا بیان ہے کہ میں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان پر پتھر برسائے، آخر مشرک شکست کھا کر بھاگ گئے۔

حضرت صفیہ کی بہادری

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کی طرف نکلے تو آپ نے اپنے گھر کی خواتین، خصوصاً اپنی پھوپھی صفیہ کو ایک چھوٹے قلعے میں بھیج دیا۔ ان کے ساتھ حسان بن ثابت بھی تھے۔ ایک یہودی اس قلعے کے گرد گھومتا ہوا نظر آیا۔ حضرت صفیہ نے حضرت حسان سے کہا کہ مجھے اس یہودی کی طرف سے اندیشہ ہے کہ یہ دشمن کو یہاں پناہ گزیں عورتوں کے بارے میں مطلع کر دے گا اور دشمن ہم پر حملہ کردے گا، اس لیے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کردو۔ حضرت حسان نے کہا کہ اللہ تیری مغفرت فرمائے! تمہیں معلوم ہے کہ میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں۔

حضرت صفیہ کہتی ہیں کہ جب میں حضرت حسان کی طرف سے مایوس ہوگئی تو میں نے ایک موٹا ڈنڈا اٹھایا اور قلعے سے نیچے اتر گئی۔ پھر قلعے کا دروازہ کھول کر خاموشی سے اس کے پیچھے گئی اور اچانک اس کے سر پر شدید ضرب لگائی، حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ پھر میں قلعے میں واپس آئی اور حسان سے کہا کہ اب تم نیچے جا کر اس کا سامان یعنی کپڑے اور ہتھیار وغیرہ اتار کر لے آؤ۔ میں نے خود یہ کام اس لیے نہیں کیا کہ وہ غیر مرد ہے۔ لیکن حضرت حسان نے اس میں دل چسپی نہیں لی۔

عام حملہ

ایک روز کفار نے طے کیا کہ تمام فوجیں مل کر ایک ساتھ عام حملہ کریں۔ خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم چوڑی تھی، یہی جگہ حملے کے لیے منتخب کی گئی۔

چناں چہ چند عرب جنگ جوؤں نے گھوڑوں کے ذریعے خندق کو پار کرلیا۔ ان سب میں زیادہ مشہور اور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ اکیلا ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس وقت اس کی عمر نوے برس تھی۔ سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکار کر مقابلے کے لیے آواز دی اور کہا کون مقابلے پر آتا ہے؟ حضرت علیؓ سے اس کا مقابلہ ہوا، اور انھوں نے وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ ان کی تلوار عمرو کا شانہ کاٹتی ہوئی نیچے اتر آئی، ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

عمرو کے بعد ہبیرہ اور ضرار نے حملہ کیا۔ حضرت علیؓ جب ان کی طرف بڑھے تو وہ بھاگ گئے۔ نوفل خندق میں جا گرا۔ صحابہ نے تیر اور پتھر مارنے شروع کیے تو اس نے پکار کر کہا کہ مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں، حضرت علیؓ نے خندق میں اتر کر اس کا کام تمام کیا۔ کافروں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ نوفل کی لاش ہمیں قیمتاً واپس دے دیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں نہ اس کی لاش کی ضرورت ہے اور نہ قیمت کی، تم لاش لے جاؤ۔

سعد بن معاذؓ کا زخمی ہونا

حضرت سعد بن معاذؓ بنی حارثہ کے قلعے میں جہاں عورتوں کو محفوظ کیا گیا تھا اپنی والدہ کے پاس گئے تھے۔ مدینے کے قلعوں میں یہ سب سے محفوظ قلعہ تھا۔ حضرت سعدؓ وہاں سے نکل کر جب لشکر میں پہنچے تو ان کو ایک تیر لگا، جس سے ان کی رگ اکحل کٹ گئی۔ یہ تیر حیان بن قیس عرفہ عامری نے مارا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تیر کے پھل سے اسے داغ دیا، زخم پر ورم آ گیا تو آپ نے اسے دوبارہ داغ دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد میں سعد کے لیے خیمہ لگوایا، تاکہ قریب رہ کر از خود ان کی عیادت فرماتے رہیں۔

چار نمازیں قضا ہونا

حملے کا ایک دن بہت سخت تھا، کافروں نے پوری خندق کو گھیرا ہوا تھا، دن بھر سخت لڑائی ہوتی رہی، جو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکی، یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کو نماز کے لیے ذرا سی بھی مہلت نہ ملی، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں عشا کے وقت میں پڑھی گئیں۔ جب محاذ کچھ نرم پڑا، اور رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو آپ

کے حکم سے حضرت بلالؓ نے پہلے اذان کہی پھر ہر نماز کی الگ الگ اقامت اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام نمازیں ترتیب سے ادا کیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا اور فتح کے آثار

جب محاصرہ زیادہ طویل ہوگیا اور مسلمانوں پر شدت کی انتہا ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح کے لیے دعا فرمائی۔ آپ مسلسل تین روز پیر، منگل اور بدھ کو اس مقام پر جہاں آج مسجد فتح موجود ہے، احزاب کی شکست و فرار اور مسلمانوں کی فتح کے لیے دعا فرماتے رہے۔ تیسرے روز بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان دعا قبول ہوئی اور صحابہ کرام نے آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار دیکھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو فتح کی بشارت سنائی۔

کفار کی صفوں میں قبیلہ غطفان ایک بڑی طاقت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان میں سے ایک شخص نعیم بن مسعود کے دل میں ایمان ڈال دیا۔ انہوں نے پوشیدہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے اسلام کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ ابھی میری قوم میں سے کسی کو میرے مسلمان ہونے کا پتہ نہیں۔ آپ حکم فرمائیں کہ میں اسلام کی کیا خدمت کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی قوم میں واپس جاکر کوئی تدبیر کرو، جس سے یہ حصار ختم ہو۔ نعیمؓ سب سے پہلے بنوقریظہ کے پاس گئے، جن سے ان کے قدیم تعلقات تھے۔ انہوں نے ان سے کہا کہ قریشِ مکہ، ہمارا قبیلہ غطفان اور دوسرے یہودی قبائل یہاں مسلمانوں سے جنگ کرنے آئے ہیں۔ اگر ان کو شکست ہوگئی تو یہ لوگ اپنے وطن واپس چلے جائیں گے، لیکن تمہارا معاملہ ان سے مختلف ہے، تم اپنا مال اور اہل وعیال چھوڑ کر کسی دوسرے شہر نہیں جاسکتے۔ بہتر یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ میں شرکت نہ کرو جب تک کہ اعتماد حاصل کرنے کے لیے ان کے کچھ سرداروں کو اپنے پاس رہن نہ رکھ لو۔ بنوقریظہ نے جواب دیا کہ تم نے صحیح مشورہ دیا ہے۔

پھر نعیمؓ یہاں سے نکل کر قریش کے پاس پہنچے اور ابوسفیان اور قریش کے دوسرے سرداروں سے کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں، مجھے ایک خبر ملی ہے کہ بنوقریظہ تمہارے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد اب اپنے فیصلے پر نادم ہیں اور انہوں نے اس کی اطلاع

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دے دی ہے اور ان سے کہا ہے کہ کیا آپ اس شرط پر ہم سے راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم قریش اور غطفان کے کچھ سرداروں کو پکڑ کر آپ کے حوالے کر دیں۔ اب اگر بنو قریظہ تمہارے کچھ سرداروں کو اپنے پاس رہن رکھنے کا مطالبہ کریں تو تم اپنے کسی آدمی کو ان کے حوالے نہ کرنا۔

ابوسفیان نے ورقہ بن غطفان اور عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ قبیلہ غطفان اور قریش کے کچھ آدمیوں کو بنوقریظہ کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے بنوقریظہ سے کہا کہ ہم یہاں قیام کرنے تو آئے نہیں۔ اب ہمارا سامان جنگ بھی ختم ہو رہا ہے اور ہمارے آدمی بھی مسلسل جنگ سے تھک رہے ہیں۔ ہم معاہدے کے مطابق آپ کی امداد اور شرکت کے منتظر ہیں۔ اب آپ لوگ لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔ بنوقریظہ نے جواب دیا کہ ایک بات تو یہ ہے کہ آج ہفتے کا دن ہے اور ہفتے کے دن ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہیں ہوں گے جب تک تم دونوں قبیلوں کے کچھ سردار ہمارے پاس بہ طور رہن نہیں چھوڑ دو گے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر لڑائی میں تمہیں کچھ نقصان پہنچا اور جنگ کی شدت ہوئی تو تم ہمیں چھوڑ کر اپنے شہروں کو واپس چلے جاؤ گے۔

یہ سن کر قریش اور غطفان کے سرداروں کو یقین ہو گیا کہ نعیمؓ بن مسعود نے صحیح کہا تھا۔ پھر انہوں نے بنوقریظہ کو کہلوا دیا کہ ہم اپنا ایک آدمی بھی تمہارے قبضے میں نہیں دیں گے۔ اگر تم بلاشرط لڑنا چاہتے ہو تو نکل کر جنگ کرو۔ بنوقریظہ کو جب قریش کا یہ پیغام ملا تو انہوں نے کہا کہ نعیمؓ بن مسعود نے جو بات کہی تھی وہ بالکل سچ تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن میں پھوٹ ڈال دی اور وہ ایک دوسرے کی مدد سے محروم ہو گئے۔

اس کے ساتھ ہی ان پر دوسری آسمانی افتاد یہ پڑی کہ سردی کی ایک سخت سرد رات میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک شدید برفانی ہوا مسلط کر دی، جس نے رسیاں توڑ دیں اور ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے، آگ بجھ گئی اور چولہوں سے ہانڈیاں الٹ گئیں۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ہے، جو ہمیں کفار کے لشکر کی خبر دے سکے؟ حضرت حذیفہ اٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعائیں دیں، انہوں نے دیکھا کہ طوفان نے کفار کے خیمے اکھاڑ دیے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں، اس وقت ابوسفیان آگ کے

پاس بیٹھا ہوا تاپ رہا تھا۔ ابوسفیان حالات سے پریشان ہوکر واپسی کا اعلان کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ قریش کے لوگو! یہ تمہارے قیام کی جگہ نہیں ہے۔ اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ بنوقریظہ نے ہم سے غداری کی اور ان کی طرف سے ہمیں جو جواب ملا وہ ہمارے لیے ناگوار تھا۔ ادھر اس طوفان کی وجہ سے جو مصیبت ہم پر پڑی وہ تمہارے سامنے ہے، لہٰذا کوچ کر چلو، میں تو روانہ ہو رہا ہوں۔ یہ کہہ کر ابوسفیان روانہ ہو گئے۔

حضرت حذیفہ نے یہ سارا منظر خود دیکھا، اور وہ خود فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا تو سخت سردی کے باوجود مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں گرم حمام میں چل رہا ہوں۔ جب آپ کی خدمت میں پہنچا اور سارا واقعہ عرض کیا، تو آپ سن کر ہنس پڑے، یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں آپ کے دندان مبارک چمکنے لگے۔

غزوہ خندق میں چھ مسلمان شہید ہوئے، اور مشرکین کے تین آدمی قتل ہوئے۔

سوالات

۱۔ غزوۂ احزاب کے لیے اہلِ مکہ کی تیاریوں کا تذکرہ کیجیے۔

۲۔ قبیلہ بنوقریظہ کے کردار کو بیان کیجیے۔

۳۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر وہ سخت حالات کیا تھے جن کے بارے میں قرآن فرماتا ہے کہ ''کلیجے منہ کو آ گئے''۔

غزوہ بنو قریظہ

عین غزوۂ خندق کے موقع پر معاہدے کے باوجود بنو قریظہ مسلمانوں کو دھوکہ دے چکے تھے، اس لیے وہاں سے فارغ ہو کر آپ ﷺ مدینے پہنچے ہی تھے کہ جبریل امین حضرت دحیہ کلبی صحابی کی صورت میں تشریف لائے اور کہا کہ آپ لوگوں نے ہتھیار کھول دیے ہیں، مگر فرشتوں نے اپنے ہتھیار ابھی تک نہیں کھولے۔ اللہ کا حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ پر حملہ کریں۔

آپ نے حکم دیا کہ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک کہ بنو قریظہ میں نہ پہنچ جائے، کچھ لوگوں کو نماز کا وقت راستے میں ہو گیا۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو بنو قریظہ ہی میں نماز پڑھیں گے اور بعض نے کہا کہ ہم عصر کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ نہ تھا۔ جب آپ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا، اور جلد پہنچ کر بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔

اس وقت تک بنو قریظہ کو لڑائی کا یقین ہو چکا تھا۔ حضرت علیؓ نے جا کر قلعے کی جڑ میں جھنڈا اگاڑ دیا۔ اس رات مزید کچھ نہیں ہوا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے آپ کے لیے کھجور کی کچھ بوریاں بھیج دیں، اس روز یہی سب کا کھانا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کھجور اچھا طعام ہے۔

صبح کو رسول اللہ ﷺ سحری کے وقت اٹھ گئے اور تیر اندازوں کو آگے بھیج دیا۔ انھوں نے جا کر قلعوں کا محاصرہ کر کے سنگ باری اور تیر اندازی شروع کر دی، یہود بھی قلعوں کے اندر سے تیر اور پتھر پھینکتے رہے۔ تمام دن اسی طرح گزر گیا، رات کو بھی محاصرہ جاری رہا اور مسلمان باری باری سے ڈیوٹی دیتے رہے۔ مسلمانوں کی طرف سے تیروں کی بارش برابر جاری رہی یہاں تک کہ یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور انھوں نے تیر برسانے بند

کر دیے اور مسلمانوں سے کہا کہ لڑائی بند کر دو ہم تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ان کی بات قبول کر لی۔ ان کی جانب سے نباش بن قیس نے آ کر بات چیت کی اور کہا کہ جن شرائط پر بنونضیر نے صلح کی تھی ہم بھی ان ہی شرائط پر صلح کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنا مال اور اسلحہ اور عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ آں حضرت ﷺ نے ان کی یہ شرط قبول نہیں فرمائی اور فرمایا تمہیں بلا شرط اپنے قلعوں سے اتر کر آنا ہو گا اور ہم جو فیصلہ کر دیں اس کو ماننا پڑے گا۔

کعب اور بنوقریظہ کی گفت گو

دوسری جانب یہود کے سردار کعب بن اسد نے کہا کہ اے بنوقریظہ! تم پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے وہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اب میں تمہارے سامنے تین باتیں رکھتا ہوں۔ تم ان میں سے جو چاہو اختیار کر لو۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم سب اسلام قبول کر لو اور محمد (ﷺ) کے تابع ہو جاؤ۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب لوگ جانتے ہو کہ وہ نبی برحق ہیں اور جو تورات تم پڑھتے ہو اس میں ان کی پیش گوئی موجود ہے۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تمہاری جان اور مال اور عورتیں اور بچے سب محفوظ رہیں گے۔ ہمیں ان کی پیروی سے اس حسد کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں کہ یہ عرب میں سے ہیں، بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا نبوت عطا فرما دی۔ مجھے عہد شکنی اور وعدے کی خلاف ورزی پہلے ہی پسند نہیں تھی مگر یہ مصیبت اور نحوست حُیَی بن اَخطَب کی وجہ سے آئی ہے۔ کعب نے کہا کہ تمہیں ابن جوَاس کی بات یاد نہیں جو اس نے تم سے کہی تھی۔ پھر یہودیوں کے پوچھنے پر کعب نے جواب دیا کہ ابن جواس نے کہا تھا کہ اس بستی میں ایک نبی کا خروج ہو گا۔ اگر میری زندگی میں ہوا تو میں اس کی پیروی اور مدد کروں گا، اگر وہ میرے بعد پیدا ہوا تو تم اس کی اتباع کرنا۔ خبردار! تم کسی کے بہکاوے میں نہ آنا، اس کے مددگار اور دوست رہنا، اگر تم ایسا کرو گے تو دونوں کتابوں پر تمہارا ایمان ہو جائے گا۔ ان کو میرا اسلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ان پر ایمان رکھتا ہوں۔ پھر کعب نے کہا: اے یہودیو! آؤ ہم اس سے بیعت کر لیں اور اس کے سچا ہونے کا اعتراف کر لیں۔

بنوقریظہ نے کہا: ہم تورات کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ کعب نے کہا اگر تم یہ بات نہیں مانتے

تو دوسری بات یہ ہے کہ آؤ پہلے ہم اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیں، پھر ہم سب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ پوری طاقت سے مقابلہ کریں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ کر دے، اگر ایسی حالت میں مر جائیں گے تو اپنے پیچھے کسی کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے کہ ہمیں ان کے متعلق کسی قسم کا اندیشہ ہو اور اگر ہم ان پر غالب آ گئے تو یقیناً ہمیں اور بیویاں اور بچے مل جائیں گے۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے کہ ہم ان کو قتل کر دیں، ان کے بعد جینے میں کیا لذت رہ جائے گی۔

پھر کعب نے کہا اگر تم یہ بات بھی تسلیم نہیں کرتے تو تیسری صورت یہ ہے کہ تم ہفتے کے دن مسلمانوں پر ایک دم حملہ کر دو، کیوں کہ مسلمان جانتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں ہفتے کے دن قتال حرام ہے، اس لیے وہ ہماری طرف سے اس دن بے فکر ہوں گے۔ ہم ان پر ناگہانی طور پر حملہ کر کے شاید کامیابی حاصل کر لیں۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم ہفتے کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے، کیوں کہ ہم سے پہلے جن لوگوں نے ہفتے کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی ان پر شکلیں مسخ کرنے والا عذاب آیا تھا، اس لیے ہم یہ حرکت نہیں کر سکتے کہ کہیں ہم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے۔ پھر کعب نے کہا کہ تم میں سے کوئی بھی جب سے پیدا ہوا، اس وقت سے اب تک ایک دن کے لیے بھی کبھی سمجھ دار نہیں ہوا۔

بنی ہذیل کے ثعلبہ بن سعید، اسید بن سعید اور اسد بن عبید کا رشتہ اوپر جا کر کسی پشت میں بنو قریظہ سے مل جاتا ہے، ان لوگوں نے ان سے کہا کہ اے بنو قریظہ! خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، ان کا حلیہ اور اوصاف ہماری کتابوں میں درج ہیں، جو ہمارے اور بنی نضیر کے علما بیان کرتے رہے۔ ابن حیان ہمارے نزدیک بڑا سچا آدمی تھا، حیی بن اخطب اس کے حالات سے واقف ہے، اس نے مرتے وقت اللہ کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حلیہ اور اوصاف بیان کیے تھے۔ یہ سن کر بھی بنو قریظہ نے کہا کہ ہم تورات کو نہیں چھوڑیں گے۔ جب ثعلبہ، اسید اور اسد نے دیکھا کہ بنو قریظہ ان کی بات ماننے کو تیار نہیں تو تینوں اس دن صبح ہوتے ہی قلعے سے اتر گئے اور جا کر مسلمان ہو گئے اور اپنی جانوں، مالوں اور اہل و عیال کو محفوظ کر لیا۔

پھر عمرو بن مسعود نے کہا کہ اے بنو قریظہ! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جن باتوں پر معاہدہ

کیا تھا اس سے تم واقف ہو، تم نے اس معاہدے کو توڑ دیا۔ معاہدہ کرنے اور معاہدہ توڑنے میں میں تمہارا شریک نہیں تھا۔ اب اگر تم مسلمان ہونے سے انکار کرتے ہو تو جزیہ قبول کر کے یہودیت پر قائم رہو۔ بنو قریظہ نے کہا کہ ہم عرب کو جزیہ دینے کا بار اپنی گردنوں پر نہیں لیں گے، اس سے تو قتل ہو جانا بہتر ہے۔ عمرو نے کہا کہ پھر میں تم سے الگ ہوں۔ یہ بھی رات کو قلعے سے اتر کر مسلمانوں کی طرف آ گیا اور صبح کو لوگوں کے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے وفائے عہد کی وجہ سے بچا لیا۔

ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کے بنو قریظہ سے حلیفانہ تعلقات تھے، اس لیے انہیں خیال ہوا کہ شاید اس آڑے وقت میں وہ ہماری کچھ مدد کر سکیں۔ لہٰذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ابولبابہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیں، ہم اس معاملے میں ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ آپ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے ابوالبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ وہ جیسے ہی وہاں پہنچے یہودی ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور عورتوں اور بچوں نے ان کو دیکھ کر رونا شروع کر دیا، جس سے ابولبابہؓ کا دل بھر آیا۔ بنو قریظہ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم منظور کر لیں اور اپنے قلعوں سے اتر آئیں۔ ابولبابہ نے کہا ہاں بہتر ہے، مگر ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ذبح کیے جاؤ گے۔ حضرت ابولبابہؓ کا بیان ہے کہ میں اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا کہ مجھے خیال آ گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہے۔ حضرت ابولبابہؓ وہاں سے چل کر سیدھے مسجد نبوی میں آئے اور ایک ستون سے اپنے آپ کو بندھوا دیا اور قسم کھائی کہ میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے یا میں مر جاؤں، اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ اب بنو قریظہ میں کبھی قدم نہیں رکھوں گا، اور جس شہر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیانت کی ہے اس کو کبھی نہ دیکھوں گا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا اس کو اسی طرح بندھا رہنے دو، جب تک اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ فرما دے۔ اگر وہ پہلے میرے پاس آ جاتا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعا کرتا۔

چھ روز بعد سحری کے وقت ان کی توبہ قبول ہوئی اور اس بارے میں وحی نازل ہوئی۔ اس

وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے آپ سے اجازت لے کر ان کو بشارت سنائی اور مبارک باد دی (اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا)۔ یہ سن کر مسلمان ان کو کھولنے کے لیے دوڑے، ابولبابہؓ نے کہا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے، میں اس وقت تک نہ کھلوں گا۔ چناں چہ آپ جب صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے تو خود دست مبارک سے ان کو کھولا۔

بنوقریظہ کا قلعے سے اترنا

بنوقریضہ کا یہ محاصرہ پندرہ یا پچیس روز جاری رہا، یہاں تک کہ وہ محاصرے سے تنگ آگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے۔ آپ نے ان کی مشکیں کسنے کا حکم دے دیا اور محمد بن مسلمہؓ کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ پھر عورتوں اور بچوں کو قلعوں سے باہر لایا گیا۔ یہ خدمت عبداللہ بن سلامؓ کے سپرد تھی۔ پھر ان کا سامان جمع کیا گیا جس میں پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار بھالے، ۱۵ سو چمڑے کی چھوٹی بڑی ڈھالیں اور بہت سا گھریلو سامان اور برتن اور بہت سے مویشی وغیرہ ملے۔ اس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گئے۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ لوگ ہمارے حلیف ہیں اور اپنی گزشتہ عہد شکنی پر نادم ہیں، ان کو ہماری وجہ سے معاف فرما دیجیے۔ آپ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جب اوس والوں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ یہ فیصلہ تمہارے ہی ایک آدمی کے سپرد کر دیا جائے، اوس والوں نے رضامندی ظاہر کر دی تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ فیصلہ سعد بن معاذؓ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس پر سب لوگ راضی ہو گئے۔

جیسا کہ پہلے تحریر ہو چکا ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ غزوۂ احزاب میں زخمی ہو گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تیمارداری کے لیے مسجد نبوی کے احاطے میں ان کے لیے ایک خیمہ لگوایا تھا، تاکہ آپ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔ آپ نے ان کو بلانے کے لیے ایک

آدمی بھیجا۔ حضرت سعدؓ تشریف لائے۔ جب وہ قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اپنے سردار کی تعظیم کے لیے اٹھو۔ حضرت سعد نے فیصلہ فرمایا کہ ان کے لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے اموال کو بانٹ لیا جائے۔ یہ فیصلہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔

حضرت سعدؓ کی شہادت

اس فیصلے سے فراغت کے بعد حضرت سعدؓ نے یہ دعا مانگی۔ اے اللہ! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ میں اس قوم سے جہاد کروں جس نے تیرے رسول ﷺ کو جھٹلایا اور اس کو (وطن سے) نکالا۔ اے اللہ! میرا گمان ہے کہ تو نے ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کو ختم کر دیا ہے۔ پس اگر ابھی قریش سے لڑنا باقی ہے تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، تاکہ میں تیرے راستے میں ان سے جہاد کروں اور اگر تو نے لڑائی کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو جاری کر دے اور اس کو میری شہادت کا ذریعہ بنا دے۔ اسی وقت حضرت سعدؓ کے زخم سے خون جاری ہو گیا اور اسی میں ان کی وفات ہوئی۔

یہود کا قتل

آپ ﷺ کے حکم سے یہودیوں کو رملہ بنت حارث نجاریہ کے گھر میں بند کر دیا گیا۔ پھر صبح کو آپ مدینے کے بازار میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے بنو قریظہ کے مردوں کو ایک ایک کر کے بلوایا اور اس گڑھے میں ان کی گردنیں ماری جانے لگیں۔ کعب بن اسد یہودیوں کو قطار میں لگا کر آپ ﷺ کی خدمت میں لے جا رہا تھا۔ یہودیوں نے اس سے پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے محمد (ﷺ) ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ کعب نے جواب دیا وہ تمہارے ساتھ وہ سلوک کریں گے جو تمہیں پسند نہیں ہوگا۔ تم میں سے جو جائے گا وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ خدا کی قسم! اب تمہارے لیے تلوار ہی ہے۔ بنو قریظہ کے قتل کی خدمت حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام نے انجام دی۔ جن لوگوں کی گردن ماری گئی ان کی تعداد ۶ سو سے سات سو کے درمیان تھی۔

حیی کا قتل

حیی بن اخطب کو لایا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے میرے قابو میں نہیں کر دیا۔ اس نے جواب دیا کیوں نہیں مگر آپ سے دشمنی رکھنے پر میں اپنے آپ کو قابل ملامت نہیں سمجھتا، کیوں کہ اپنے خیال میں، میں آپ پر غالب آنا چاہتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا۔ میں نے ہر چند کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ جس کی مدد نہ کرے اس کی مدد کوئی نہیں کرتا۔ پھر وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ جس کی مدد نہ کرے اس کی مدد کوئی نہیں کرتا۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوئی خرابی نہیں۔ بنی اسرائیل پر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا ہوا اور مقرر کیا ہوا امر ہے۔ یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا اور اس کی بھی گردن مار دی گئی۔

قتل میں وقفہ

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنے قیدیوں سے بھلائی کرو اور دوپہر کا وقفہ دو اور پانی پلاؤ، تاکہ ان کو کچھ ٹھنڈک مل جائے۔ پھر جو باقی رہ گئے ہیں ان کو قتل کر دینا، دوہری گرمی کی مار ان پر نہ ڈالو۔ ایک تلوار کی گرمی دوسرے سورج کی گرمی۔ پھر لوگوں نے یہودیوں کو دوپہر کا وقفہ دیا اور پانی پلایا۔ جب موسم کی شدت میں کچھ کمی ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کر دیا گیا۔

کعب بن اسد کا قتل

جب کعب بن اسد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ابن جواس نے تمہیں نصیحت کی تھی اور میرے متعلق اس نے سچ کہا تھا، مگر تم نے اس کی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ کیا اس نے تمہیں میری پیروی کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا اور کیا اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر تمہاری ملاقات مجھ سے ہو جائے تو مجھے اس کی طرف سے سلام پہنچا دینا۔ کعب نے کہا: اے ابو القاسم! تورات کی قسم بے شک اس نے یہی کہا تھا۔ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ یہودی مجھے ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ تلوار سے ڈر گیا تو میں ضرور آپ کی

پیروی کرتا، مگر اب میں یہودیت پر قائم ہوں۔ پھر آپ کے حکم سے اس کو بھی قتل گاہ میں پیش کیا گیا اور اس کی گردن ماردی گئی۔

بنانہ کا قتل

اس روز بنی نضیر کی ایک عورت کے سوا کسی اور عورت کو قتل نہیں کیا گیا، اس عورت کا نام بنانہ تھا۔ جب محاصرہ سخت ہو گیا تھا تو بنانہ اپنے شوہر کے سامنے روئی اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے۔ شوہر نے کہا: توریت کی قسم! تو اور کسی کام نہیں آسکتی تو اس چکی کے پاٹ کو اوپر سے مسلمانوں پر گرادے، کیوں کہ اب تک ہم ان میں سے کسی کو قتل نہیں کر سکے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم پر غالب آگئے تو وہ تجھے قتل نہیں کریں گے، کیوں کہ وہ عورتوں کو قتل نہیں کرتے۔

بنانہ اس وقت زبیر بن باطہ کے قلعے میں تھی اور اس وقت کچھ مسلمان قلعے کی دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بنانہ نے قلعے کے اوپر سے مسلمانوں پر چکی کا پاٹ گرادیا جس سے خلاد بن سوید کا سر پاش پاش ہو گیا اور ان کی وفات ہوگئی۔ یہ حرکت دیکھ کر مسلمان وہاں سے ہٹ گئے۔ اس دن حضرت خلاد کے بدلے میں بنانہ کی گردن ماری گئی۔

زبیر قرظی کا واقعہ

محمد بن اسحاق نے زہری کی روایت سے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں جنگ بعاث کے دن زبیر بن باطا قرظی نے ثابت بن قیس بن شماس کو پکڑ لیا اور پھر قتل کرنے یا غلام بنانے کے بجائے اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر چھوڑ دیا تھا۔ جب بنوقریظہ کا یہ دن آیا تو زبیر بن باطا قرضی بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ ثابت بن قیس نے اس سے پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن! (زبیر کی کنیت) کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ زبیر نے جواب دیا کہ میں کس طرح تم سے انجان رہ سکتا ہوں۔ ثابت نے کہا تم نے جو مجھ پر احسان کیا تھا، آج میں تمہیں اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں۔ زبیر نے جواب دیا کہ شریف لوگ بھلائی کا بدلہ بھلائی ہی سے دیتے ہیں۔

اس کے بعد ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! زبیر کا مجھ پر ایک احسان تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کا بدلہ اتار دوں۔ آپ زبیر کی جان مجھے عطا فرمادیں۔ آپ نے فرمایا وہ تمہیں بخش دیا گیا۔ ثابت نے آکر زبیر سے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے تمہاری جان بخشی کردی۔ زبیر نے جواب دیا ایک بوڑھا آدمی زندہ رہ کر کیا کرے گا جس کے نہ بیوی ہو نہ بچے۔ یہ سن کر ثابت پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! زبیر کے بال بچوں کو معاف فرمادیجیے۔ آپ نے فرمایا وہ بھی تمہیں دے دیے گئے۔ ثابت نے جا کر زبیر کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے اہل وعیال مجھے ہبہ کردیے ہیں اور اب ان کو میں تمہیں دیتا ہوں۔ زبیر نے کہا وہ گھر والے جو حجاز میں ہوں اور ان کے پاس کچھ مال نہ ہو، کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں؟ ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ اس کا مال بھی عطا فرمادیجیے۔ آپ نے فرمایا وہ بھی تمہیں دے دیا گیا۔ ثابت نے جا کر زبیر کو بتایا کہ تمہارا مال بھی مجھے دے دیا گیا اور اب وہ تمہارا ہے۔

پھر زبیر نے کعب بن اسد کے بارے میں پوچھا۔ ثابت نے کہا اس کو قتل کردیا گیا، زبیر نے حیی بن اخطب کے بارے میں پوچھا۔ ثابت نے کہا وہ بھی قتل ہوگیا۔ اس کے بعد زبیر نے غزالہ بن شمول کے بارے میں دریافت کیا۔ ثابت نے جواب دیا وہ بھی قتل ہوگیا۔ پھر زبیر نے پوچھا بنی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کے لوگوں کا کیا ہوا۔ ثابت نے کہا وہ سب مارے گئے۔ زبیر کہنے لگا، ثابت میں نے تیرے ساتھ جو بھلائی کی تھی میں اس کا واسطہ دے کر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے بھی انہیں لوگوں کے پاس پہنچا دے۔ خدا کی قسم! ان کے بعد زندگی کا مزہ نہیں، مگر ثابت میرے بعد میرے اہل وعیال کا لحاظ رکھنا، اپنے ساتھی سے درخواست کرنا کہ وہ ان کو آزاد کردے اور ان کا مال ان کو دے دے۔ چناں چہ ثابتؓ کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیر کے اہل وعیال کو آزاد کردیا اور ان کا مال ان کو دے دیا، سوائے ہتھیاروں کے۔ پھر زبیر نے کہا ثابت میرا جو حق تجھ پر ہے میں اس کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تو مجھے ان دوستوں سے جلد ملا دے، مجھ سے اب صبر نہیں ہوسکتا۔ پھر ثابت نے زبیر کی گردن ماردی۔

ایک روایت میں ہے کہ ثابت نے کہا کہ زبیر مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تجھے قتل کردوں۔ زبیر نے جواب دیا کہ مجھے پروا نہیں کہ میرا قاتل کون ہو، آخر حضرت زبیر بن عوام نے اس کو قتل کیا۔

حضرت صفیہ

اس غزوے میں جو لوگ قید ہوئے ان میں حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب بھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے لیے منتخب فرما یا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم کے پاس بھیج دیا۔ وہ وہیں رہیں۔ پھر اللہ نے ان کو ہدایت دی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔ آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا، اور ان کی آزادی کو ان کا مہر ٹھہرایا۔

اس سے پہلے آپ نے حضرت صفیہ کو اختیار دیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان کو آزاد کریں اور وہ اپنے ان رشتے داروں کے پاس چلی جائیں جو زندہ باقی رہ گئے ہیں اور یا وہ مسلمان ہو جائیں تو اس صورت میں آپ ان کو اپنے لیے قبول فرما لیں گے۔ یہ سن کر حضرت صفیہ نے کہا کہ میں اپنے لیے اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب کرتی ہوں۔

عورتوں اور مال کی تقسیم

اس کے بعد بنو قریظہ کے مال و اسباب اور عورتوں کی تقسیم کی گئی۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی اور ان میں ۳۶ گھوڑے سوار تھے۔ کل مال کے ۳۰۷۲ حصہ کیے گئے ہر آدمی کا ایک حصہ اور گھوڑے سوار کا دوہرا حصہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین گھوڑے تھے، لیکن صرف ایک گھوڑے کا حصہ مقرر کیا گیا۔

سوالات

۱۔ بنو قریظہ کو اپنی بدعہدی کا کیا نتیجہ بھگتنا پڑا؟

۲۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کا واقعہ بیان کیجیے۔

۳۔ کعب بن اسد کون تھا؟

عمرۃ الحدیبیہ

۶ ہجری قمری میں یکم ذی قعدہ (یکم جب ۶ ہجری قمریہ شمسی / ۱۴ مارچ ۶۲۸ء)

حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے جس سے متصل اسی نام سے ایک گاؤں آباد تھا، جو مکے سے ۹ میل کے فاصلے پر ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں ایک خواب دیکھا کہ آپ نے اپنے صحابہؓ کے ہم راہ عمرہ ادا کیا اور بیت اللہ میں داخل ہوگئے۔ انبیا علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، مگر خواب میں اس کے لیے کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو خواب سنایا تو وہ سب کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے ایسے مشتاق ہوئے کہ انہوں نے فوراً تیاری شروع کردی۔

مدینے سے روانگی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے ۶ ہجری قمری میں یکم ذی قعدہ، پیر کے دن روانہ ہوئے۔ حضرت ام سلمہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ مدینے میں آپ نے حضرت ابن امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا۔ مہاجرین، انصار اور دیہات کے دوسرے عرب بھی آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل گئے، جن کی تعداد چودہ سو سے پندرہ سو کے درمیان تھی۔ آپ نے کسی قسم کا اسلحہ ساتھ نہیں لیا، صرف تلواریں ساتھ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں سے بُسر بن سفیانؓ کو قریش کی خبریں معلوم کرنے کے لیے پہلے بھیج دیا اور عباد بن بشیر کو بیس سواروں کے ہم راہ ہراول کے طور پر آگے روانہ کردیا۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ذوالحلیفہ کی مسجد کے دروازے سے اونٹنی پر سوار ہوگئے، جو قبلہ رخ تھی۔ جب اونٹنی اٹھی تو آپ نے عمرے کا احرام باندھ لیا اور تلبیہ پڑھا، تاکہ لوگوں کو

یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کسی قسم کی لڑائی کے لیے نہیں، بل کہ کعبے کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں۔ آں حضرت ﷺ نے جحفہ پہنچ کر ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔

قریش کے لوگوں کو جب آں حضرت ﷺ کی روانگی کی خبر ملی تو وہ سخت پریشان ہوئے، کیوں کہ ذی قعدہ حرمت والے مہینوں میں سے تھا، عربوں کے دستور کے مطابق ان مہینوں میں جو قافلہ احرام باندھ کر حج یا عمرے کے لیے جا رہا ہو اس کو روکنے کا کسی کو حق نہیں تھا، حتیٰ کہ اگر کسی قبیلے سے اس قافلے کی دشمنی بھی ہو تو اس وقت کے مسلمہ عرب قوانین کی رو سے وہ اپنے علاقے سے گزرنے میں اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا تھا۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ بھی ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جو احرام باندھے ہوئے تھے اور غیر مسلح تھے اور ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے۔ جن کی گردنوں میں علامت کے طور پر قلادے پڑے ہوئے تھے۔

قریش کے لوگ اس الجھن میں تھے کہ اگر ہم نے حملہ کر کے اس قافلے کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تو عرب قبائل یہ سمجھیں گے کہ ہم خانہ کعبہ کے مالک بن گئے ہیں اور آئندہ کسی کا حج و عمرہ کرنا ہماری مرضی پر موقوف ہوگا۔ اس طرح تمام عرب قبائل ہمارے خلاف ہو جائیں گے۔ بہ صورت دیگر اگر ہم محمد (ﷺ) کو قافلے سمیت شہر میں داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں تو تمام عرب اس کو ہماری کم زوری سمجھیں گے، اور ہم ان کی نگاہوں میں گر جائیں گے۔ آخر بڑی سوچ و بچار کے بعد انہوں نے یہی طے کیا کہ ہم کسی قیمت پر بھی اس قافلے کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ پھر قریش نے خالد بن ولید کو (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) آپ ﷺ کو روکنے کے لیے دو سو سواروں کے ہم راہ کرّاع الغمیم بھیج دیا۔

قریش نے آں حضرت ﷺ کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے مقام بلدح سے لے کر اس مقام تک جہاں آپ پہنچ چکے تھے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر دس جاسوس بٹھا دیے۔ آپ کے متصل پہاڑ والا آدمی بلند آواز سے دوسرے پہاڑ والے آدمی کو اور دوسرا تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو آپ کی نقل و حرکت سے مطلع کرتا تھا۔ اس طرح آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی تمام نقل و حرکت چند منٹوں میں قریش تک پہنچ جاتی تھی۔

بسر بن سفیان واپس آ کر عسفان کے عقب میں غدیر الاشطاط کے مقام پر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے اور عرض کیا کہ قریش کو آپ کی روانگی کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ مکے سے مقام ذی طویٰ میں نکل آئے ہیں۔ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں، ان سب نے قسمیں کھا کر معاہدہ کرلیا ہے کہ آپ کو مکے میں ہرگز نہیں داخل ہونے دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ کعبے کی زیارت کے لیے چلے ہیں، آپ کا ارادہ کسی سے قتال کرنے کا نہیں ہے، لہٰذا آپ کعبے کا رخ کریں، اگر کسی نے ہمیں روکا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بات کی تائید کی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر چل پڑو۔

بدیل کی گفت گو

بدیل بن ورقا خزاعی (فتح مکہ میں مسلمان ہوئے) اپنے قبیلے کے چند لوگوں کے ساتھ خزاعہ سے آیا۔ یہ لوگ اہل تہامہ میں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیر خواہوں میں سے تھے۔ بدیل نے کہا کہ میں نے کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو حدیبیہ کے چشموں پر چھوڑا ہے اور ان کے ساتھ دودھ والی اونٹنیاں ہیں (یعنی ان لوگون کا طویل قیام کا ارادہ ہے) وہ لوگ آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو بیت اللہ جانے سے روکنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، بل کہ عمرہ کرنے آئے ہیں اور قریش کو لڑائی نے کم زور کر دیا ہے، اور ان کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں ان سے ایک مدت مقرر کرلوں جس کے دوران وہ میرے اور عرب کے درمیان دخل نہ دیں۔ اگر میں غالب آ جاؤں تو ان کو اختیار ہو گا کہ وہ چاہیں تو دین میں داخل ہو جائیں، اور اگر میں غالب نہ ہوسکا تو قریش کی مراد پوری ہو جائے گی۔ اگر وہ لوگ یہ بات منظور نہیں کریں گے تو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ان سے اپنے اس کام (دین) کے لیے ضرور لڑتا رہوں گا، یہاں تک کہ میں اکیلا رہ جاؤں، اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور نافذ کرے گا۔ بدیل نے کہا میں آپ کی باتیں قریش کو پہنچا دوں گا، چناں چہ اس نے جا کر قریش سے کہا کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ گفت گو سنی ہے، پس اگر تم چاہو تو تمھیں بتا دیں۔ قریش میں سے کچھ بے وقوف لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ تم ہمیں اس کی کسی بات کی خبر دو۔ مگر ان میں سے سمجھ دار لوگوں نے کہا

کہ اچھا تم نے جو کچھ سنا ہے وہ بیان کرو۔ بدیل نے جو سنا تھا بیان کر دیا۔

عُروہ بن مسعود کی گفت گو

پھر عروہ بن مسعود نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے قوم! کیا میں تمہارے لیے باپ کی طرح نہیں ہوں، اور تم میرے لیے اولاد کی طرح نہیں ہو، لوگوں نے جواب دیا: بے شک کیوں نہیں، عروہ نے کہا کہ اس شخص نے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے سامنے ایک اچھی بات رکھی ہے، اس کو ضرور قبول کر لینا چاہیے اور مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دو۔ سب لوگوں نے کہا کہ جا کر بات کر لو۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے باتیں کرنے لگا، آپ نے عروہ سے بھی وہی گفت گو فرمائی جو بدیل سے فرمائی تھی۔ اس پر عروہ نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ نے اپنی قوم کی جڑ بالکل اکھاڑ پھینکی تو کیا یہ اچھی بات ہوگی؟ اور کیا آپ نے سنا ہے کہ آپ سے پہلے کسی عرب نے اپنی قوم کو ہلاک کیا ہو اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی آپ مغلوب ہو گئے تو خدا کی قسم! میں آپ کے ساتھ ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے غصے ہو کر عروہ سے کہا: کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ابو بکرؓ ہیں، عروہ نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمہارا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کا میں نے تمہیں معاوضہ نہیں دیا تو میں تمہاری بات کا جواب ضرور دیتا۔ عروہ نے ایک بار کسی قتل کی دیت یعنی خون بہا ادا کرنے کا بار اپنے اوپر اٹھایا تھا، اس کی امداد میں کسی نے ایک حصہ کسی نے دو حصے اور کسی نے تین سہام دیے تھے اور حضرت ابو بکرؓ نے دس سہام دیے تھے۔

عروہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرتا تو آپ کی ڈاڑھی میں ہاتھ ڈالتا، اس پر مغیرہ بن شعبہؓ، جو آپ کے سر کے پاس کھڑے تھے، اس کے ہاتھ پر تلوار کا نچلا حصہ مار کر کہتے کہ اپنے ہاتھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک سے الگ رکھ، کسی مشرک کو زیبا نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مس کرے۔ عروہ نے یہ بھی دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوکتے ہیں تو وہ صحابہ میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ کو کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو وہ فوراً اس کو کرتے ہیں اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ

سب سے پہلے وہ اس حکم کو بجالائے ،اور جب آپ وضو کرتے ہیں تو صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں اور جب آپ بات کرتے ہیں تو صحابہؓ آپ کے سامنے اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں۔اور تعظیماً آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

یہ منظر دیکھ کر عروہ واپس چلا گیا اور مکے والوں سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! خدا کی قسم میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا ہوں،لیکن عقیدت ومحبت اور تعظیم و اخلاص کا یہ منظر میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ میں نے کسی بادشاہ کو کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی تعظیم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحابؓ ان کی کرتے ہیں۔انہوں نے تمہارے سامنے ایک اچھی بات پیش کی ہے،لہٰذا تم اس کو قبول کرلو۔

حُلَیس کی گفت گو

اس کے بعد کنانہ کے ایک آدمی نے اٹھ کر کہا مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دو، لوگوں نے کہا: اچھا جاؤ۔ جب وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے پاس آرہا تھا تو آپ نے فرمایا یہ فلاں شخص ہے اور یہ ایسے لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں،تم یہ جانور اس کے سامنے کردو۔ چناں چہ لوگوں نے قربانی کے جانور اس کے سامنے سے گزارے اور تکبیر کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔جب اس نے قربانی کے جانوروں کی اتنی بڑی تعداد کو دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل گئے اور کہنے لگا: سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو کعبے سے روکنا مناسب نہیں۔ پھر وہ لوٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں قربانی کے جانور دیکھ کر آیا ہوں، میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکا جائے۔

حضرت عثمانؓ کو بھیجنا

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش سے بات چیت کے لیے حضرت عمرؓ کے مشورے سے حضرت عثمانؓ کو مکے جانے کا حکم دیا،اور کہا کہ قریش کے پاس جا کر ان کو دعوت اسلام دو اور اطلاع دے دو کہ ہم ان سے لڑنے نہیں آئے، ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کو یہ حکم بھی دیا کہ مکے میں جو ضعیف مسلمان مرد اور عورتیں ہیں اور مکے سے ہجرت نہیں کر سکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے پاس جا کر ان کو تسلی دینا اور ان کو

بشارت دینا کہ عن قریب اللہ تعالیٰ مکے میں اپنے دین کو غلبہ عطا فرمائے گا۔

حضرت عثمانؓ پہلے ان لوگوں کے پاس پہنچے جو مقام بلدح میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ روکنے اور مقابلے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے لڑنے نہیں آئے، بل کہ عمرہ کرنے آئے ہیں۔

قریش کے لوگوں نے جواب دیا کہ جو کچھ آپؓ نے کہا وہ ہم نے سن لیا، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ آپؓ جا کر اپنے ساتھی سے کہ دیں کہ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ قریش کا جواب سن کر حضرت عثمانؓ مکے کی طرف جانے لگے تو ابان بن سعید (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) نے حضرت عثمانؓ کو خوش آمدید کہا اور اپنی حفاظت میں لے لیا۔ پھر ابان نے اپنے گھوڑے سے اتر کر حضرت عثمانؓ کو گھوڑے پر سوار کیا اور خود پیچھے بیٹھ گیا اور ان سے کہا کہ آپؓ آئیں جائیں اور کسی سے خوف نہ کریں۔ مکے پہنچ کر حضرت عثمانؓ قریش کے ایک ایک سردار سے ملے، مگر سب نے آپؓ کی بات پلٹ دی اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کبھی مکے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر حضرت عثمانؓ ضعیف مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس گئے اور ان کو بشارت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں عن قریب فتح پا کر مکے میں آنے والا ہوں اور مکے کے اندر کوئی بھی اپنے ایمان کو پوشیدہ نہیں رکھے گا۔ مسلمان یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

پھر قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپؓ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک ایسا نہیں کروں گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کا طواف نہ کرلیں۔ حضرت عثمان تین روز تک مکے میں قیام پذیر رہے۔ دوسری جانب صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ حضرت عثمانؓ تنہا مکے چلے گئے ہیں، وہ تو وہاں طواف کرلیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ وہ بیت اللہ کا طواف کریں گے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ اور بیعتِ رضوان

اسی دوران آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا۔ یہ سن کر آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک میں ان سے بدلہ نہیں لے لوں گا یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لیے طلب فرمایا اور

صحابہ کرامؓ سے ایک درخت کے نیچے جس کے سائے میں آپ بیٹھے ہوئے تھے، جہاد کے لیے بیعت لی۔ یہ کوئی معمولی بیعت نہ تھی، کیوں کہ مسلمانوں کی تعداد صرف ۱۴ سو یا ۱۵ سو تھی۔ ان کے پاس کسی قسم کا سامان جنگ بھی نہ تھا اور اپنے گھر بار سے تقریباً تین سو میل دور تھے، ان حالات میں ان کے لیے کسی قسم کی امداد اور سامانِ جنگ کا حصول تقریباً ناممکن تھا۔ دوسری طرف مشرکین مکہ اپنے مرکزی شہر میں تھے، اپنی پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر سکتے تھے، اور آس پاس کے اپنے حامی قبائل کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا سکتے تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کا پورا قافلہ جان کی بازی لگانے کے لیے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ اخلاص، ایمان اور اللہ کے راستے میں جان کی بازی لگا دینے کی یہ اعلیٰ ترین مثال ہے۔

بیعت مکمل ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ بھی واپس پہنچ گئے۔ صحابہؓ نے کہا: اے ابو عبداللہ تم نے تو بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ حضرت عثمانؓ نے جواباً کہا کہ تم نے میرے ساتھ سخت بدگمانی کی ہے، خدا کی قسم! اگر مجھے ایک سال تک موقع ملتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ میں رکے رہتے، تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر طواف نہ کرتا۔

صلح پر آمادگی

قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو وہ مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے، اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔ چناں چہ قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا جو نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل بن عمرو کو آتے دیکھ کر صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اب تمہارا کام کچھ آسان ہو گیا۔ سہیل نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ہمارے اور اپنے درمیان صلح نامہ لکھ دیں۔ پھر دیر تک صلح کی شرائط پر گفت گو ہوتی رہی۔ بالآخر چند شرطوں پر اتفاق رائے ہو گیا۔ اور آپ نے کاتب کو معاہدہ لکھنے کا حکم دیا اور فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم لکھو۔ سہیل نے کہا خدا کی قسم میں رحمان کو نہیں جانتا کہ وہ کون ہے، آپ بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ لکھوائیں، جیسے آپ پہلے لکھواتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا! خدا کی قسم ہم تو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کے سوا کچھ نہیں لکھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ ہی لکھ دو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ لکھو کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فیصلہ کیا ہے۔ سہیل نے کہا: خدا کی قسم! اگر ہم جانتے کہ

آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تو ہم نہ تو آپ کو کعبے سے روکتے اور نہ آپ سے قتال کرتے۔ لہٰذا آپ محمد بن عبداللہ لکھوائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ تم نے میری تکذیب کی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا محمد بن عبداللہ ہی لکھ دو۔ اس شرط پر کہ تم ہمارے اور کعبے کے درمیان راستہ خالی کردو تاکہ ہم کعبہ کا طواف کرلیں۔ سہیل نے کہا خدا کی قسم اس سال نہیں، کیوں کہ عرب کہیں گے کہ ہم مجبور ہو گئے، بل کہ آئندہ سال، پھر آپ نے یہی بات لکھوادی۔ پھر سہیل نے کہا کہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے گا اس کو واپس کرنا ہوگا خواہ وہ آپ کے دین پر ہو۔ یہ سن کر مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ! وہ کیسے مشرکوں کو واپس کر دیا جائے گا، جب کہ وہ مسلمان ہو کر آئے گا؟ اسی اثنا میں ابوجندل بن سہیل بن عمرو بیڑیاں پہنے ہوئے قیدیوں کی چال چلتے ہوئے مکے کے نشیب سے نکل کر آگئے اور آتے ہی مسلمانوں کے سامنے گر پڑے۔ سہیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یہ پہلی بات ہے، جس پر میں نے آپ سے صلح کی ہے کہ آپ اس کو (ابوجندل) مجھے واپس کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہم نے ابھی تحریر مکمل نہیں کی۔ سہیل نے کہا خدا کی قسم پھر ہم کبھی بھی آپ سے کسی بات پر مصالحت نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا تم اس کو میری ضمانت میں دے دو، اس نے کہا میں اس کو آپ کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔ ابوجندل نے کہا اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا، جب کہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے کیا کیا تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ابوجندل! صبر کرو، اللہ تعالیٰ جلد تم لوگوں کے لیے سامان پیدا کرے گا۔

اس صلح کی شرائط اس طرح سے ہیں:

۱۔ دس سال تک دونوں فریقوں میں جنگ بند رہے گی، اس دوران کوئی ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔

۲۔ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں گے، آئندہ سال آئیں اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ لائیں سوائے تلوار کے اور وہ بھی نیام یا غلاف میں ہو۔ صرف تین دن مکے میں قیام کریں اور عمرہ کر کے واپس چلے جائیں۔

۳۔ قریش کا جو شخص اپنے ولی یا آقا کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینے جائے گا اس کو

واپس کیا جائے گا، اگر چہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔

۴۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس مکے چلا جائے گا، اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ عرب قبائل کو اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدے میں شریک ہو جائیں

۶۔ جو مسلمان پہلے سے مکے میں مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکے میں رہ جانا چاہے تو اس کو روکا نہ جائے۔

ان شرائط کے ساتھ صلح پر مسلمانوں میں سخت تشویش ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوالات کرتے رہے، مگر اس کی حکمتیں رفتہ رفتہ سامنے آئیں۔

قربانی کا حکم

صلح نامے کی تحریر سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اٹھو قربانی کرو، پھر سر منڈواؤ۔ آپ نے یہ بات تین دفعہ کہی، مگر ان میں سے ایک آدمی بھی نہ اٹھا۔ آپ نے حضرت ام سلمہؓ کے پاس جا کر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو ام سلمہؓ نے عرض کیا: آپ خود باہر تشریف لے جائیں اور اپنی قربانی کا جانور ذبح کر کے سر مونڈنے والے کو بلائیں، تاکہ وہ آپ کا سر مونڈ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور کسی سے کوئی بات کیے بغیر آپ نے اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کیا اور سر مونڈنے والے کو بلا کر سر منڈوایا۔ جب صحابہؓ نے یہ دیکھا تو وہ بھی اٹھ کر اپنی اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرنے لگے، اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے، اس وقت یہ صورت حال ہوگئی کہ قریب تھا کہ (رش کی وجہ سے) ایک دوسرے سے لڑ پڑیں۔ اس کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا۔

سورۂ فتح کا نزول

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ مدینہ کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ضجنان کے مقام پر جو مکے سے تقریباً ۲۵ میل دور ہے سورۂ فتح نازل ہوئی، جس میں بتایا گیا کہ یہ صلح جسے وہ شکست سمجھ رہے ہیں دراصل فتح عظیم ہے۔ پھر آپ نے صحابہ کرامؓ کو جمع فرما کر یہ سورۃ

تلاوت فرمائی اور خاص طور پر حضرت عمرؓ کو بلا کر انہیں سنائی۔ صحابۂ کرامؓ اس سورۃ کو سن کر مطمئن ہو گئے۔ پھر جلد ہی اس صلح کے فوائد سامنے آنے لگے۔

صلح کے فوائد

۱۔ مسلمانوں کو باقاعدہ سیاسی قوت تسلیم کر کے دوسرے عرب قبائل کو اختیار دے دیا کہ وہ قریش اور مسلمانوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کر لیں۔

۲۔ دس سال تک جنگ نہ کرنے کے معاہدے نے مسلمانوں کو امن و سکون فراہم کیا اور عرب قبائل میں تیزی سے اسلام کی اشاعت کا موقع دیا جس سے صرف دو سال کے مختصر عرصے میں مسلمانوں کی تعداد دوگنی سے بھی بڑھ گئی اور جب صلح کے صرف دو سال بعد قریش کی عہد شکنی کے نتیجے میں آں حضرت ﷺ مکہ فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو آپ کے ہم راہ دس ہزار سے زیادہ کا لشکر تھا۔

۳۔ ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آپ نے اسلامی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کر لیا اور اسلامی قوانین جاری کر کے مسلم معاشرے کو مکمل تہذیب و تمدن کی شکل دے دی۔

۴۔ مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دے کر قریش نے یہ تسلیم کر لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے، بل کہ مسلمان حج و عمرہ کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس سے اسلام کے خلاف عرب قبائل میں پائی جانے والی نفرت میں بھی کمی ہوئی۔

۵۔ اس صلح کے نتیجے میں مسلمانوں نے شمالی اور وسطی عرب کی مخالف قوتوں کو آسانی سے زیر کر لیا، جس میں یہود کے سب سے بڑے گڑھ خیبر کا فتح ہونا اور تبوک کی یہودی بستیوں کا زیر نگیں آنا بھی شامل ہے۔ ان فتوحات کے نتیجے میں عرب میں طاقت کا توازن بدل گیا، مشرکین کم زور ہو گئے اور اسلام دن بہ دن قوت حاصل کرتا چلا گیا۔

سوالات

۱۔ صلح حدیبیہ کا پسِ منظر بیان کیجیے۔

۲۔ آپ ﷺ کی کس حکمتِ عملی کے ذریعے صحابہ کرام احرام کھولنے پر راضی ہوئے؟

۳۔ صلح حدیبیہ کے کیا دور رس نتائج برآمد ہوئے؟

غزوۂ خیبر

۱۰، ۱۱ جمادی الاولیٰ، ۷ ہجری قمری (۱۰، ۱۱ محرم ۷ ہجری قمریہ شمسی/ ۱۴، ۱۵ ستمبر ۶۲۸ء)

یہود مدینہ خیبر میں آباد ہونے کے باوجو اپنی شرارتوں کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے مسلسل خطرہ تھے۔ جب کہ مسلمان دو طرف سے گھرے ہوئے تھے، ایک جانب قریش مکہ تھے اور دوسری جانب یہود خیبر۔ بہ یک وقت دونوں طاقتوں سے نبرد آزما ہونا مسلمانوں کے لیے آسان نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ایسے اسباب پیدا فرمادیے کہ صلح حدیبیہ کے نتیجے میں مشرکینِ مکہ سے فوری طور پر جنگ کا کوئی امکان نہیں رہا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً شمال کی طرف متوجہ ہوئے، جہاں یہود کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ چناں چہ حدیبیہ سے مدینے واپس تشریف لانے کے بعد، ایک مہینے یا کچھ کم مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر روانہ ہوگئے۔ آپ نے صرف ان لوگوں کو اپنے ہم راہ جانے کی اجازت دی جو حدیبیہ میں شریک تھے۔

خیبر آٹھ قلعوں کا مجموعہ تھا اور اس کے تین حصے تھے۔ نطاۃ میں تین قلعے، نَاعِم، صَعْب بن مُعاذ اور زُبیر تھے۔ ان میں سے قلعہ صعب بن معاذ کے لوگ بڑے خوش حال تھے، کچھ لوگ تاجر تھے اور کچھ زراعت کرتے تھے۔ شق میں دو قلعے، النزار اور قلعہ ابی تھے۔ کتیبہ میں قَمُوص، وَطِیح اور سلالم تھے۔

مدینے سے روانگی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے میں سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ غزوۂ خیبر کے لیے آپ ۱۰، ۱۱ جمادی الاولیٰ، ۷ ہجری قمری بہ روز بدھ یا جمعرات روانہ ہوئے۔

ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہؓ ساتھ تھیں۔فوج کی تعداد سولہ سوتھی، جن میں دوسوسوار تھے اور باقی پیدل۔ جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے قریب مقام صہبا میں پہنچے تو آپ نے وہاں عصر کی نماز پڑھی پھر کھانا طلب فرمایا۔ رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھا وہی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے اس کو پانی میں گھول کر نوش فرمالیا۔ اس کے بعد آپ یہاں سے خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب خیبر کے نواح میں پہنچے اور خیبر کی عمارتیں نظر آنے لگیں تو آپ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ پھر آپ نے یہ دعا مانگی۔

> اے اللہ! ہم تجھ سے اس خیر کا سوال کرتے ہیں جو اس بستی میں ہے اور جو اس کے رہنے والوں میں ہے اور جو کچھ اس میں ہے (اس کی خیر کا سوال کرتے ہیں) اور ہم تجھ سے اس بستی اور اس کے رہنے والوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے۔

آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ رات کو کسی جگہ حملہ نہیں کرتے تھے، اس لیے آپ نے رات یہیں یعنی خیبر کے نواح میں گزاری۔ یہودیوں کو پہلے یہ خیال نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے جنگ کریں گے، کیوں کہ یہودیوں کے پاس اسلحہ اور افرادی قوت بہت تھی۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ روانہ ہو گئے ہیں تو روزانہ دس ہزار جنگ جو بہادر خیبر سے نکل کر قطار در قطار آتے تھے اور جب ان کو مسلمان نہ ملتے تو واپس جا کر کہتے کہ محمد (ﷺ) کا خیال بدل گیا ہے، وہ کہاں آئیں گے روزانہ ان کا یہی معمول تھا۔

جس رات کو آں حضرت ﷺ ان کے میدان میں اترے، اس رات کو انہوں نے کوئی حرکت نہیں کی، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ پھر ان کے دل خوف سے دھڑکنے لگے اور وہ قلعوں کے دروازے کھول کر باہر آ گئے اور مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر بھاگ نکلے۔ یہ دیکھ کر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے۔

حباب کا مشورہ

جب آپ ﷺ نے نطاۃ کے قریب پڑاؤ ڈالا تو حضرت حباب بن منذر آپ کے

پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ نے آسمانی حکم پر یہاں پڑاؤ ڈالا ہے تو اس میں بولنے کی گنجائش نہیں، لیکن اگر آپ نے اپنی رائے سے ایسا کیا ہے تو میں اس بارے میں کچھ عرض کروں۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ صرف میری رائے ہے۔ حضرت حباب نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! نطاۃ کے لوگ بہترین تیرانداز ہیں کہ ان سے زیادہ دور تک تیر پھینکنے والا اور ان سے بہتر نشانے باز کوئی نہیں۔ وہ لوگ ہمارے مقابلے میں بلند جگہ پر ہیں اور ان کے تیر زیادہ تیزی سے ہماری طرف آئیں گے۔ ہم ان کی زد میں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ گردوپیش کی جھاڑیوں میں چھپ کر رات کو اچانک ہماری بے خبری میں حملہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے یہاں سے ہٹ جانا مناسب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری رائے ٹھیک ہے۔ پھر شام کو ہی آپ نے دوسری جگہ دیکھ کر مسلمانوں کو وہاں سے پڑاؤ اٹھانے کا حکم دیا۔

النطاۃ

آپ ﷺ نے جنگ کا آغاز النطاۃ سے کیا۔ مسلمانوں کی صف بندی کے بعد ان کو نصیحت کی کہ میری اجازت کے بغیر لڑائی شروع نہ کرنا، مگر بنی اشجع کے ایک آدمی نے آپ سے اجازت لیے بغیر ایک یہودی پر حملہ کر دیا۔ پھر یہودی نے حملہ کر کے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا فلاں شخص شہید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے جنگ کی ممانعت کی تھی، اس کے باوجود اس نے یہودی پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ منادی کر دے کہ کسی نافرمان کے لیے جنت حلال نہیں۔

نَاعِم کا محاصرہ

آپ ﷺ نے سب سے پہلے قلعہ ناعم کا محاصرہ کیا۔ اہل نطاۃ نے سخت مقابلہ کیا۔ شام کو آں حضرت ﷺ رجیع واپس آ گئے۔ جہاں آپ کا قیام تھا۔ آں حضرت ﷺ لشکر لے کر صبح کو نکلتے تھے اور شام کو اسی مقام پر واپس آ جاتے تھے۔ آخر چند روز میں ناعم فتح ہو گیا۔

صَعْب کا محاصرہ

اس کے بعد آپ ﷺ نے قلعہ صعب بن معاذ کا محاصرہ کیا۔ اس میں پانچ سو جاں باز

تھے۔ یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے تین یا سات روز تک اس کا محاصرہ کیا۔ رات کو جو دستہ لشکر کے گرد پہرہ دیتا اس میں باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی گشت کے لیے نکلتے تھے۔ چھٹی رات میں آپ نے گشت کرنے والے دستے کو حضرت عمر کی سرکردگی میں بھیجا۔ حضرت عمر اپنے دستے کے ساتھ گشت کر رہے تھے اور انہوں نے اپنے دستے کی ٹکڑیاں بنا کر ہر طرف متعین کر دی تھیں۔ آدھی رات کو خیبر کا ایک یہودی پکڑ کر حضرت عمر کے پاس لایا گیا۔ انہوں نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ یہودی نے کہا کہ پہلے مجھے اپنے نبی کے پاس لے چلو۔ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی سے پوچھا: تمہارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا: ابو القاسم کیا آپ مجھے امان اور پناہ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ یہودی نے کہا: میں نطاۃ کے قلعے سے نکل کر آ رہا ہوں۔ اس قلعے کے لوگ آج رات خاموشی سے نکل کر فرار ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ وہ لوگ نطاۃ سے نکل کر شق نامی قلعے میں جا رہے ہیں، اور جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔

یہودی نے کہا کہ نطاۃ کے قلعوں میں سے ایک قلعے صعب کے تہ خانے میں منجنیق، گوپے، زرہیں اور تلواریں محفوظ ہیں۔ لہٰذا کل جب آپ اس قلعے میں داخل ہوں تو آپ اس تہ خانے میں بھی داخل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ نے چاہا۔ یہودی نے کہا کہ میں ان شاء اللہ آپ کو اس تہ خانے کا پتہ بتا دوں گا۔ میرے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا۔ دوسری بات یہ کہ وہاں سے منجنیق نکال کر شق نامی قلعے پر نصب کی جائے۔ لوگ دبابوں کے سائے میں وہاں داخل ہوں اور دبابوں کے سائے ہی میں قلعے میں نقب لگائیں۔ اس طرح آج ہی آپ اسے فتح کر لیں گے۔ پھر یہی تدبیر آپ کتیبہ میں کریں۔ پھر یہودی نے کہا کہ آپ میری جان بخشی کر دیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں امان دی گئی۔ پھر اس نے کہا کہ میری بیوی کی بھی جان بخشی کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا اسے بھی امان دی گئی۔ اس کے بعد آپ نے اس یہودی کو اسلام کی دعوت دی، اس پر اس نے کہا کہ مجھے غور کرنے کے لیے چند دن کی مہلت دیجیے۔

جب انفرادی مقابلے شروع ہوئے تو حبابؓ کا مقابلہ کرنے کے لیے یُوشَع یہودی باہر نکلا۔ حبابؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر زیال نامی یہودی نکل کر آیا۔ عمارہ بن عقبہ غفاریؓ نے

اس کی کھوپڑی پر وار کرتے ہوئے کہا، لے اسے سنبھال، میں ایک غفاری لڑکا ہوں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ عمارہ نے اپنے جہاد کا ثواب ختم کرلیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اس عمل کا اجر بھی ملے گا اور اس کا یہ کارنامہ بھی قابل تعریف ہے۔

انفرادی مقابلوں کے بعد یہودیوں نے ایک زبردست حملہ کیا، جس کے نتیجے میں مسلمان پسپا ہوکر اِدھر اُدھر منتشر ہوتے چلے گئے۔ یہود آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ گئے۔ اس وقت آپ گھوڑے سے اتر کر زمین پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس دوران حضرت حباب بن منذر انتہائی ثابت قدمی سے جمے رہے اور یہودیوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کے لیے ابھارا، جس پر مسلمانوں نے یہودیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا اور حضرت حباب بن منذر نے دشمن پر یلغار کی۔ یہود اس حملے کی تاب نہ لاسکے اور پسپا ہوکر قلعے تک پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے قلعے پر یلغار کی اور ان کو قتل اور گرفتار کرنے لگے یہاں تک کہ قلعہ فتح ہوگیا۔

خیبر میں اس سے بڑھ کر غلہ اور چربی کسی قلعے میں نہیں تھا۔ صعب کے قلعے کے اندر مسلمانوں کو کثرت سے کھانے کی چیزیں ملیں۔ جو، کھجور، گھی، شہد، زیتون کا تیل اور چربی کثرت سے ملیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے ندا دی کہ کھاؤ اور لے لو مگر اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں۔

اسود راعی کا واقعہ

خیبر والوں کا ایک حبشی چرواہا تھا۔ اسے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا علم ہوا تو اس کے دل میں اسلام کا شوق پیدا ہوا، وہ اپنی بکریاں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گیا اور عرض کیا کہ آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی کہ خدا ایک ہے اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور مجھے خدا کا رسول سمجھو۔ اس نے کہا کہ اگر میں خدا پر ایمان لے آؤں اور آپ کی نبوت کو قبول کرلوں تو کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ جنت ملے گی۔ پھر اس نے عرض کیا کہ میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں ان کا کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ان کو قلعے کی طرف لے جا کر ہنکا دو اور ان پر

کنکریاں مارو، یہ سب اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گی۔ اسود نے ایک پیالے میں کنکریاں بھر کران بکریوں کے منہ پر پھینک دیں اوران کومخاطب کر کے کہنے لگا کہ اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ۔ خدا کی قسم !اب میں تمہارا ساتھ دینے والانہیں ہوں۔ چناں چہ وہ بکریاں اس طرح جمع ہوکرواپس جانے لگیں، جیسے کوئی چرواہا انہیں ہنکار رہا ہو۔ یہاں تک کہ وہ سیدھی قلعے میں داخل ہوگئیں۔ اسود راعی پھر مسلمانوں کی جانب سے لڑتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں شہید ہو گئے۔

قلعہ قُلّہ

یہودی اپنے قلعوں ناعم اورصعب سے منتقل ہوکرقلعہ زبیر میں چلے گئے۔ یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پرواقع تھا۔اس لیے اس کوحصن قُلّہ کہا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے تین روز تک اس کا محاصرہ رکھا۔ پھرغزال نامی ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ کوایک تدبیر بتاتا ہوں جس سے آپ اہل قلعہ کے جھگڑے سے فارغ ہوجائیں گے، بشرطے کہ آپ مجھے بہ مع اہل وعیال یہاں سے امن کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں۔ آپ نے اس کومع اہل وعیال امن دینے کا وعدہ فرمالیا۔ یہودی نے کہا کہ آپ ایک مہینے تک یہاں پڑے رہے تب بھی اہل قلعہ کوکچھ پروانہ ہوگی، کیوں کہ زمین کے اندران کے پاس پانی جمع ہے، اگرآپ ان کا پانی تک پہنچنے کا راستہ کاٹ دیں تو وہ باہرنکل آئیں گے۔ پھرآپ نے ان کا پانی کا راستہ کاٹ دیااوروہ لوگ باہرنکل آئے اورسخت ترین مقابلہ کیا۔اس روزلڑائی میں چند مسلمان شہید ہوئے، دس یہودی مارے گئے، اورقلعہ فتح ہوگیا۔

قلعہ سَمُوَ ان

نطاۃ سے فارغ ہوکرآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شقّ کی طرف متوجہ ہوئے جہاں قلعہ ابیؔ کے اوپرایک چھاؤنی تھی جس کوسموان کہا جاتا تھا۔ اہل چھاؤنی سے زبردست مقابلہ ہوا۔ پہلے ایک یہودی مقابلے کے لیے باہرآیا۔ حباب بن منذرؓ نے اس کوقتل کردیا۔اس کے بعدایک اور یہودی نکلا تواسے ابودجانہؓ نے قتل کردیااوراس کی زرہ اورتلوار لے کرآپ کی خدمت میں حاضرہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زرہ اورتلوارابودجانہؓ ہی کوعنایت فرمادی۔ پھرمسلمانوں نے اللہ اکبر کہتے

ہوئے چھاؤنی پر ہلہ بول دیا اور اندر گھس گئے۔ آخر سخت مقابلے کے بعد یہودی بھاگ کر نزار کے قلعے میں چلے گئے اور قلعہ بند ہو گئے۔ یہاں سے مسلمانوں کو بہت مال واسباب بکریاں، بھیڑیں اور غلہ ملا۔

قلعہ نزار

سموان سے فارغ ہو کر آپ شق کے دوسرے قلعے میں نزار کی طرف روانہ ہو گئے، یہاں بھی بہت سخت مقابلہ ہوا۔ اہلقلعہ نے مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی۔ کچھ تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی آئے جو آپ کے کپڑوں میں الجھ کر رہ گئے۔ آپ نے ان کو جمع کر لیا اور مٹھی بھر کنکریاں قلعہ پر پھینک ماریں، جس سے قلعہ لرز اٹھا اور قلعے کی دیواریں زمین بوس ہو گئیں۔ مسلمانوں نے قلعے میں داخل ہو کر اہل قلعہ کو گرفتار کر لیا۔ باقی ماندہ لوگ کتیبہ کی چھاؤنیوں کی طرف بھاگ گئے۔

قلعہ قُموص

شق کے دونوں قلعے فتح کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کُتَیْبَہ کا رخ کیا۔ کُتَیْبَہ کی چھاؤنیوں میں قموص سب سے بڑی، مضبوط اور محفوظ چھاؤنی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درد شقیقہ شروع ہو گیا۔ آپ خود معرکے میں نہیں جاتے تھے، مہاجرین یا انصار میں سے کسی کو فوج کا سپہ سالار مقرر فرما دیتے تھے۔ محاصرہ طویل ہو رہا تھا مگر فتح نہیں ہو رہی تھی۔ آپ نے بیس روز اس کا محاصرہ رکھا، پھر ایک روز حضرت ابو بکر کو بلوا کر جھنڈا ان کے سپرد کیا انہوں نے جھنڈا لے کر زبردست حملہ کیا پھر دوبارہ پہلے سے زیادہ شدید حملہ کیا مگر فتح کے بغیر واپس آ گئے۔ دوسرے روز حضرت عمر کو جھنڈا دیا، انہیں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ دو دن کی لڑائی میں یہودیوں کا پلہ بھاری رہا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عنایت فرمائے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اسے عزیز رکھتے ہیں۔ صبح کو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہر شخص کے دل میں یہ خواہش تھی کہ آپ جھنڈا اس کو عطا فرمائیں۔ فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا

طلب فرمایا اور دریافت فرمایا کہ علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ پھر آپ نے حضرت علی کو بلانے کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا، حضرت علی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا؟ تمہیں کیا ہوگیا؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ میری آنکھیں دکھنے لگی ہیں، میں سامنے کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک سے اپنا لعاب دہن حضرت علیؓ کی آنکھوں میں لگا دیا، فوراً آنکھیں ایسی ہوگئیں جیسے کبھی دکھتی ہی نہ تھیں۔ اس کے بعد آپ نے جھنڈا حضرت علی کو عنایت فرما دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: آہستہ چال سے چل کر جاؤ، جب ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ تو ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو بتاؤ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حق کیا ہے۔ اگر تمہارے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو خدا کی قسم یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت علیؓ جھنڈا لے کر روانہ ہوگئے اور قلعے کے نیچے پہنچ کر جھنڈا زمین میں گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے قلعے کے اوپر سے دیکھ کر پوچھا تو کون ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں علی ہوں۔ یہ سن کر یہودی نے کہا: قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی! تم غالب آگئے۔ حضرت علیؓ کے مقابلے کے لیے سب سے پہلے مرحب کا بھائی قلعے سے نکلا، حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھی قلعے کے اندر واپس چلے گئے۔ پھر عامر نکلا جو بہت طویل قامت اور بھاری بھر کم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عامر باہر نکلا ہے یہ پانچ ہاتھ کا آدمی ہے اور مقابلے کے لیے پکار رہا ہے۔ حضرت علیؓ اس کے مقابلے پر گئے اور اس کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد یاسر نکل کر آیا حضرت علیؓ اس کے مقابلے کے لیے بھی جانے لگے تو حضرت زبیر بن عوامؓ نے حضرت علیؓ سے کہا: میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے اس سے نمٹ لینے دیجیے۔ حضرت علیؓ رک گئے، پھر حضرت زبیرؓ نے یاسر کو قتل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا تجھ پر میرا چچا قربان، ہر نبی کا حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیرؓ ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے کہ پھر مرحب رجز رزمیہ اشعار پڑھتا ہوا قلعے سے نکلا۔ حضرت علیؓ نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ آخر بیس روز کے محاصرے کے بعد یہ قلعہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ مال غنیمت کے علاوہ بہت سے قیدی ہاتھ آئے جن میں حیی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن

ربیع کی بیوی صفیہ بھی تھی۔ کنانہ بن ربیع اس لڑائی میں مارا گیا تھا۔

قلعہ وَطیح اور سلالم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلعے پر قلعہ فتح کرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ دو قلعے وطیح اور سلالم رہ گئے یہ دونوں آخری قلعے تھے جو فتح ہونے باقی تھے۔ آپ نے چودہ دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا مگر یہودی ان میں قلعہ بند ہو گئے تھے اور باہر نہیں آ رہے تھے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منجنیق نصب کرانے کا ارادہ کیا، تاکہ اس سے سنگ باری کر کے قلعے کی دیواریں توڑ دی جائیں۔ جب یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے چودہ روزہ محاصرہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کی درخواست کی۔ کنانہ بن ابی الحقیق نے ایک یہودی کو جس کا نام شماخ تھا، صلح کی بات چیت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے ان شرائط پر صلح کر لی کہ قلعہ میں جتنے لوگ بند ہیں ان کی اور ان کے اہل وعیال کی جانیں محفوظ رہیں گی، سب لوگ خیبر کی سرزمین سے نکل جائیں اور بدن کے کپڑوں کے سوا کوئی چیز ساتھ لے کر نہ جائیں، ہر قسم کا سامان سونا چاندی، کپڑے زمین، گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ چھوڑ جائیں۔ اگر کچھ چھپا کر رکھو گے تو اللہ تعالیٰ کی اور میری ذمے داری ختم ہو جائے گی۔ ان دونوں قلعوں سے ۱۰۰ زرہیں، چار سو تلواریں، پانچ سو عربی کمانیں مع تیر دانوں کے ہاتھ آئیں۔

مُخَابُرَہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر پر فتح پالی اور خیبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا ہو گیا تو مسلمانوں کے لیے خیبر میں کام نہ کرنے کی وجہ سے اسے اس شرط پر یہودیوں کے پاس رہنے دیا گیا کہ وہ ان زمینوں میں کام کریں اور اس پر خرچ کریں گے اور اس کے عوض انہیں کل پیداوار کا نصف دیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چھتیس حصوں میں تقسیم فرما دیا، جن میں سے ہر مجموعہ سو حصوں پر مشتمل تھا، ان تمام حصوں میں سے نصف مسلمانوں کے لیے مقرر فرما دیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ بھی شامل تھا، اور دوسرا نصف وفود کی مہمان نوازی، دیگر امور کے لیے مختص فرما دیا۔ جب فصل سے مسلمانوں کا حصہ وصول کرنے کا مرحلہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر کی طرف بھیجا، انہوں نے پیداوار کا

تخمینہ لگایا، پھر خیبر والوں کو اختیار دیا کہ وہ اسے قبول کرلیں یا رد کر دیں، یہودیوں نے کہا: یہ حق ہے، اسی حق ہی کی بہ دولت زمین و آسمان قائم ہیں۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

وطیح اور سلالم کے قلعے جنگ کے بغیر فتح ہوئے اس لیے ان دونوں مقامات سے حاصل شدہ مال و اسباب مسلمانوں کو پیش آنے والے حوادث کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھیوں کو جو حبشہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور قبیلہ دوس کے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مال میں سے حصہ دیا تھا۔

وادیٔ قریٰ کی فتح

خیبر فتح کرنے کے بعد آپ وادیٔ قریٰ کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں یہود کی ایک جماعت تھی اور ان میں کچھ عرب بھی شامل تھے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے وادی کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے قتال کے لیے صفیں درست کیں۔ پھر ان میں سے ایک شخص مقابلے کے لیے نکلا، اس کو حضرت زبیرؓ نے قتل کیا، دوسرا آدمی نکلا تو اس کو بھی انہوں نے ہی قتل کیا۔ تیسرے کو حضرت علیؓ نے قتل کیا، اس روز ان کے گیارہ آدمی قتل کئے گئے۔ شام تک جنگ ہوتی رہی۔ دوسرے روز صبح ہی مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی اور بہت سا مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مال بہ طور غنیمت لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ زمین یہودیوں ہی کے قبضے میں رہنے دی گئی اور اس کی پیداوار کے متعلق ان سے بھی وہی معاملہ کیا گیا جو خیبر والوں سے کیا گیا تھا۔

سوالات

۱۔ مدینہ سے نکلنے کے بعد یہود کی سازشیں بیان کیجیے۔

۲۔ قلعہ قموص کی فتح کا واقعہ بیان کریں۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی مفتوحہ زمین کا کیا فیصلہ فرمایا؟

عمرۃ القضا اور خالد بن ولید و دیگر کا اسلام

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپس آ کر ربیع الاول سے شوال ۷ ھ تک مدینے میں قیام فرمایا۔ پھر آپ ذی قعدہ کے مہینے میں عویف بن الاضبط الدیلی کو مدینے میں اپنی جگہ نگران مقرر فرما کر عمرے کے لیے روانہ ہو گئے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ مسلمان اس وقت عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرے کے لیے آئیں اور عمرہ کر کے تین دن میں واپس چلے جائیں۔ اسی بنا پر آں حضرت ﷺ نے ذیقعدہ کا چاند دیکھ کر صحابہ کو اس عمرے کی قضا کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔ لہٰذا اس عرصے میں ان میں سے جو شہید ہو چکے تھے یا وفات پا چکے تھے، ان کے سوا کوئی شخص شریک ہوئے بغیر باقی نہ رہا۔

رسول اللہ ﷺ کے ہم راہ دو ہزار صحابہ کی جماعت تھی، اور قربانی کے ستر اونٹ تھے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے اور صحابہ کرامؓ نے مسجد میں احرام باندھا اور پھر وہاں سے تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ صحابہ کرام نے احتیاطاً ہتھیار ساتھ رکھ لیے تھے، مگر معاہدہ حدیبیہ میں ہتھیار ساتھ نہ لانے کی شرط تھی، اس لیے تمام ہتھیار بطن یاجج میں رکھ دیے، جو مکے سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے، اور ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے دو سو آدمیوں کا ایک دستہ متعین کر دیا اور آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ہم راہ تلبیہ کہتے ہوئے حرم کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپ ﷺ کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے

تھے۔ وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

خلو بنی الکفار عن سبیله
الیوم نضر بکم علی تنزیله
ضربا یزیل الهام عن مقیله
و یذیل الخلیل عن خلیله

اے کافرو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ خالی چھوڑ دو۔ آج کے دن ہم آپ کی آمد پر تمہیں ایسی مار ماریں گے جو کھوپڑیوں کو ان کی جگہوں (گردنوں) سے الگ کر دے گی اور دوست کو دوست سے غافل کر دے گی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے میں داخل ہوئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے مونڈھوں کو کھول دو اور پھیل کر طواف کرو، تا کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کی قوت اور دلیری کو دیکھ سکیں۔ اس وقت مشرکین اور ان کی عورتیں اور بچے سب یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تاہم کچھ مشرکین جو غصے اور دشمنی کی وجہ سے آپ کو دیکھنا نہیں چاہتے تھے، وہ وہاں سے کہیں غائب ہو گئے تھے۔

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ مشرکین مکہ دارالندوہ کے پاس صف باندھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھ رہے تھے۔ جب آپ مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنی چادر اس طرح اوڑھی کہ اس سے آپ کا دایاں بازو کندھے تک کھل گیا، پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو کفار کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کرے۔ پھر آپ نے رکن یمانی کا استلام کیا اور رکن یمانی سے حجر اسود تک آپ نرم چال سے چلے (کیوں کہ وہاں سے کفار نظر نہیں آتے تھے) صحابۂ کرامؓ بھی آپ کی اتباع کرتے رہے۔ پھر حجر اسود سے رکن یمانی تک پہلے تین چکروں میں پہلوانوں کی طرح قریب قریب قدم رکھ کر چلے اور طواف کے باقی چکروں میں نرم چال سے چلے۔ صحابہؓ کا گمان تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو دکھانے کے لیے اسی سال ایسا کیا ہے۔ (یعنی طواف کے دوران دایاں کندھا کھولنا اور پہلے تین چکروں میں حجر اسود سے رکن یمانی تک پہلوانوں کی چال چلنا) پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بھی ایسا ہی کیا تو یہ طریقہ مسنون ہو گیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر کے قربانی کی اور احرام

سے باہر آ گئے۔ پھر آپ نے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بطن یاجج چلے جائیں اور وہاں ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے جو دستہ موجود ہے، وہ آ کر طواف وسعی کرے۔ اس کے بعد آپ کعبے کے اندر تشریف لے گئے، ظہر تک اندر ہی رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی چھت پر ظہر کی اذان دی۔

جب مکہ میں آپ کے قیام کو تین دن ہو گئے تو حویطب بن عبدالعزی بن ابی قیس قریش کے چند لوگوں کے ہم راہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ معاہدے کی شرط پوری ہو گئی، اس لیے اب آپ مکے سے چلے جائیں، چناں چہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔

خالد بن ولید، عثمان بن طلحہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کا اسلام

یکم صفر ۸ ہجری قمری (یکم رمضان ۷ ہجری قمریہ شمسی / ۳۰ مئی ۶۲۹ء)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تو اس نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی اور مجھے ہدایت کی توفیق بخشی اور میرے دل نے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جس معرکے میں بھی قریش کی طرف سے شریک ہوا اس معرکے میں بہت کم تعداد، رسد اور اسلحے کی کمی، افراد کی تربیت اور ان میں صلاحیتِ جنگ کی کمی وغیرہ کے باوجود ہر موقع اور ہر معرکے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیر متوقع اور نمایاں کام یابی حاصل ہوئی۔ ان کی یہی خلاف اسباب، خلاف امید اور خلاف حالات نمایاں اور غیر معمولی کام یابیاں اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد کا یقین دلاتیں اور میرا دل اندر سے یہ کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز ضرور غالب ہوں گے۔ چناں چہ حدیبیہ کے موقع پر میں مشرکین مکہ کے سواروں کو لے کر مقابلے کے لیے نکلا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے اصحاب کے ہم راہ عسفان میں ملے۔ میں نے قریب پہنچ کر متصادم ہونے کا ارادہ کر لیا۔

ادھر حالات کی نزاکت اور جنگ کے خطرے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ہمارے سامنے دوپہر کی نماز پڑھائی۔ میں نے سوچا کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دوں اور حملہ کر دوں، مگر یہ بات شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی کہ میں سوچتا ہی رہ گیا اور حملہ نہ کر سکا اور شاید اللہ تعالیٰ نے ہمارے ارادے اور خیال سے جو صرف ذہن میں تھا آپ کو مطلع

کر دیا اور اسی لیے عصر کی نماز آپ نے نمازِ خوف کے طریقے سے پڑھائی، جس سے ہمارے لیے حملے کا موقع نہ رہا اور میرے دل نے کہا کہ یہ شخص اور اس کے ہم راہی اللہ کی طرف سے مامون و محفوظ ہیں۔ اس کے بعد میں ناکام واپس ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری ناکہ بندی کیے ہوئے راستوں کو چھوڑ کر ایک علیحدہ راستے ذات الیمین پر چل پڑے۔

پھر جب قریش سے صلح ہو گئی اور حالات پرسکون ہو گئے تو میرے دل نے کہا کہ اب قریش کی قوت ختم ہو گئی، شاہ حبشہ (نجاشی) نے اسلام قبول کر لیا ہے اور مسلمان حبشہ میں امن و امان کے ساتھ رہتے ہیں، ایسی صورت میں یا تو میں ہرقل (شاہ روم) کے پاس جا کر نصرانی یا یہودی ہو جاؤں اور عجمیوں کے تابع اور ماتحت رہ کر زندگی گزاروں یا پھر جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان کے ساتھ اپنے ہی وطن میں رہ کر دیکھوں کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے، اسی شش و پنج میں تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم راہ عمرے اور طواف کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے ہیں، میں یہ سن کر فوراً روپوش ہو گیا۔ میرا بھائی ولید بن ولید بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راہ عمرے کے لیے مکے آیا، اس نے مجھے تلاش کیا مگر جب وہ میرا پتہ نہ چلا سکا، تو اس نے میرے نام درج ذیل خط تحریر کیا۔

> بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امابعد! میں تم سے نہ مل سکا۔ اسلام جیسے پاکیزہ مذہب کے بارے میں اب تک تیری بے خبری اور غفلت پر مجھے حیرت بھی ہے اور افسوس بھی، کیوں کہ اسلام تو اب عملاً نافذ ہے اور اس کی خیر و برکت اور دوسرے فلاحی نتائج کو دیکھا اور محسوس کیا جا رہا ہے۔ تمہارے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ اس کو جلد لائے گا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تعجب ہے کہ اس جیسا عقل مند اور ذی فہم آدمی اب تک اسلام جیسے پاکیزہ مذہب سے بے خبر اور غافل ہے، اگر وہ اسلام میں داخل ہو کر دین حق کی مدد کرتا اور مشرکوں اور اہل باطل کا مقابلہ کرتا تو یہ اس کے لیے بہتر ہوتا اور ہم اس کو دوسروں پر مقدم رکھتے۔ اس لیے اے بھائی! اس تاخیر کے سبب جو کچھ تجھ سے فوت ہو گیا ہے اس کی تلافی و تدارک کرو۔ ابھی اس کا وقت ہے۔

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے خط کو پڑھ کر بہت متاثر ہوا اور دل میں اسلام کی رغبت اور محبت بڑھ گئی اور میں جانے کے لیے تیار ہو گیا، اسی اثنا میں میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں تنگ اور قحط زدہ شہروں سے نکل کر سرسبز و شاداب اور کشادہ شہروں میں چلا گیا ہوں۔ میں نے دل میں کہا یہ خواب میرے لیے ایک بشارت ہے، بعد میں مدینے پہنچ کر میں نے اس خواب کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا: تمہارا نکلنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی توفیق دی اور قحط زدہ تنگ حالت کفر کی زندگی تھی۔

پھر میں نے اسباب سفر مہیا کر کے مدینے کا قصد کیا اور چاہا کہ کوئی اور بھی ساتھ ہو جائے، چناں چہ میں صفوان بن امیہ سے ملا اور اس سے کہا: کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عرب و عجم پر غلبہ پالیا ہے اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کی اتباع کریں تو یہ ہمارے لیے بہتر ہوگا اور ان کی عظمت سے ہمیں عظمت ملے گی۔ یہ سن کر صفوان نے نہایت سختی سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر سارا عرب مسلمان ہو جائے، تب بھی میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع نہیں کروں گا۔ میں نے دل میں سوچا کہ جنگ بدر میں اس کا باپ اور بھائی مارے گئے، اس لیے اس سے کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس کے بعد میں عکرمہ بن ابی جہل سے ملا اور جو بات میں نے صفوان سے کہی تھی وہی بات اس سے کہی، عکرمہ نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔

حضرت خالد کہتے ہیں کہ پھر میں نے گھر آ کر اونٹنی تیار کی اور دل میں یہ خیال آیا کہ عثمان بن طلحہ سے ملاقات کروں وہ میرا سچا دوست ہے، مگر اسی وقت مجھے اس کے باپ دادا کا قتل ہونا یاد آ گیا، لہٰذا میں نے اس کو اپنا راز داں بنانا پسند نہیں کیا۔ پھر خیال ہوا کہ اس سے ذکر کرنے میں کیا نقصان ہے۔ میں تو اب جا ہی رہا ہوں، چناں چہ میں نے عثمان کے پاس جا کر اپنا ارادہ بیان کیا اور اس سے وہی باتیں کیں جو اس سے پہلے صفوان اور عکرمہ سے کر چکا تھا۔ عثمان نے بلا تردد میرے مشورے کو قبول کر کے میرے ساتھ مدینے چلنے پر آمادگی ظاہر کی اور مقام یاجج نامی جگہ پر ملنے کا وعدہ کیا اور کہا اگر تم پہلے پہنچ جاؤ تو میرا انتظار کرنا اور اگر میں پہلے پہنچ گیا تو میں تمہارا انتظار کروں گا۔

حضرت خالد بن ولید بیان کرتے ہیں کہ میں روانہ ہو کر مقام یاجج میں پہنچا تو حسب

دعدہ عثمان بن طلحہ بھی مجھے مل گئے۔ ہم دونوں علی الصبح وہاں سے روانہ ہو گئے۔ جب مقام ہدہ میں پہنچے تو عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی، وہ بھی اسلام کے ارادے سے مدینے جا رہا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھ کر مرحبا کہا اور ہم نے بھی اس کو مرحبا کہا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو، اس نے کہا کہ اسلام میں داخل ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے ارادے سے جا رہا ہوں۔ ہم نے کہا ہم بھی اسی ارادے سے نکلے ہیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کہتے ہیں کہ ہم تینوں ساتھ سفر کرتے ہوئے مدینے میں داخل ہو گئے اور اپنے اونٹ مقام حرہ میں باندھ دیے۔ کسی نے ہماری آمد کی خبر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا دی۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مکے نے اپنے جگر گوشوں کو پھینک دیا ہے۔ حضرت خالد کہتے ہیں کہ پھر میں نے غسل کر کے عمدہ کپڑے پہنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستے میں مجھے میرا بھائی ولید ملا۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے آنے کی اطلاع مل گئی ہے۔ جلدی چلو وہ تمہارا انتظار فرما رہے ہیں۔ میں تیزی کے ساتھ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے، میں نے سلام عرض کیا اور آپ نے نہایت خندہ روئی سے میرے سلام کا جواب دیا، پھر میں نے کہا:

اشھدان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ

آپ نے فرمایا سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے تجھے اسلام کی توفیق دی۔ میں تمہارے اندر عقل و دانائی دیکھتا تھا اور امید کرتا تھا کہ وہ خیر اور بھلائی کی طرف تیری رہ نمائی کرے گی۔

حضرت خالد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ میں بہت مرتبہ آپ کے مقابلے میں آیا ہوں، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری ان تمام خطاؤں کو معاف فرما دے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اسلام ان تمام گناہوں کو فنا کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ہو چکے ہوں۔ میں نے پھر یہی درخواست کی تو آپ نے میرے لیے یہ دعا فرمائی۔ اے اللہ! خالد بن ولید کی ان تمام خطاؤں کو معاف کر دے جو خالد نے اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے کی ہیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد عثمان بن طلحہ اور عمرو بن العاص نے آگے بڑھ کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد پہلے خالد بن ولیدؓ نے بیعت کی اور پھر عثمان بن طلحہؓ نے۔ آخر میں میں بیعت کے لیے آگے بڑھا تو میری یہ حالت تھی کہ خدا کی قسم میں آپ کے سامنے بیٹھ تو گیا، مگر شرم وندامت کی وجہ سے آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا، بالآخر میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور عرض کیا کہ اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ میری تمام گزشتہ خطائیں اور قصور معاف کر دیے جائیں۔ مجھے اس وقت یہ خیال نہ آیا کہ میں یہ بھی عرض کر دیتا کہ میرے آئندہ اور پچھلے قصور معاف کر دیے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے کفر کی حالت میں کیے گئے ہیں۔ اور اسی طرح ہجرت بھی تمام گزشتہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں اور خالدؓ اور عثمانؓ یکم صفر ۸ ہجری قمری بروز منگل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

کعب بن زہیر کا اسلام

فتح مکہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا تھا ان میں کعب بن زہیر کا نام بھی تھا۔ جو آپ کی ہجو میں شعر کہا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے دن کعب بن زہیر اور اس کا بھائی بجیر بن زہیر جان بچا کر مکے سے فرار ہو گئے۔ بجیر نے کعب سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام اور آپ کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا، اگر آپ کی سچائی معلوم ہو گئی تو آپ کی اتباع کروں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ چناں چہ یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے۔

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے مدینے واپس تشریف لائے تو بجیر نے اپنے بھائی کعب کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں اس نے تحریر کیا کہ جو لوگ آپ کی ہجو میں اشعار کہتے تھے وہ فتح مکہ کے دن قتل کر دیے گئے اور جو جان بچا کر بھاگ سکتے تھے وہ بھاگ گئے۔ اگر تجھے اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کر۔ جو شخص مسلمان اور تائب ہو کر آپ کے پاس آتا ہے، آپ اس کو قتل نہیں کرتے اور اگر تو یہ نہیں کر سکتا تو کہیں دور دراز مقام پر چلا جا، جہاں تیری جان بچ سکے۔

بجیر کے اس خط کا کعب بن زہیر پر خاص اثر ہوا۔ اس نے اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور مدینے روانہ ہو گیا۔ مدینے پہنچ کر صبح کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اجنبی بن کر یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہو تو آپ اس کو امان دے سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ کعب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ﷺ وہ گنہ گار میں ہی ہوں۔ اب آپ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائیے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ زہیر کی گفت گو سن کر انصار میں سے ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اجازت دیجیے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس دشمن کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو یہ تائب ہو کر آیا ہے۔ اس سے کعب کو انصار کی طرف سے ملال ہوا۔ پھر کعبؓ نے اپنا وہ مشہور قصیدہ پڑھا جو بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے، اور جس کی بہت شرحیں لکھی گئی ہیں اور بہت سے ترجمے کیے گئے ہیں۔

اس قصیدے میں کعبؓ نے مہاجرین کی تعریف و توصیف لکھی، مگر انصار کی نہیں، کیوں کہ وہ انصار سے ناراض ہو گیا تھا۔ انصار کو اس کا بہت ملال ہوا، لیکن بعد میں حضور ﷺ کے کہنے پر اس نے انصار کی منقبت میں بھی قصیدہ لکھا۔ مولانا شاہ عبدالحق لکھتے ہیں کہ جب کعب نے قصیدہ بانت پڑھا تو آپ اس سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے اپنی چادر مبارک جو اس وقت آپ کے بدن پر تھی وہ ان کو عنایت فرمائی۔ بعد کے زمانے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس چادر کو کعبؓ کے وارثوں سے بیس ہزار درہم میں خرید لیا تھا۔

سوالات

۱۔ عمرۂ قضا سے کیا مراد ہے؟

۲۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور قبول اسلام کا واقعہ بیان کیجیے۔

۳۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور قبول اسلام کا واقعہ بیان کیجیے۔

فتح مکہ

۱۰ صفر ۹ ہجری قمری (۱۰ رمضان المبارک ۸ ھ قمریہ شمسی / ۳۰ مئی ۶۳۰ء)

آں حضرت ﷺ نے جمادی الاول اور رجب کے مہینے مدینے میں گزارے۔ اسی اثنا میں ایک حادثہ پیش آیا، جس کی وجہ سے وہ معاہدہ جو حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان طے پایا تھا قریش کی بدعہدی کی بنا پر ٹوٹ گیا اور یہ ہی واقعہ فتح مکہ کا سبب بنا۔

حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا تو اس میں یہ بھی تھا کہ جو قبائل رسول اللہ ﷺ کے حلیف ہونا چاہیں گے وہ آپ کے معاہدے میں شامل ہوں گے، اور جو قریش کے حلیف ہونا چاہیں گے وہ قریش کے معاہدے میں شامل ہوں گے۔ چناں چہ بنی خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور بنو بکر قریش کے ساتھ معاہدے میں شامل ہو گئے۔ ان دونوں قبیلوں میں زمانہ جاہلیت سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ کچھ عرصے بعد اچانک قبیلہ بنو بکر کی شاخ بنو دیل کے نوفل بن معاویہ نے بنو اسد بن رزن کے ان لوگوں کے قصاص کے لیے جن کو بنو خزاعہ نے قتل کیا تھا، موقع غنیمت جان کر مکہ مکرمہ کے نشیبی حصے میں مقام وتیر پر جا کر جہاں بنی خزاعہ رہتے تھے، شب خون مارا۔ دونوں قبیلوں میں خوب جنگ ہوئی، قریش نے ظاہری طور پر تو بنی بکر کی ہتھیاروں سے مدد کی مگر پوشیدہ طور پر ان کے آدمی بھی رات کو لڑائی میں حصہ لیتے تھے۔ جن لوگوں نے قریش کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا ان میں صفوان بن امیہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، عکرمہ بن ابو جہل، شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو بھی تھے۔ بعد میں یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ آخر بنو خزاعہ کے لوگ شکست کھا کر پناہ کے لیے بھاگتے ہوئے حرم میں داخل ہو گئے۔ بنو بکر بھی پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور انہوں

نے اپنے سردار سے کہا: اے نوفل! ہم لوگ حرم میں آگئے ہیں، لہٰذا اب جنگ روک دینی چاہیے۔ اس وقت نوفل کی زبان سے نکلا کہ آج کوئی خدا نہیں ہے، اے بنی بکر! اپنا بدلہ لے لو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن سالم خزاعی کے آنے سے پہلے ہی بنی بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان جنگ کی خبر دے دی تھی اور فرمایا تھا کہ جو کام اللہ تعالیٰ کو مقصود ہے، اس کی تکمیل کے لیے قریش کے لوگ معاہدہ توڑ دیں گے۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا اس میں مسلمانوں کے لیے خیر ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں خیر ہوگی۔

جب بنو بکر اور قریش بنو خزاعہ پر خوب ظلم کر چکے اور معاہدے کو انہوں نے عملاً توڑ دیا جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان حدیبیہ میں طے پایا تھا تو عمرو بن سالم خزاعی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد حاصل کرنے کے لیے مدینے روانہ ہو گیا۔ عمرو نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آ کر ایک قصیدے میں مظالم کی پوری داستان بیان کی گئی تھی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ ہم لوگ مسلمان ہو چکے تھے ہمیں قتل کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمرو کی داستان سن کر اس کو مدد کا یقین دلایا۔ اس وقت آسمان پر ایک برسنے والا بادل گزر رہا تھا اور گرج رہا تھا۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ ابر کا ٹکڑا ابھی بنی کعب کی نصرت چاہتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے اپنا ایک قاصد مشرکینِ مکہ کے پاس روانہ کیا کہ وہ جا کر ان سے کہہ دے کہ وہ ان تین باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لیں:

۱۔ بنی خزاعہ کے مقتولین کی دیت دے دیں (کل ۲۳ آدمی قتل ہوئے)

۲۔ جن لوگوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے ان کو اپنے معاہدے سے نکال دیں۔

۳۔ حدیبیہ میں ہونے والے معاہدے کو منسوخ کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام سن کر مشرکین مکہ میں اختلاف رائے ہو گیا۔ بالآخر سب معاہدۂ صلح کو منسوخ کرنے پر متفق ہو گئے۔

یہ خبر ملتے ہی آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ وہ آپ

کی قوم کے لوگ ہیں، اس لیے آپ ان کے ساتھ صلح اور نرمی کا برتاؤ کریں۔ حضرت عمرؓ نے جنگ کا مشورہ دیا اور عرض کیا کہ انہوں نے آپ کو جادوگر، کاہن اور بڑا دروغ گو کہا، وہ کفر کے سردار ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے قریش کی وہ تمام باتیں دہرائیں جو وہ آپ کے بارے میں کہتے تھے اور عرض کیا کہ جب تک اہل مکہ آپ کی اطاعت نہیں کریں گے، عرب کے دوسرے لوگ بھی آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے مشورے کو اختیار فرما کر خفیہ تیاری شروع کر دی اور آس پاس کے عرب قبائل کو بھی لڑائی میں شریک ہونے کے لیے آمادہ کیا۔ چناں چہ قبائل اسلم، غفار، مزینہ، اشجع اور سلیم وغیرہ آپ کے ساتھ شریک ہوگئے۔ ان میں سے کچھ تو آپ کی خدمت میں مدینے ہی میں پہنچ گئے اور کچھ آپ کی روانگی کے بعد راستے میں آملے۔

تجدید عہد کی کوشش

کچھ وقت بعد مشرکین مکہ کو احساس ہوا کہ معاہدہ نہیں توڑنا چاہیے تھا، پھر صلح کی تجدید کے لیے انہوں نے ابوسفیان کو مدینے بھیجا۔ مدینے پہنچ کر ابوسفیان سب سے پہلے اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ کے پاس آئے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں تھیں۔ جب ابو سفیان نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت ام حبیبہؓ نے بستر پلٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا اے بیٹی! کیا بات ہے تو نے فرش کو میرے قابل نہیں سمجھا یا مجھے فرش کے قابل نہیں سمجھا؟ انہوں نے فرمایا کہ تو مشرک و نجس ہے اور میں پسند نہیں کرتی کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھے۔ پھر ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے کچھ گفت گو کی مگر آپ نے جواب نہیں دیا۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور ان سے بھی ویسی ہی گفت گو کی، جیسی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تھی، اور کہا کہ آپ میری سفارش کر دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ پھر ابوسفیان نے جا کر حضرت عمرؓ سے بات کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا میں تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کر دوں؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس صرف دُرّہ (کوڑا) ہو اور کوئی دوسرا ہتھیار نہ ہو تب بھی میں تم سے درہ لے کر ہی لڑوں گا۔

اس کے بعد ابوسفیان حضرت علیؓ کے پاس گیا، اس وقت ان کے پاس حضرت فاطمۃ الزہرہؓ اور حضرت حسنؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اے ابوالحسن! میرا آپ سے سب سے زیادہ قریب کا رشتہ ہے اور میں ایک ضرورت سے آپ کے پاس آیا ہوں، آپ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر دیں۔ حضرت علیؓ نے کہا: اے ابو سفیان! افسوس ہے تجھ پر، خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں جو کچھ ارادہ فرما لیا ہے، اس بارے میں ہم میں سے کسی میں طاقت نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرے۔ پھر ابوسفیان نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ اگر آپ اپنے بچے کو یہ حکم دیں کہ وہ لوگوں میں کہہ دے کہ میں نے قریش کو پناہ دی تو ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار بن جائے گا۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ ابھی یہ لوگوں کو پناہ دینے کی عمر کو نہیں پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ ابوالحسن! اب معاملہ سخت ہو گیا ہے، آپ مجھے کوئی اچھا مشورہ دیں۔ حضرت علیؓ نے کہا تمہارے لیے کوئی مفید بات میری سمجھ میں نہیں آتی، لیکن تم بنی کنانہ کے سردار ہو، تم لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر کہہ دو کہ میں لوگوں میں امن کا اعلان کرتا ہوں اور پھر واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ کیا یہ بات میرے لیے مفید ہوگی۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میری سمجھ میں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں آتی، چناں چہ ابوسفیان نے مسجد میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے لوگوں کے لیے امن جاری کر دیا، یعنی عہد کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھا دی۔ پھر وہ اپنے اونٹ پر بیٹھ کر مکے چلا گیا اور قریش کو تمام قصہ بیان کر دیا۔ قریش نے کہا: خدا کی قسم! علیؓ نے تمھارے ساتھ مذاق کیا ہے۔

حاطب کا واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے علم ہوا کہ قریش کو مسلمانوں کے حملے کی مخبری کی جا رہی ہے، آپ نے حضرت علیؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ کو حکم دیا کہ روضۂ خاخ پہنچو، وہاں تمہیں مشرکین کی ایک عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہوگا۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر چل دیے اور اس عورت کو اونٹ پر سفر کرتے ہوئے ٹھیک اسی جگہ پایا، جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ہم نے اس سے کہا کہ خط کہاں ہے؟ اس نے انکار کیا، مگر ہماری سختی پر اس نے خط

نکال کر ہمیں دے دیا۔ اور ہم خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

یہ خط صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام تحریر تھا۔ اس میں انہوں نے مشرکین کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض امور کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ آپ نے حضرت حاطب سے اس بارے میں پوچھا، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی علیہ وسلم! آپ میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں۔ میں قریش کے ساتھ رہتا تھا اور صرف ان کا حلیف تھا، ان سے میری کوئی قرابت نہیں تھی، اس لیے میں نے چاہا کہ ان پر احسان کر دوں، تاکہ وہ اس کے بدلے میں میرے رشتے داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ کام دین سے پھر کر نہیں کیا اور نہ اسلام لانے کے بعد میرے دل میں کفر کی حمایت کا کوئی جذبہ ہے۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن مار دوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ غزوہ بدر میں شریک رہے ہیں اور فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کے تمام احوال دیکھ کر ہی کہ وہ آئندہ کیا کریں گے یہ فرمایا ہے کہ جو چاہو کرو، میں نے تمہارے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔

لشکر کی روانگی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینے میں حضرت ابو ذر غِفاریؓ کو اپنا جانشین بنا کر بدھ کے روز ۱۰ صفر ۹ ہجری قمری (۱۰ رمضان المبارک ۸ھ قمریہ شمسی/ ۳۰ مئی ۶۳۰ء) کو دس یا بارہ ہزار صحابہ کے ہم راہ عصر کی نماز کے بعد مدینۂ منورہ سے مکۂ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت عباسؓ کی ہجرت

جب آپ مقام ذوالحلیفہ یا مقام جحفہ میں پہنچے تو وہاں آپ کے چچا حضرت عباس مع اہل وعیال مکے سے ہجرت کر کے مدینے جاتے ہوئے ملے۔ حضرت عباسؓ نے آپ کے حکم سے اپنا سامان تو مدینے بھیج دیا اور خود جہاد میں شرکت کی غرض سے لشکر میں شامل ہو گئے۔

حضرت عباسؓ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے مگر آپ کے حکم سے مکے میں ٹھہرے ہوئے تھے اور اپنے اسلام کو قریش سے چھپایا ہوا تھا، تا کہ ان کی خبریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجتے رہیں۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے اپنے مکے کے قیام کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی۔ آپ نے ان کو خط کے ذریعہ مطلع فرمایا کہ اے چچا! آپ اپنی ہی جگہ قیام فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو ختم کرے گا، جس طرح مجھ پر نبوت کو ختم کیا ہے۔

مَرَّ الظَّہرَان پر پڑاؤ

آپ عشا کے وقت مرالظہران میں اترے۔ اس وقت تک قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطلاع نہ تھی۔ آپ نے عرب کے قدیم دستور کے مطابق اہل لشکر کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمے کے سامنے آگ روشن کرے۔ پھر آپ کے حکم کی تعمیل میں سب نے اپنے اپنے خیمے کے سامنے آگ روشن کی۔ ادھر قریش کو اپنی بدعہدی کی وجہ سے فکر لاحق تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ معلوم کس وقت ہم پر حملہ کر دیں۔ چناں چہ ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا آپ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے مکے سے نکلے۔ جب یہ لوگ چلتے چلتے مرالظہران پر پہنچے تو انہیں جگہ جگہ آگ جلتی ہوئی دکھائی دی، گویا وہ عرفہ کی آگ ہے۔ ابو سفیان نے کہا کہ یہ آگ کیسی ہے؟ یہ تو عرفہ کی آگ معلوم ہوتی ہے۔ اس پر بدیل بن ورقا نے کہا کہ یہ بنی عمرو کی آگ ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ بنی عمرو کی تعداد اس سے بہت کم ہے۔

دوسری جانب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس ارادے سے نکلے کہ کسی طرح قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں آمد کی اطلاع بھیج دوں، تا کہ وہ مکے میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ سے امان حاصل کر لیں۔ انہوں نے ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کی آواز سنی تو ابوسفیان سے کہا: افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان!۔ ابوسفیان نے بھی حضرت عباسؓ کی آواز پہچان لی اور پوچھا کیا ابوالفضل ہیں؟ حضرت عباسؓ نے کہا: ہاں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر ہے، خدا کی قسم افسوس ہے! قریش کی تباہی و بربادی کا وقت قریب ہے۔ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ تجھ پر قربان، اب بچنے کی کیا تدبیر ہے؟ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر وہ

تجھ پر فتح یاب ہو گئے تو تیری گردن اڑا دیں گے۔تم میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جاؤ، تاکہ میں تمہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور تمہارے لیے آپ سے امان طلب کروں۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سے ابوسفیان کی گردن اڑا دینے کی اجازت چاہی، حضرت عباس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عباس! اس کو اپنے خیمے میں لے جاؤ، صبح کو میرے پاس لانا۔ میں اس کو اپنے خیمے میں لے گیا اور اس نے رات میرے پاس گزاری۔

صبح کو میں ابوسفیان کو لے کر پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا، افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان، کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے حلیم اور کتنے کریم اور کتنے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنے والے ہیں۔ خدا کی قسم! میرا گمان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہوتا تو میرے کچھ کام آتا۔ آپ نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو مجھے اللہ کا رسول جانے۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کس قدر تحمل والے، کس قدر کرم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں، مگر اس بارے میں کہ آپ نبی ہیں میرے دل میں ابھی کچھ تردد ہے۔ پھر حضرت عباسؓ نے کہا کہ افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! قبل اس کے کہ تیری گردن ماردی جائے تو اسلام لے آ، اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے حق کی شہادت دی اور اسلام لے آیا۔

پھر حضرت عباسؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ابوسفیان فخر کو پسند کرتا ہے، آپ اس کو کوئی امتیاز عطا فرما دیجیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اچھا اعلان کر دو کہ جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو گا وہ بھی امن میں ہے۔ اس کے بعد جب آپ مرالظہر ان سے روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: اے عباس! ابوسفیان کو وادی کے تنگ حصے میں جبل خطم کے پاس لے جاؤ، تاکہ وہ وہاں سے اللہ کے لشکروں کا مشاہدہ کرے۔ حضرت عباسؓ کہتے

ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں ابوسفیان کو وادی کے تنگ حصے میں لے جا کر بٹھا دیا۔

اس کے بعد ابوسفیان جلدی سے مکے گیا اور بلند آواز سے پکار کر اعلان کیا کہ اے قریش! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ رہے ہیں اور کسی کو ان سے مقابلے کی طاقت نہیں۔ البتہ جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ چلائی کہ اے بنی کنانہ اس شخص کو قتل کر دو، نہ جانے کیا بک رہا ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ اس وقت ان باتوں سے کچھ نہ ہوگا، کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ نہیں کر سکتا، جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے، جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے۔ لوگوں نے کہا کم بخت خدا تجھے ہلاک کرے، تیرے گھر میں کتنے آدمی آ سکیں گے۔ ابوسفیان نے کہا جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امن ہے، لوگ اس اعلان کو سنتے ہی بھاگنے لگے۔ کوئی مسجد حرام کی طرف اور کوئی اپنے گھر کی طرف۔

مکے میں داخلہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ وہ کدا کی طرف سے مکے میں داخل ہوں اور سعد بن عبادہ کو حکم دیا کہ وہ مقام اللیط سے مکے میں داخل ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اذاخر سے مکے میں داخل ہوئے اور آپ نے لڑنے سے منع فرمایا۔

آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھی حکم دیا کہ وہ کدا کی طرف سے مکے میں داخل ہوں جو مکے کا نچلا حصہ ہے، کیوں کہ مسلمانوں سے مقابلے اور مقاتلے کے لیے قریش اور مختلف قبائل کے تمام اوباش اور بے وقوف اسی طرف جمع ہو گئے تھے۔ ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو بھی شامل تھے۔ حضرت خالد میمنہ پر مقرر تھے اور ان کے ساتھ اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ اور دوسرے قبائل تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچتے ہی ان لوگوں نے ہلا بول دیا۔ حضرت خالد بن ولید نے جب ان کا مقابلہ کیا تو وہ تاب نہ لا سکے اور شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اس جھڑپ میں قریش وغیرہ قبائل کے دس بارہ افراد قتل ہوئے۔ جب آپ نے تلواروں کی چمک دیکھی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو

بلا کر فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے، میں نے تمہیں قتال سے منع کیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے لڑائی کی ابتدا نہیں کی، جب میں مجبور ہو گیا اور ہم پر تلواریں چلنے لگیں تب مقابلہ کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو مقدور کیا اسی میں خیر ہے۔ اس کے بعد امن قائم ہو گیا، فتح مکمل ہو گئی اور آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا، آپ کے ہاتھ میں کمان تھی، آپ نے کمان کی نوک پکڑی اور طواف کے دوران کونے میں موجود اس بت کی طرف تشریف لائے جس کی مشرکین عبادت کرتے تھے، آپ نے اس کی آنکھ میں چوکا دیا اور یہ آیت پڑھی: حق آ گیا اور باطل چلا گیا۔ پھر آپ کوہِ صفا پر چڑھے جہاں سے بیت اللہ نظر آنے لگا، آپ نے ہاتھ اٹھائے اور جب تک اللہ نے چاہا آپ دعا اور ذکر میں مشغول رہے، انصار پہاڑ کے نیچے تھے، انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: آپ ﷺ کو اپنے شہر کی محبت اور اپنے رشتے داروں کی الفت نے گھیر لیا ہے۔

انصار کا گمان

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ طواف سے فارغ ہو گئے تو صفا پہاڑی کے پاس آئے اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آنے لگا۔ پھر آپ اللہ کی حمد اور اس کا ذکر اور دعا کرنے لگے۔ اس وقت انصار صفا پہاڑی کے نیچے تھے۔ ان میں سے بعض نے کہہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بستی سے رغبت اور اپنے خاندان کی محبت کا احساس ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے علم ہوا تو آپ نے فرمایا اے انصار کے لوگو! انہوں نے کہا: ہم حاضر ہیں یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے یہ کہا ہے کہ اس شخص کو اپنی بستی سے رغبت اور اپنے خاندان کی محبت کا احساس ہو رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہم نے یہ بات کہی ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر میرا نام ہی کیا ہوا (اگر میں نے ایسا کہا تو پھر میرے نام کا کیا فائدہ) ہرگز نہیں! میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ میں نے اللہ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، اس لیے میری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ اور میری موت

تمہاری موت کے ساتھ ہے۔

یہ سن کر وہ لوگ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے، خدا کی قسم! جو کچھ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے کہا تھا وہ اپنے لالچ کی وجہ سے کہا تھا۔ یعنی ہم یہ بات برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آپ ہمارے شہر یعنی مدینے کے سوا کہیں اور رہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول تمہارے عذر کو قبول کرتے ہیں اور تمہاری تصدیق کرتے ہیں۔

سوالات

۱۔ فتح مکہ کے اسباب بیان کیجیے۔

۲۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دینے کے بعد مشرکینِ مکہ نے دوبارہ تجدید کے لیے کوشش کی، بیان کیجیے۔

۳۔ بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ سے کیا غلطی ہوئی، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس پر کیا ردعمل تھا؟

مسجد حرام میں داخلہ

جب پوری طرح صورت حال مسلمانوں کی گرفت میں آ گئی، اور ہر طرح سے اطمینان حاصل ہو گیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے میں داخل ہوئے، پہلے آپ نے خانہ کعبہ میں جا کر اپنی سواری پر اس کا طواف کیا اور اپنے ہاتھ کی چھڑی سے حجر اسود کا استلام کیا۔ پھر طواف سے فارغ ہو کر آپ نے عثمان بن طلحہؓ کو بلایا اور اس سے بیت اللہ کی چابی لے کر اس کو کھلوایا اور پھر اس میں داخل ہو گئے۔

کعبے میں تصاویر تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو انہیں مٹانے کا حکم دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کپڑا گیلا کر کے ان تصاویر کو مٹا دیا۔

ایک عجیب منظر

طواف کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی، اس وقت آپ عمامہ اور خود پہنے ہوئے تھے۔ پھر آپ زم زم پر تشریف لے گئے۔ حضرت عباسؓ یا حارث بن عبدالمطلبؓ نے زم زم کا ایک ڈول کھینچا اور آپ نے اس میں سے کچھ پانی پیا اور اس سے وضو کیا۔ صحابۂ کرامؓ آپ کے وضو کا استعمال شدہ پانی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرنے لگے۔ جو لوگ پانی حاصل کرنے میں کام یاب ہوئے وہ اس کو اپنے چہروں پر ملنے لگے۔ مشرکین مکہ اس منظر کو دیکھ کر تعجب کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم نے ایسا عالی مرتبہ نہ کسی بادشاہ کو دیکھا نہ سنا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسامہ بن زید کی اونٹنی پر سوار داخل ہوئے، اسے کعبے کے صحن میں بٹھایا، عثمان بن طلحہ کو چابی لانے کا

فرمایا، وہ چابی لائے اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ پھر اسے کھول دیا گیا، میں لوگوں سے پہلے آگے بڑھا، میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو کعبے کے دروازے پر کھڑا ہوا پایا، میں نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے بتایا: اگلے دو ستونوں کے درمیان، میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھیں؟

بابِ کعبہ پر خطبہ

جب آپ ﷺ کعبہ کا دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے تو مسجدِ حرام لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور لوگ صفیں بنا کر آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ نے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا:

لا اله الله وحده لاشريك له، صدق وعده و نصر عبده و هزم الاحزاب وحده

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کی تمام جماعتوں کو اس نے تنہا شکست دی۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

یہ شہر حرمت والا ہے، اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اسے باحرمت بنایا ہے، یہ قیامت تک حرمت والا رہے گا، میرے سوا کسی کے لیے اس شہر میں قتل حلال نہیں کیا گیا، اور میرے بعد قیامت تک کسی کے لیے اس شہر میں قتل کرنا حلال نہیں ہوگا، میرے لیے بھی صرف دن کے کچھ حصے میں اسے حلال کیا گیا، اب یہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرمت والا رہے گا، نہ یہاں کا کانٹا توڑا جائے، نہ گھاس کاٹی جائے نہ یہاں کا شکار بھگایا جائے، نہ ہی یہاں کی گری پڑی چیز اعلان کرنے والے کے سوا کوئی اٹھائے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اذخر گھاس کو مستثنیٰ فرما دیجیے، یہ ہمارے گھروں، قبروں اور سناروں کے کام آتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذخر

گھاس کے سوا، اس کا کاٹنا حلال ہے۔

کعبے کی کلید برداری

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اس وقت بیت اللہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! یہ کنجی ہمیں عطا فرما دیجیے، تا کہ زم زم پلانے کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہمیں حاصل ہو جائے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ عثمان بن طلحہ کہاں ہے۔ پھر آپ نے اس کو بلوایا اور فرمایا: اے عثمان! یہ تمہاری کنجی ہے اور اب یہ ہمیشہ تمہارے خاندان میں رہے گی، یہ کنجی میں نے خود نہیں دی، بل کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دلائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے نہیں چھین سکے گا۔
پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جو اس بارے میں فتح مکہ کے دن نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (النساء:۵۸)
تحقیق اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں پہنچا دو۔

کعبے میں پہلی اذان

جب ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت بلالؓ کو کعبہ پر چڑھ کر اذان دینے کا حکم دیا، مشرکین مکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چھپے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔
ابوسفیان بن حرب، عتاب، خالد بن اسید اور حارث بن ہشام اور دیگر سرداران قریش بیت اللہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا اچھا ہوا کہ اللہ نے ہمارے باپ اسید کو دنیا سے اٹھا لیا اور اس نے اس آواز کو نہیں سنا۔ حارث نے کہا: خدا کی قسم! اگر میں آپ کو حق پر جانتا تو آپ کی اتباع کرتا، ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم! میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر میں بولا تو یہ کنکریاں جا کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر کر دیں گی۔
جبریل علیہ السلام نے آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان لوگوں کی باتوں کی خبر دے دی۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ کہا ہے مجھے اس کی اطلاع ہو گئی ہے۔ پھر آپ نے وہ تمام باتیں بیان فرما دیں جو انہوں نے کہی تھیں۔ یہ سن کر حارث، عتاب اور خالد کہنے لگے کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

عتاب کو مکے کا والی مقرر کرنا

آں حضرت ﷺ نے عتاب بن اسیدؓ کو اسلام لانے کے بعد مکے کا والی مقرر فرمایا، اس وقت عتاب کی عمر ۲۱ سال تھی۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو نماز خود پڑھایا کریں۔ یہ پہلے امیر تھے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مکے میں جماعت سے نماز پڑھائی۔ آپ نے عتابؓ کے لیے ایک درہم یومیہ روزینہ مقرر فرمایا۔ پس عتابؓ نے کہا اے لوگو! اللہ تعالیٰ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے جو ایک درہم میں بھوکا رہے۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو مکے میں عتاب کے پاس چھوڑا، تاکہ وہ لوگوں کو حدیث اور فقہ کی تعلیم دیں۔

عتابؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مکے کے امیر رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی ان کو برقرار رکھا۔ جس روز حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوئی، اسی روز عتاب کی وفات ہوئی۔

بیعت

اس کے بعد آں حضرت ﷺ صفا کی ایک چٹان پر بیٹھ گئے اور حضرت عمرؓ نیچے کی جانب بیٹھ گئے۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ ان سے اسلام، خدا اور اس کے رسول کے اطاعت پر بیعت لینے لگے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے مردوں سے اسلام یعنی لا الہ الا اللہ وان محمد اعبدہ ورسولہ اور جہاد پر بیعت لی۔ مردوں کے بعد آپ نے عورتوں سے بیعت لی۔

اذان کی تعلیم

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں چند نوجوانوں کے ساتھ نکلا، ہم لوگ حنین کے راستے میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آرہے تھے، راستے ہی میں ہمیں رسول اللہ ﷺ ملے، مؤذن نے آپ کے پاس نماز کے لیے اذان دی، ہم نے مؤذن کی آواز سنی تو ہم بھی بہ طور مذاق اس کی نقل اتارنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے ہماری آواز سن لی اور فرمایا: ان نوجوانوں کو میرے پاس لاؤ، ہمیں آپ کے سامنے کھڑا کیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے سب سے بلند آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ

کیا اور وہ سچ کہہ رہے تھے، آپ نے سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا: اٹھو، نماز کے لیے اذان کہو، میں کھڑا ہوا، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کا کچھ بھی عطا فرمانا مجھے سب سے زیادہ ناپسند تھا، میں کھڑا ہوا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بہ نفس نفیس مجھے اذان سکھائی، آپ نے فرمایا کہو:

الله اکبر، الله اکبر، اشهد ا ن لا اله الا الله، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله

پھر مجھ سے فرمایا: بلند آواز سے پھر کہو:

اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله، حی علی الصلاة، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، الله اکبر، الله اکبر، لا اله الا الله

اذان کہنے کے بعد آپ نے مجھے بلایا اور مجھے ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی، پھر آپ نے اپنا دست مبارک میری پیشانی پر رکھ کر دو مرتبہ اسے میرے چہرے پر پھیرا، پھر دو مرتبہ میرے ہاتھوں اور جگر پر ہاتھ پھیرا، یہاں تک کہ آپ کا دست مبارک میری ناف تک پہنچا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تجھے برکت عطا فرمائے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے مکے میں مؤذن مقرر فرما دیں، آپ نے فرمایا: میں نے تجھے مقرر کر دیا ہے، میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جتنی نفرت تھی سب ختم ہو گئی، اور اس کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نے لے لی۔ میں مکہ مکرمہ میں رسول اللہ کے عامل عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ان کے ساتھ نماز کے لیے اذان دی۔

ابو قحافہ کا اسلام

اسی دوران جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ حضرت ابو بکرؓ اپنے بوڑھے والد کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو آپ کے سامنے بٹھا دیا۔

آپ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ! تو نے اس بزرگ کو اس کے گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا، میں خود اس کے پاس آتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے باپ کا آپ کی خدمت میں چل کر آنا ہی بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ آپ خود اس کے پاس تشریف لے جائیں۔ پھر آپ نے ابوقحافہ کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور اس کو اسلام کی تلقین کی۔ چناں چہ ابوقحافہؓ مسلمان ہو گئے۔

حضرت ابوبکر کے خاندان کی چار نسلیں مسلسل صحابہ کی ہیں، یعنی ان کے والد ابوقحافہ صحابی تھے، ان کے بیٹے حضرت ابوبکر صحابی تھے، ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمن صحابی تھے اور عبدالرحمن کے بیٹے محمد بن عبدالرحمن، جن کا لقب ابوعتیق تھا صحابی تھے۔ یہ فضیلت کسی اور کو حاصل نہیں۔

صفوان بن اُمیہؓ کا اسلام

صفوان قریش کے سرداروں میں سے تھے، سخاوت اور مہمان نوازی میں ممتاز تھے، ان کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا۔ فتح مکہ کے دن صفوان بن امیہ بھاگ کر جدہ چلے گئے۔ ان کے چچازاد بھائی عمیر بن وہب نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر صفوان کے لیے امن کی درخواست کی۔ آپ نے امان دے دی اور بہ طور علامت اپنا عمامہ یا چادر بھی عنایت فرمائی۔ عمیر جا کر ان کو جدے سے واپس لائے۔ صفوان نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے محمد! (ﷺ) عمیر یہ کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امن دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ صفوان نے کہا کہ آپ مجھے سوچنے کے لیے دو ماہ کی مہلت دیجیے۔ آپ نے فرمایا: تجھے چار مہینے کی مہلت ہے۔ غزوۂ حنین تک مسلمان نہیں ہوئے مگر غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کے ہم راہ رہے، آپ نے کچھ زرہیں ان سے بہ طور عاریت لیں۔ حنین سے واپسی میں آپ نے صفوان کو بے شمار بکریاں عطا فرمائیں۔ صفوان نے ان بکریوں کو دیکھ کر کہا کہ خدا کی قسم! اتنی سخاوت سوائے نبی کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔ اور مسلمان ہو گئے۔

سہیل بن عمرو کا اسلام

سہیل بن عمر مکہ کے اشرف اور سادات میں سے تھے۔ خطیب قریش کے نام سے مشہور

تھے۔ صلح حدیبیہ میں ان ہی کو آتا دیکھ کر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ اب تمہارا معاملہ کچھ سہل یعنی آسان ہو گیا ہے۔

فتح مکہ کے دن سہیل نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بارگاہ نبوت میں بھیجا کہ جا کر آپ سے میرے لیے امن حاصل کرے۔ آں حضرت ﷺ نے اس کو امن دیا اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے۔ قسم ہے میری زندگی کی! تحقیق سہیل بڑا عقل مند اور شریف ہے۔ سہیل جیسا آدمی اسلام سے جاہل اور بے خبر نہیں رہ سکتا۔ سہیل اس وقت تو اسلام نہیں لائے مگر غزوۂ حنین میں آپ کے ساتھ رہے اور جعرانہ میں مشرف با اسلام ہوئے اور قسم کھائی کہ جس قدر مشرکین کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے، اسی قدر اب مسلمانوں پر خرچ کروں گا۔

ابولہب کے بیٹوں کا اسلام

حضرت عباس کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن آں حضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے دونوں بھتیجے عتبہ اور معتب یعنی ابولہب کے لڑکے کہاں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہ روپوش ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں سوار ہو کر مقام عرنہ گیا اور وہاں سے دونوں کو اپنے ساتھ لایا، آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، دونوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے اور دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ کے قریب ملتزم پر آئے اور دیر تک دعا مانگتے رہے، پھر وہاں سے واپس ہوئے تو چہرۂ انور پر مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسرور رکھے، میں آپ کے چہرے کو مسرور دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے یہ درخواست کی تھی کہ میرے چچا کے یہ دونوں بیٹے عتبہ اور معتب مجھے عطا کر دیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں مجھے عطا فرما دئے۔

عام معافی

مکہ فتح ہونے کے بعد جب وہاں امن وسکون ہو گیا تو آپ نے عام معافی کا اعلان فرمایا، مگر چند مردوں اور عورتوں کو اس معافی سے مستثنیٰ رکھا اور ان کے بارے میں حکم دیا

کہ وہ جہاں کہیں ملیں قتل کر دیے جائیں۔ فتح مکہ کے دن آپ نے جن مردوں اور عورتوں کے بارے میں یہ حکم دیا تھا ان کی تعداد تقریباً ۱۵، ۱۶ تھی۔ ان میں سے بعض قتل کیے گئے اور بعض نے اسلام قبول کرلیا تو وہ معاف کر دیے گئے۔

معافی سے مستثنیٰ مرد

۱۔ عبداللہ بن خطل: یہ بنی تیم بن غالب میں سے تھا۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا، کیوں کہ یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ آں حضرت ﷺ نے اس کو مصدق (صدقات وصول کرنے والا) بنا کر بھیجا۔ اس کے ساتھ انصار کا ایک آدمی بھیجا اور خدمت کے لیے ایک غلام بھی ساتھ تھا۔ ایک منزل پر پہنچ کر اس نے غلام کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ غلام کسی وجہ سے سو گیا اور کھانا تیار نہ کر سکا۔ یہ دیکھ کر ابن خطل غصے میں آ گیا اور غلام کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ مرتد ہو کر مشرک ہو گیا۔ اس کے پاس دو گانے والی لونڈیاں تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں اشعار گاتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ ان دونوں لونڈیوں کو بھی جن کے نام فرتنا اور قریبہ تھے قتل کرنے کا حکم دیا۔ ان میں سے ایک کو قتل کر دیا گیا، دوسری کے لیے امان مانگی تو آپ نے اس کو امان دے دی اور وہ مسلمان ہو گئی۔

۲۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح: پہلے یہ مسلمان ہو گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی بھی تھے، پھر مرتد ہو کر مشرک ہو گئے اور قریش سے جا ملے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ کر حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس چلے گئے جو ان کے رضاعی بھائی تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو چھپا کر رکھا۔ جب مکہ میں امن وسکون ہو گیا تو حضرت عثمانؓ ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے لیے امن کی درخواست کی، آپ نے دیر تک سکوت فرمایا پھر آپ نے ان کا اسلام قبول فرمالیا۔

۳۔ حُوَیرِث بن نُقَیذ: یہ آپ ﷺ کو ایذا دیتا تھا اور فتح مکہ کے دن یہ جان بچا کر بھاگ رہا تھا کہ حضرت علیؓ نے اس کو قتل کیا۔

۴۔ مِقیَس بن حُبَابہ: (ابن سعد نے مقیس صبابہ لکھا ہے) یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا پھر غزوۂ قرد میں ایک انصاری نے اس کے بھائی ہشام کو دشمنوں میں سے سمجھ کر غلطی سے قتل کر

دیا۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیت دلانے کا حکم دیا۔ مقیس نے دیت لینے کے بعد انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکے چلا گیا۔ فتح مکہ کے دن آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ نمیلہ بن عبداللہ لیثی نے اس کو قتل کیا۔

۵۔ عکرمہ بن ابی جہل: یہ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلا گیا۔ اس کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام مسلمان ہو گئی۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کے لیے امن کی درخواست کی، آپ نے اس کی درخواست کو منظور فرما لیا اور وہ اپنے شوہر کی تلاش میں یمن کی طرف نکل گئی۔ پھر وہ اس کو لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئی اور عکرمہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

۶۔ ہَبّار بن الاسود: یہ مسلمانوں کو بہت تکلیفیں دیا کرتا تھا۔ اسی نے ہجرت کے وقت آپ کی صاحب زادی حضرت زینب کو سخت تکلیف پہنچائی تھی۔ فتح مکہ کے بعد بہت عرصے تک ادھر ادھر چھپا رہا، صحابہ کرامؓ اس کی تلاش میں رہے۔ آخر ایک روز خود آپ کے سامنے حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ میں گناہ گار اور خطا کار تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی اور میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ پھر اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے گزشتہ افعال پر ندامت و شرمندگی کا اظہار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو معاف فرما دیا۔

۷۔ وحشی بن حرب: سید الشہدا حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی بن حربؓ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر طائف چلا گیا، بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔

۸۔ کعب بن زہیر: یہ مشہور شاعر تھے، آپ کی ہجو میں شعر کہا کرتے تھے، مکے سے بھاگ گئے تھے۔ بعد میں ۹ ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوئے اور آپ کی مدح میں مشہور قصیدہ بانت سعاد پڑھا۔ آپ ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کو اپنی چادر عنایت فرمائی۔

۹۔ عبداللہ بن زِبَعریٰ: یہ بڑے زبردست شاعر تھے، آپ کی ہجو اور مذمت میں شعر کہا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن مسیّب فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا تو یہ بھاگ کر نجران چلے گئے۔ بعد میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے اور معذرت میں اشعار کہے۔

۱۰۔ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی: یہ بھی ان ہی شعرا میں سے تھا، جو آپ کی ہجو میں شعر کہتے تھے، فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ گیا اور کفر کی حالت میں مرا۔

۱۱۔حویرث بن طلاطل: یہ بھی آپ ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا، فتح مکہ کے دن حضرت علیؓ نے اس کو قتل کیا۔

معافی سے مستثنیٰ عورتیں

۱۲۔ہند بنت عتبہ: زوجہ ابوسفیان یہ وہی ہند ہے جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ یہ بھی ان عورتوں میں شامل ہے جن کے قتل کا حکم آں حضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن دیا تھا۔ یہ آپ کو بہت ایذا دیتی تھی۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کیا۔

۱۳۔ ۱۴۔قُرَیْنَیٰ اور قُرَیْبَہ: یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں شب و روز ہجو گاتی تھیں۔ ان میں سے ایک ماری گئی اور دوسری نے امن کی درخواست کی، اس کو امن دے دیا گیا اور وہ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی۔

۱۵۔سارّہ: بنی المطلب میں سے کسی کی باندی تھی۔ یہ بھی آپ کی ہجو گایا کرتی تھی۔ علامہ حلبی وثوق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ سارہ رضی اللہ عنہا ایمان لے آئی تھیں اور مسلمان ہو گئی تھیں واللہ اعلم۔

سوالات

۱۔فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا رویہ کیا تھا؟

۲۔فتح مکہ کے موقع پر کن مشہور شخصیات نے اسلام قبول کیا؟

۳۔فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ کی چابی کس کے سپرد کی گئی؟

غزوۂ حنین و طائف

(۶ شوال ۸ھ بہ روز ہفتہ)

حنین مکہ مکرمہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر مکۂ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں ہوازن اور ثقیف کے قبائل آباد تھے جو نہایت جنگ جو اور ماہر تیرانداز تھے۔ ۸ھ میں جب مکۂ مکرمہ فتح ہوگیا تو ہوازن کے لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ اب مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہوگئی ہے اور مکۂ مکرمہ بھی فتح ہوگیا ہے۔ اس لیے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ ہماری طرف ہوسکتا ہے۔ چناں چہ فتح مکہ کے بعد مالک بن عوف نضری (جو بعد میں مسلمان ہوگیا) نے ہوازن اور ثقیف کی تمام شاخوں کو مشورے کے لیے جمع کیا۔ ان میں درید بن صمۃ بھی تھا جو عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھا۔ اس نے کہا کہ نہ تو مجھے آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے اور نہ میں سواری پر جم کر بیٹھ سکتا ہوں۔ میں صرف مشورے کے لیے تمہارے ساتھ چلوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تم میری مخالفت نہ کرنا۔

چناں چہ یہ سب لوگ جن کی تعداد ۲۰ ہزار تھی جنگ کی پوری تیاری کے بعد مکے کی طرف روانہ ہوگئے اور مالک بن عوف کے مشورے پر ہر شخص نے اپنے اہل و عیال، مال اور مویشی بھی ساتھ لے لیے۔ مالک بن عوف کا خیال تھا کہ اس طرح لوگ اپنے اہل و عیال اور مال کی وجہ سے میدان جنگ چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔

حنین میں پڑاؤ

مالک بن عوف اور اس کے ساتھیوں نے وادئ حنین کو جنگ کے لیے منتخب کیا۔ یہاں پہنچ کر درید کہنے لگا یہ کیا ہے کہ میں اونٹوں کا بولنا اور گدھوں کا چیخنا اور بکریوں کا منمنانا اور بچوں کا

بلبلانا سن رہا ہوں۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ مالک کے حکم سے اپنے اہل وعیال اور جانوروں کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔ درید نے مالک سے کہا کہ تم سب کو کیوں کھینچ کر لائے ہو۔ مالک نے جواب دیا کہ میرا خیال ہے کہ جب ہر شخص کے بیوی بچے اور جانور ساتھ ہوں گے تو وہ ان کی حفاظت کے لیے جم کر لڑیں گے۔ درید نے لوگوں سے کہا کہ یہ بھیڑوں کا چرواہا ہے اس کا جنگ سے کیا تعلق۔ پھر کہنے لگا کہ بھاگنے والے کو کوئی چیز لوٹا کر نہیں لاسکتی، اگر جنگ کا پلڑا تمہارے حق میں ہونا ہے تو تمہیں مردوں کی تلواریں اور نیزے ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور اگر جنگ کا فیصلہ تمہارے خلاف ہوا تو بیوی بچوں کی گرفتاری اور مویشیوں کی لوٹ تمہیں رسوا کر دے گی، لہٰذا تمام اہلِ وعیال اور بچوں اور جانوروں کو محفوظ مقامات پر پہنچا کر، پیدل اور گھوڑوں پر سوار سب مل کر لڑو۔ اگر تمہیں فتح حاصل ہوگئی تو تمہارے بیوی بچے اور جانور سب تمہیں مل جائیں گے، اگر تم شکست کھا گئے تو تمہارے اہل وعیال اور مال محفوظ رہیں گے۔

مالک نے جواب دیا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہوگئی ہے۔ یہ سن کر درید کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا: اے ہوازن کے لوگو! کعب اور کلاب کہاں ہیں؟ لوگوں نے اس کو بتایا کہ ان میں سے کوئی نہیں آیا۔ درید نے کہا کہ طاقت اور بہادری تو غائب ہوگئی۔ اگر یہ غلبہ پانے اور برتری حاصل کرنے کا دن ہوتا تو وہ لوگ غیر حاضر نہ ہوتے، اے ہوازن کے لوگو! واپس چلو اور جیسا کعب اور کلاب نے کیا ہے تم بھی ویسا ہی کرو۔ یہ سن کر لوگوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ پھر درید نے پوچھا کہ تم میں سے کون کون آیا ہے، لوگوں نے جواب دیا کہ عامر کے دونوں بیٹے عمرو اور عوف آئے ہیں، درید نے کہا یہ دونوں بنی عامر کے کم زور آدمی ہیں۔ یہ لوگ جنگ سے فرار تو اختیار نہیں کریں گے، مگر ان کی موجودگی بھی فائدہ مند نہیں۔ پھر مالک بن عوف نے درید سے پوچھا کہ اس رائے کے علاوہ بھی کوئی رائے ہے؟ درید نے کہا کہ اپنی فوج کے کچھ آدمی کمین گاہ میں چھپا دو جو تمہاری مدد کے لیے تیار رہیں۔ جب اسلامی لشکر تم پر حملہ آور ہو تو یہ لوگ پیچھے سے ان پر حملہ کر دیں اور تم اپنے ساتھیوں کو لے کر سامنے سے مقابلہ کرو۔ چناں چہ مالک نے ایسا ہی کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیاری اور روانگی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوازن کے ارادے کی خبر ملی تو آپ نے مقابلے کی تیاری کی، مکے میں آپ عتاب بن اسیدؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما ہی چکے تھے اور ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ کو لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے وہاں چھوڑ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان بن اُمیہؓ سے سو زرہیں اس وعدہ کے ساتھ مستعار مانگیں کہ ان میں سے جو ہتھیار تلف ہوگا اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ چناں چہ صفوان نے سو زرہیں دے دیں۔ نوفل بن حارث نے ۳۰۰۰ نیزے پیش کیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶ شوال ۸ ھ بہ روز ہفتہ بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر مکے سے روانہ ہوئے، ان میں دس ہزار مدینے والے تھے اور دو ہزار مکے والے۔

یہ پہلا موقع تھا جب مسلمان چودہ ہزار کی تعداد میں مقابلے کے لیے نکلے تھے اور سامان جنگ بھی اب تک ہونے والے تمام معرکوں سے زیادہ تھا۔ یہ لوگ بدر کے میدان میں دیکھ چکے تھے کہ صرف ۳۱۳ بے سروسامان لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی تھی۔ اس لیے اپنی کثرت اور ساز و سامان کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کی زبان سے اس قسم کے کلمات نکل گئے کہ آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ آج تو مقابلے کی دیر ہے کہ دشمن فوراً شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔ اللہ کو مسلمانوں کا اپنی کثرت پر خوش ہونا پسند نہ آیا۔ چناں چہ مسلمانوں کو اس کی سزا اس طرح ملی کہ بنو ہوازن کے لوگوں نے ایک دم ہلہ بولا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حدردؓ کو جاسوس بنا کر دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ جا کر دشمن کے اندر رہ کر حالات معلو کریں، انہوں نے اس دوران مالک کو اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے سنا کہ اس سے پہلے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کسی لڑنے والی قوم سے واسطہ نہیں پڑا۔ ان کا مقابلہ ایسے لوگوں سے ہوتا رہا جو لڑائی سے واقف ہی نہیں تھے۔ صبح ہوتے ہی تم لوگ اس طرح صف بندی کرنا کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے اہل و عیال اور مال ہو۔ پھر حملہ کا آغاز کرنا اور اپنی تلواروں کی نیا میں توڑ ڈالنا اور سب لوگ ایک دم

ایک شخص کی طرح حملہ کر دینا۔ خوب سمجھ لو جو پہل کرے گا غلبہ اسی کو حاصل ہوگا۔

صف بندی

دو تہائی رات گزرنے کے بعد مالک بن عوف نے حنین کی وادی میں اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی۔ اس وادی میں بے شمار گھاٹیاں اور تنگ راستے تھے۔ مالک نے اپنی فوج کو ان گھاٹیوں اور راستوں میں پھیلا دیا اور حکم دیا کہ سب ایک دم حملہ کریں۔

دوسری جانب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور ان کی صف بندی کی، خود بھی دو زرہیں اور خود پہن کر تیار ہو گئے اور لشکر کی صفوں کے سامنے جا کر معائنہ کیا اور بعض کو بعض کے آگے پیچھے کیا۔ پھر سب کو جنگ پر آمادہ کیا اور فتح کی خوش خبری دی، بہ شرطے کہ لوگ سچے دل سے ثابت قدم رہیں۔

جوں ہی لشکر کا مقدمۃ الجیش، جس کا جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، منہ اندھیرے تنگ گھاٹیوں کے درمیان سے گزرنے لگا تو دشمن کے چھپے ہوئے آدمیوں نے اس پر چاروں طرف سے تیر برسانا شروع کر دیے، ان کے ہزاروں تیر ایک ساتھ ایسے آرہے تھے جیسے ٹڈی دل ہو اور مشکل ہی سے ان کا کوئی تیر خالی جاتا تھا۔ جس سے یہ لوگ گھبرا کر پسپا ہو گئے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس راستے کو ترک فرما کر جس پر آپ اور اہل لشکر آگے بڑھ رہے تھے، دائیں جانب آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس انتشار کی حالت میں لشکر کے ایک بڑے حصے کو یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ کس طرف آگے بڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہے جب آپ کے قریب صرف ۱۰۰ یا اسی آدمی رہ گئے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خچر کو تیزی سے آگے بڑھایا تو لوگ سامنے سے ہٹتے رہے اور آپ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس کے بعد صرف وہ چار شخص رہ گئے جو آپ کے خچر کی باگ اور رکاب تھامے ہوئے تھے۔ آخر جب خچر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا کے مطابق آگے نہ بڑھ سکا تو آپ اس سے اتر کر تنہا دشمن کی طرف بڑھے۔

حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ حنین کے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ مہاجرین و انصار میں سے صرف اسی آدمی باقی رہ گئے۔ ہم لوگ بھی

پیچھے ہٹ گئے تھے مگر ہم نے میدان نہیں چھوڑا تھا۔ جب لوگ منتشر ہو گئے اور آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ رہ گئے تو آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہؓ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے بیعت کی تھی۔ سورۂ بقرہ والے کہاں ہیں اور وہ انصار کہاں ہیں، جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا۔ سب کو چاہیے کہ وہ واپس آئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں ہیں۔

حضرت عباس کی آواز سن کر لوگ ایک دم لبیک لبیک کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے لگے۔ اس وقت اگر کوئی شخص واپسی کے لیے اپنا اونٹ موڑنا چاہتا تو افراتفری اور لوگوں کے بے تحاشا بھاگنے کی وجہ سے اپنا اونٹ نہیں موڑ سکتا تھا۔ آخر وہ اپنی زرہ اٹھا کر گلے میں ڈالتا، تلوار اور ترکش سنبھالتا اور اونٹ سے کود کر اسے چھوڑ دیتا اور آواز کی سمت میں چلتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ جاتا۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ اس وقت انصاری مسلمان اس طرح پروانہ وار آپ کی طرف دوڑ رہے تھے، جیسے اونٹ اپنے بچوں کی طرف دوڑتا ہے یا جیسے گائے اپنے بچے کی طرف بھاگ کر جاتی ہے۔ آخر جب سو مسلمان جمع ہو گئے تو انہوں نے آگے بڑھ کر مشرکین پر حملہ کیا اور لڑائی کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا۔

مٹھی بھر خاک پھینکنا

جب گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر خاک لے کر شاہت الوجوہ (چہرے خراب ہو گئے) کہتے ہوئے کافروں کی طرف پھینکی۔ دشمن کا کوئی آدمی ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں میں اس خاک کے ذرات نہ پڑے ہوں اور اس کے ساتھ ہی دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

مالک بن عوف نے اپنے اہل وعیال اور سب مال کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی اور طائف کے قلعے میں جا کر چھپ گیا، یہ دیکھ کر باقی قوم کے لوگ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمن کے ستر آدمی مارے گئے اور چھ ہزار قید کر لیے گئے، بہت سا مال ہاتھ آیا، جس میں ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی شامل تھی۔ شکست کھانے کے بعد

مالک بن عوف اور ہوازن کے کچھ آدمی طائف میں آ گئے اور کچھ لوگوں نے اوطاس میں لشکر گاہ بنالی اور کچھ نخلہ کی طرف چلے گئے اور جو لوگ گھاٹیوں میں چلے گئے ان کا پیچھا نہیں کیا گیا۔

خالد بن ولیدؓ کا زخمی ہونا

حضرت عبدالرحمن بن ازہرؓ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھڑ سوار دستے کے سالار تھے، وہ اس روز زخمی ہو گئے، جب اللہ نے کفار کو شکست سے ہم کنار کر دیا اور مسلمان اپنے ٹھکانوں کی طرف پلٹ آئے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ مسلمانوں کے درمیان چلتے جا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ خالد بن ولید کے ٹھکانے کا کون بتائے گا؟ میں اس وقت بالغ لڑکا تھا۔ میں آپ کے آگے یہ کہتے ہوئے دوڑنے لگا کہ خالد کے ٹھکانے کا پتہ کون بتائے گا؟ یہاں تک کہ ہم خالد رضی اللہ عنہ کے ٹھکانے پر جا پہنچے، خالد بن ولید اپنے کجاوے کے پچھلے حصے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر ان کا زخم ملاحظہ فرمایا اور اپنا لعاب دہن لگایا۔ یوں اس غزوے کی کامیابی کے ساتھ تکمیل ہوئی۔

غزوۂ طائف

طائف کا قلعہ عرب کے تمام قلعوں میں بے نظیر تھا، مالک بن عوفؓ اور اس کے ساتھیوں نے غزوۂ حنین میں شکست کے بعد یہاں پناہ لی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین سے فارغ ہو کر طائف پہنچے اور قلعے کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ دشمن نے مسلمانوں کو دیکھتے ہی تیروں کی شدید بارش کر دی، جس سے کچھ لوگ زخمی ہو گئے، اور ان میں سے ۱۲ آدمی مارے گئے۔

کفار کا قلعہ بند ہونا

عمرو بن اُمیہؓ ثقفی نے جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اپنے لشکر والوں سے کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میدان میں نکل کر دو بدو جنگ کی دعوت دیں تو کوئی آدمی لڑنے کے لیے باہر نہ نکلے خواہ وہ کتنے ہی طویل عرصے تک یہاں پڑے رہیں، چناں چہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جب میدان میں نکل کر اپنے دشمن کو طلب کیا تو کسی نے قلعے کے اوپر سے جھانکا بھی نہیں۔ انہوں نے پھر دعوت دی تب بھی کوئی نہیں اترا، بل کہ عبد یالیل نے جواب دیا کہ کوئی تمہارے

مقابلے پر نہیں اترے گا۔ ہم قلعہ کے اندر ہی رہیں گے ہم نے برسوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں جمع کر رکھی ہیں۔ جب یہ راشن ختم ہو جائے گا اور اس وقت تک تم یہاں پڑے رہے تو ہم سب قلعے سے اتر کر آخر دم تک تمہارا مقابلہ کریں گے۔ پھر مسلمان تیروں سے ان کا مقابلہ کرتے رہے اور وہ لوگ بھی قلعہ کے اوپر سے تیر پھینکتے رہے اور کوئی باہر نکل کر نہیں آیا۔

قلعہ سے اترنے والے غلام کو آزاد کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے۔ چناں چہ دس سے کچھ زیادہ لوگ قلعے سے اتر کر آ گئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔

طائف کا محاصرہ تیس رات یا اس کے قریب رہا۔ شوال کا مہینہ تھا، اس مہینے کے جتنے دن باقی تھے ان میں محاصرہ رہا۔ پھر جب ذی قعدہ شروع ہو گیا تو محاصرہ اٹھا لیا گیا، کیوں کہ یہ حرمت کا مہینہ تھا اور اس میں جنگ و جدال حرام تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم ان شاء اللہ کل واپس چلے جائیں گے۔ گویا مسلمانوں پر یہ بات گراں گزری، آپ نے فرمایا: اچھا تو کل جنگ کرنا، دوسرے دن جنگ ہوئی تو کافی لوگ زخمی ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کل ان شاء اللہ ہم واپس ہوں گے، مسلمان یہ سن کر خوش ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے۔

اہل ثقیف کے حق میں دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ (کل) اونٹ چرنے کے لیے نہ چھوڑے جائیں۔ صبح ہوئی تو آپ نے اور صحابۂ کرام نے کوچ کر دیا۔ جب آپ واپسی کے لیے سوار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اے اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے اور ہمیں ان کی مشقت سے بچالے۔ ترمذیؒ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو حسن کہا ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلا ڈالا ہے، آپ ان کے لیے بددعا کر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو صاحبِ ایمان بنا کر لے آ۔

حسنِ سلوک کی درخواست

دوسری جانب جب قبیلہ ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کا مال (جو مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر حاصل ہوا تھا) اور ان کے قیدی انہیں واپس کر دیے جائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ساتھ اور لوگ بھی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور مجھے سب سے اچھی وہ بات لگتی ہے جو سچی ہو۔ لہٰذا تم دونوں میں سے ایک چیز واپس لے لو یا قیدی لے لو یا مال۔ اور میں نے آپ لوگوں کے خیال سے قیدیوں کی تقسیم میں تاخیر کی تھی۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف سے واپس ہو کر تقریباً دس دن ان کا انتظار کیا تھا۔

جب ہوازن کے لوگوں پر یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ انہیں صرف ایک ہی چیز واپس کریں گے تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قیدیوں کی واپسی پسند کرتے ہیں۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر مسلمانوں کو خطاب فرمایا، جس میں آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اس کی ثنا بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ تمہارے بھائی توبہ کر کے ہمارے پاس آئے ہیں۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دیے جائیں۔ اس لیے جو شخص اپنی خوشی سے واپس کرنا چاہے وہ واپس کر دے اور جو لوگ اپنا حصہ نہ چھوڑنا چاہتے ہوں وہ اس طرح کر لیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں جو سب سے پہلے غنیمت عطا فرمائے اس میں سے ہم انہیں اس کے بدلے میں دے دیں تو وہ ان کے قیدی واپس کر دیں۔ تمام صحابہؓ نے کہا کہ ہم خوشی سے (کسی بدلہ کے بغیر) واپس کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ تم میں سے کس نے خوشی سے واپس کیا اور کس نے نہیں کیا۔ اس لیے سب واپس جاؤ اور جو تمہارے نمائندے ہیں وہ آ کر مجھے تمہاری رائے بتائیں۔ چناں چہ سب واپس گئے اور ان کے نمائندوں نے ان سے بات چیت کی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سب نے خوشی سے اجازت دی ہے۔

شیمابنت حلیمہ

غزوۂ حنین کے موقع پر جو لوگ قید ہوئے تھے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن شیما

بنت حلیمہ بھی تھیں۔ گرفتاری کے وقت شیما نے گرفتار کرنے والوں سے کہا کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں، مگر لوگوں نے ان کی بات پر یقین نہیں کیا۔ آخر انصار کی ایک جماعت ان کو گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائی۔ اس وقت شیما نے عرض کیا کہ میں آپ کی بہن ہوں۔ آپ نے شیما سے فرمایا کہ فی الحال جعرانہ چلی جاؤ، جہاں تم اپنی قوم کے ساتھ رہو گی۔ میں اس وقت طائف جا رہا ہوں۔ چناں چہ شیما کو جعرانہ بھجوا دیا گیا۔

اس کے بعد جب آپ طائف سے جعرانہ تشریف لائے تو شیما آپ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگیں یا رسول اللہ میں آپ کی بہن ہوں۔ آپ نے فرمایا اس کا کیا ثبوت ہے؟ شیما نے کہا کہ میری کمر میں نشان ہے جہاں آپ نے کاٹا تھا۔ آپ نے وہ نشان دیکھ کر پہچان لیا۔ آپ فوراً کھڑے ہو گئے، ان کے لیے اپنی چادر بچھائی اور انہیں اس پر بٹھایا۔ اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ آپ نے شیما سے ان کے والد اور والدہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ پھر آپ نے شیما سے کہا کہ تم جو کچھ مانگو گی دیا جائے گا، اور جس بات کی سفارش کرو گی وہ قبول کی جائے گی، شیما نے آپ سے اپنی قوم کے قیدیوں کو مانگا جن کی تعداد چھ ہزار تھی۔ آپ نے سب قیدی انھیں ہدیہ فرما دیے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیما کو اختیار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میرے پاس تمہارے لیے عزت و محبت ہے۔ اور اگر چاہو تو میں تمہیں مال و دولت دے کر تمہاری قوم کے پاس واپس بھیج دوں۔ شیما نے کہا کہ ہاں آپ مجھے مال و دولت دے کر میری قوم میں واپس بھیج دیں۔ پھر آپ نے ان کو ایک غلام اور ایک کنیز عطا فرمائیں اور بہت سا مال و دولت اور بکریاں عطا فرمائیں۔

مالک بن عوف نضری کا اسلام

غزوۂ حنین میں مالک بن عوف کے گھر کی سب عورتیں اور مرد گرفتار ہو کر قیدی بن گئے تھے، مگر خود مالک بچ نکلنے میں کام یاب ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گرفتاری کے بعد ان کے گھر والوں کو حنین سے مکے بھیج دیا اور ان کو وہیں روکے رکھنے کا حکم دیا۔ جعرانہ میں جب بنی ہوازن کا وفد اپنے مقتولوں کی رہائی کے لیے آپ کے پاس آیا تو انہوں نے مالک بن

عوف کے گھر والوں کی رہائی کے لیے بھی آپ سے بات کی اور عرض کیا کہ وہ لوگ ہمارے سرداروں میں سے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا ہے، اسی لیے ان کے مال اور قیدیوں کو تقسیم نہیں کیا گیا، بل کہ ان کو جوں کا توں باقی رکھا گیا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مالک کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ فرار ہوکر بچ نکلنے میں کام یاب ہوگیا اور طائف کے ایک قلعے میں بنی ثقیف کے پاس پناہ گزیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ اگر وہ میرے پاس مسلمان ہوکر آجائے تو میں اس کا مال اور اس کے گھر والوں کو لوٹا دوں گا۔اور اس کے علاوہ سو اونٹ مزید دوں گا۔

جب مالک کو معلوم ہوا کہ آپ نے اس کے گھر والوں کے ساتھ نہایت شریفانہ اور فیاضی کا سلوک فرمایا ہے اور اس کے مال اور گھر والے جو علیحدہ محفوظ رکھے ہوئے ہیں، اس کو واپس دینے کا وعدہ فرمایا ہے تو ایک دن وہ خاموشی سے قلعے سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور نہایت تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا جعرانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اور مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے ان کے گھر والے اور مال واپس دے دیا اور ان کو بنی ہوازن کے مسلمانوں پر اپنا قائم مقام بنادیا۔اس طرح ہوازن اور ثقیف کے قبائل بھی مسلمان ہوگئے، اور طائف کا علاقہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماتحتی میں داخل ہوگیا۔

سوالات

۱۔غزوۂ حنین میں پیش آنے والی آزمائش بیان کیجیے۔

۲۔اہلِ طائف کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رویہ کیا تھا؟

حج صدیق اکبرؓ، غزوۂ تبوک

۹ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری (۹ رجب ۹ ہجری قمریہ شمسی/۱۹ مارچ ۶۳۱ء) بہ روز منگل

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک سے واپس آ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ رمضان، شوال، اور ذی قعدہ مدینے میں قیام فرمایا۔ پھر ذی قعدہ ۹ھ میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینہ سے تین سو آدمی روانہ ہوئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ قربانی کے لیے دس جانور روانہ فرمائے، جن کی تقلید اور اِشعار (اس بات کی علامت کہ یہ اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لیے ہیں) آپ نے اپنے دست مبارک سے کی تھی، اور اس پر ناجیہ بن جندب اسلمی کو مقرر کر دیا تھا، جب کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق خود اپنی طرف سے پانچ بُدنے لے کر گئے تھے۔

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے روانہ ہونے کے بعد عہد توڑنے کے بارے میں سورۂ برأت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی اونٹنی پر روانہ فرمایا، تاکہ وہ سورۂ برأت کو کفار کے سامنے پڑھیں۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ مقامِ العرج میں پہنچے تو حضرت علیؓ نے جو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قصوا نامی اونٹنی پر سوار تھے، وہاں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ کو بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو سورۂ برأت پڑھ کر سنانے اور جن لوگوں کے ساتھ عہد ہے ان کا عہد واپس کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

مکے پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا، خطبہ پڑھا اور مناسک حج کی تعلیم دی۔ پھر حضرت علیؓ نے یوم النحر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق، جس کے ساتھ عہد تھا اس کا عہد واپس کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ اے لوگو! کوئی کافر جنت میں نہیں جائے گا اور اس

سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے اور جس کا عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کسی مقررہ مدت کے لیے ہے وہ عہد باقی رہے گا۔

زید بن یثیع کہتے ہیں ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم دے کر حج میں بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے چار چیزوں کا حکم دے کر بھیجا گیا تھا۔

۱۔ کوئی شخص ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔

۲۔ جس کسی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معاہدہ ہے وہ اس کی مدت تک برقرار رہے گا اور اگر مدت متعین نہیں ہے تو اس کی مدت چار ماہ ہوگی۔

۳۔ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔

۴۔ مسلمان اور مشرک اس سال کے بعد (حج میں) جمع نہیں ہوں گے۔ (یعنی مشرک آئندہ سے حج میں شریک نہیں ہو سکیں گے)

ابن جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر روانہ فرمایا اور مجھے ان کے ساتھ سورۂ برأت کی چالیس آیات دے کر بھیجا، عرفہ کے روز حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا، خطبے کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے علیؓ! کھڑے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام پہنچاؤ۔ چناں چہ میں کھڑا ہوا اور سورۂ برات کی چالیس آیات پڑھیں۔

اس حج کی تکمیل کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے قافلے کے ہم راہ واپس تشریف لے آئے، حضرت علی بھی ان کے ہم راہ تھے۔

غزوۂ تبوک

۲۵ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری (۲۵ رجب ۹ ہجری، قمریہ شمسی ۱۴ اپریل ۶۳۱ء) بہ روز جمعرات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شام سے آنے والے ایک قافلے کے ذریعے خبر ملی کہ روم کے بادشاہ نے ایک عظیم الشان لشکر مدینے پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا ہے، اور فوج کو ایک سال کی تن خواہیں بھی ادا کر دی ہیں۔ عرب کے عیسائی قبائل لخم، جذام، عاملہ اور غسان وغیرہ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں، اور انہوں نے اپنے ہراول دستوں کو بلقا کے مقام تک پہنچا دیا ہے۔ وہ مقام مُوتہ میں ہوئے والی شکست کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کیا کہ حملہ آور فوج کو عرب سرزمین میں داخل ہونے سے پہلے پہلے روکنا مناسب ہے، تاکہ اندرون ملک امن میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ مقابلہ ایسی سلطنت کے ساتھ تھا جو نصف دنیا پر حکم ران تھی۔ مسلمان بے سروسامان تھے اور دور دراز کا سفر تھا۔ عرب کی مشہور گرمی خوب زوروں پر تھی۔ مدینے میں پھل پک گئے تھے اور اب پھل کھانے کے دن تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام روایت کے برخلاف اصل مقام کی وضاحت کے ساتھ چلنے کا عام اعلان کر دیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دے دیا اور مال دار لوگوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور سواری مہیا کرنے کی ترغیب دی۔ تمام صحابہ اپنی استطاعت کے مطابق اونٹ اور مال لائے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گھر کے تمام اثاثے نقد و جنس کا نصف لا کر حاضر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا کل مال لا کر حاضر کر دیا، جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی، اپنے اہل و عیال کے لیے خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر اکتفا کیا۔ حضرت

عبدالرحمن بن عوفؓ نے بہت سامال پیش کیا مگر اس روز جو نفقۂ عظیم حضرت عثمانِ غنیؓ نے دیا، وہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ انہوں نے تین سو اونٹ لدے ہوئے مع سازوسامان اور ایک ہزار اشرفی نقدی دی۔ آں حضرت ﷺ اس سے نہایت مسرور ہوئے۔ آپ بار بار ان کو پلٹتے تھے، اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عملِ صالح کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

نادار صحابہ نے مزدوری کر کے جو کچھ حاصل کیا وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، عورتوں نے اپنے زیورات لاکر حاضر کر دیے۔ ابو عقیل انصاری نے دو سیر چھوہارے لاکر پیش کیے اور عرض کیا کہ رات بھر پانی نکال کر ایک کھیت کو سیراب کیا، مزدوری میں چار سیر چھوہارے ملے تھے۔ دو سیر بیوی بچوں کے لیے چھوڑ دیے اور باقی دو سیر لے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو تمام قیمتی مال و متاع کے اوپر بکھیر دو۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

منافقوں کا پول کھلنا

جب غزوۂ تبوک کے لیے نکلنے کا اعلان ہوا تو یہ وقت منافقوں کے لیے بڑا کڑا اور سخت تھا۔ حالات اور موسم ناسازگار تھے، اس لیے وہ ساتھ بھی نہیں جا سکتے تھے اور نہ جائیں تو پول کھلتا تھا۔ آخر انہوں نے نہ جانے ہی کا فیصلہ کیا اور گرمی کا بہانہ کر کے گھروں میں بیٹھ رہے۔ ادھر منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی منافقین مدینے سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور شہر سے باہر آکر ثنیۃ الوداع کی پہاڑی کے نیچے اپنے ساتھیوں کے ساتھ علیحدہ اپنا پڑاؤ ڈالا۔ آپ ﷺ نے اسی پہاڑی کے اوپر اپنی قرارگاہ بنائی تھی۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی یہیں سے مدینے واپس چلے گئے۔ اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ ایسے وقت رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے جا رہے ہیں، جب حالات نہایت ناسازگار ہیں۔ لوگ گرمی اور خشک سالی کی وجہ سے پریشان ہیں اور وطن سے اتنی دور جانا ہے کہ ہماری ہمت سے باہر ہے۔ خدا کی قسم! مجھے تو ایسا نظر آرہا ہے کہ ان کے ساتھی یعنی صحابہ کرام پہاڑوں میں چھپتے اور بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔

سب تیاریاں مکمل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر فرمایا اور حضرت علیؓ کو اہل و عیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لیے مدینے میں چھوڑا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: میں آپ سے ایک حدیث کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں، لیکن مجھے آپ سے سوال کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے آپ غصے والے ہیں، انہوں نے فرمایا: بھتیجے! ایسا نہ کرو، جب تمہیں معلوم ہے کہ مجھے ایک بات کا علم ہے تو تم مجھ سے پوچھو اور ڈرو نہیں، میں نے پوچھا: جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ کو (اپنے نائب کے طور پر) مدینے میں چھوڑا تو ان سے کیا فرمایا تھا؟

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑا تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہارا وہی مقام ہو جو موسیٰ (علیہ السلام) سے ہارون (علیہ السلام) کو تھا، وہ دو مرتبہ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! میں راضی ہوں، پھر علی رضی اللہ عنہ جلدی سے واپس ہوئے، گویا میں ان کے قدموں سے اڑتا ہوا غبار دیکھ رہا ہوں۔

لشکر کی روانگی

آپ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے تیس ہزار فوج کے ساتھ ۲۵ ذی الحجہ ۹ ہجری قمری، بہ روز جمعرات ثنیۃ الوداع سے روانہ ہوئے۔

آپ ﷺ نے مختلف پرچم تیار فرمائے۔ اپنا بڑا جھنڈا حضرت ابو بکر صدیق کو عنایت فرمایا اور ایک پرچم حضرت زبیر کو عنایت فرمایا۔ قبیلہ اوس کا پرچم اسید بن حضیر کو اور قبیلہ خزرج کا پرچم ابو دجانہ کو دیا۔ اس کے علاوہ آپ نے کچھ اور لوگوں کو بھی پرچم عنایت فرمائے۔ پھر

آپ کو اگلے پڑاؤ پر پانی کی قلت کا پتہ چلا تو آپ نے منادی کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ مجھ سے پہلے پانی پر کوئی نہ پہنچے، جب آپ چشمے پر تشریف لائے کچھ لوگ آپ سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے، آپ نے پسند نہیں کیا۔

راستے میں بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ ایک روز پانی ختم ہو گیا، لوگ گرمی اور پیاس کی شدت سے بے تاب ہو گئے۔ حلق میں کانٹے پڑ گئے، یہاں تک کہ لوگوں نے اونٹ ذبح کر کے ان کے پیٹ میں سے پانی کی وہ تھیلیاں نکال لیں جن میں اونٹ کئی کئی دن کا پانی جمع کر لیتے ہیں اور اس پانی سے اپنی پیاس بجھائی۔ آخر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس تکلیف کی شکایت کی، چناں چہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ تو خوب دعائے خیر کرنے والے ہیں، اس لیے ہمارے لیے دعا فرمائیے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اس وقت تک اٹھائے رکھے جب تک اللہ تعالیٰ نے بادل نہیں بھیج دیے۔ پھر اتنی بارش ہوئی کہ لوگ سیراب ہو گئے اور کافی پانی جمع کر لیا۔

حضرت بلال سے کھانے کے متعلق سوال

حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ میں تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ ایک رات آپ نے حضرت بلال سے پوچھا کہ کیا کھانے کے لیے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! ہمارے تھیلے بالکل خالی ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر دیکھو، ممکن ہے کسی تھیلے میں کچھ موجود ہو۔ اس کے بعد آپ نے خود ایک ایک تھیلا اٹھا کر الٹنا شروع کیا، جن میں سے ایک دو کھجور نکل کر گر جاتی۔ اس طرح آپ کے ہاتھ میں سات کھجوریں آئیں۔ پھر آپ ﷺ نے ایک دستر خوان منگوا کر بچھایا اور وہ کھجوریں اس پر رکھ کر ان پر اپنا دست مبارک رکھ دیا اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ چناں چہ ہم تین آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں۔ خود میں نے ۵۴ کھجوریں کھائیں۔ میں ان کو شمار کرتا رہا اور ان کی گٹھلیاں دوسرے ہاتھ میں جمع کرتا رہا۔ میرے دونوں ساتھی بھی اسی طرح کر رہے تھے۔ پھر شکم سیر ہونے کے بعد ہم نے ہاتھ روک لیے، مگر دستر خوان پر وہ سات کھجوریں جوں کی توں موجود تھیں۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ

مجھے اپنے پروردگار سے حیا آتی ہے ورنہ ہم یہ ہی کھجوریں اس وقت تک کھاتے رہتے جب تک ہم میں کا ایک ایک شخص مدینے نہ پہنچ جاتا۔ پھر آپ نے وہ ساتوں کھجوریں ایک غلام کو عطا فرما دیں جو انہیں کھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

پیچھے رہ جانے والے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تبوک روانہ ہوئے تو منافقین کا ایک گروہ شرکت سے رہ گیا۔ جس میں میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی بھی تھے۔ چند مومنین مخلصین بھی شریک نہ ہو سکے یہ لوگ نفاق کی وجہ سے نہیں، بل کہ ان میں سے بعض تو کسی عذر سے اور بعض گرمی اور لو کی شدت سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے تھے۔

جمع بین الصلاتین

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک میں اگر سورج ڈھلنے سے پہلے سفر پر روانہ ہوتے تو ظہر کی نماز کو مؤخر کر دیتے، عصر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں پڑھتے اور اگر سورج ڈھلنے کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر اور عصر دونوں نمازیں پڑھ کر سفر کرتے تھے (جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں فرمایا کرتے تھے) اور جب مغرب سے پہلے سفر فرماتے تو مغرب کو مؤخر کر کے عشا کے ساتھ پڑھتے تھے اور اگر مغرب کے بعد سفر شروع فرماتے تو عشا کو جلدی مغرب کے ساتھ پڑھتے تھے۔

تبوک کا چشمہ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کل تم ان شاء اللہ تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، لیکن تم دن چڑھنے سے پہلے وہاں نہیں پہنچو گے۔ تم میں سے جو شخص بھی اس چشمے پر آئے وہ میرے پہنچنے سے پہلے اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے، ہم چشمے پر پہنچے تو دو آدمی ہم سے پہلے پہنچ چکے تھے، چشمے میں پانی جوتی کے تسمے کے برابر تھا اور آہستہ آہستہ بہہ رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو آدمیوں سے پوچھا: کیا تم نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ڈانٹا اور جو کچھ اللہ

نے چاہا آپ نے ان سے فرمایا۔ پھر لوگوں نے چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر اس کو کسی برتن میں جمع کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنا چہرۂ مبارک اور ہاتھ دھوئے اور وہ پانی اس چشمے میں ڈال دیا، تو چشمہ جوش مار کر بہنے لگا۔ لوگوں نے اس سے (اپنے جانوروں اور ساتھیوں کو) پانی پلایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ اس (چشمے) کا پانی باغات کو سیراب کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ تبوک میں بیس رات ٹھہرے اور مسافر کی نماز یعنی قصر نماز پڑھتے رہے۔ مگر کوئی مقابلے پر نہیں آیا، دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ اہل جرباءؔ اور اذرُحؔ اور ایلہؔ (یہ تینوں شہر شام کے علاقے میں ہیں) کے حاکموں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ نے ان کو صلح نامہ عطا فرمایا۔

شاہ ایلہ کی آمد

اس موقع پر تبوک میں ایلہ کا شاہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آپ کی خدمت میں ایک سفید خچر بہ طور ہدیہ پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے بہ طور تحفہ چادر پہنائی، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے سمندر پر اس کا قبضہ برقرار رہنے کی دستاویز تحریر فرمادی۔

اہل مینا سے صلح

اہل مینا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ان کے باغوں کے چوتھائی پھلوں پر صلح کی، یعنی وہ لوگ ہر فصل پر ایک چوتھائی پھل خراج کے طور پر مسلمانوں کو دیا کریں گے، اور اس کے بدلے میں وہ مسلمانوں کی ذمے داری میں رہیں گے۔

زادِ راہ کا ختم ہونا

ایک موقع پر مسلمان بھوک پیاس کا شکار ہوئے تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت مانگی، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

خبر ہوئی وہ آ کر عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! ان کے اونٹ ہی تو انہیں اٹھاتے اور ان کے دشمن تک پہنچاتے ہیں، لوگ انہیں ذبح کر دیں گے؟ یارسول اللہ! باقی ماندہ زادِ راہ منگوا کر اس میں اللہ عزوجل سے برکت کی دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا: اچھا، پھر آپ نے باقی ماندہ زادِ راہ منگوایا۔ لوگ اپنا بچا کھچا زادِ راہ لے آئے۔ آپ نے اسے جمع فرما کر اس میں برکت کی دعا کی، اور ان کے برتن منگوائے، سب کے برتن بھر گئے اور بہت سی مقدار بچ گئی۔

جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس سے گزرے، میرا اونٹ تھک چکا تھا، آپ نے فرمایا: جابر! کیا ہوا؟ میں نے بتایا کہ میرا اونٹ ماندہ ہو گیا ہے، آپ اونٹ کی پچھلی طرف آئے، دعا کی اور اسے جھڑکا، اب وہ اونٹ دوسرے اونٹوں سے آگے نکل رہا تھا۔ پھر آپ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اونٹ کے بارے میں بتاؤ، میں نے عرض کیا: وہ برابر آگے جا رہا ہے، آپ نے پوچھا: اسے کتنے میں خریدا ہے؟ میں نے بتایا: تیرہ دینار میں، آپ نے فرمایا: اسے اسی قیمت پر میرے ہاتھ فروخت کر دو، مدینے تک تمہیں اس پر سوار ہونے کی اجازت ہے۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے، پھر مدینے پہنچ کر میں اسے مہار ڈال کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آیا، آپ نے مجھے اونٹ کی قیمت عطا فرما دی اور اونٹ بھی مرحمت فرما دیا۔

منافقین کی سازش

تبوک کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راہ بارہ، چودہ یا پندرہ منافق تھے۔ ان سب نے مل کر ایک سازش کی کہ عقبہ کے مقام پر جو تبوک اور مدینے کے درمیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیے گئے معاہدے اور بیعت کو توڑ دیں اور جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھاٹی کے راستے پر آئیں آپ کو دھکا دے کر سواری پر سے وادی میں گرا دیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سازش کی اطلاع دے دی۔ چناں چہ جیسے ہی لشکر عقبہ میں داخل ہوا آپ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھاٹی کے راستے سے جا رہے ہیں۔ اس لیے کوئی اور شخص اس راستے سے نہ جائے بل کہ وادی کے اندر ہو کر جائے، کیوں کہ

وہ راستہ زیادہ آسان اور لشکر کے لیے کشادہ ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی کا راستہ اختیار کیا اور باقی لشکر وادی کے راستے سے گزرا۔ منافقین نے بھی یہ اعلان سنا مگر انہوں نے دیدہ دلیری اور سینہ زوری سے گھاٹی ہی کا راستہ اختیار کیا۔ یہ لوگ پوری تیاری کے ساتھ چہروں پر نقاب ڈال کر گھاٹی کے راستے پر چلے۔

صبح ہوئی تو حضرت اسید بن حضیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! رات آپ وادی کے اندر سے کیوں نہیں چلے۔ وہ راستہ گھاٹی کے مقابلے میں زیادہ آسان اور آرام کا تھا۔ آپ نے منافقوں کو جمع کر کے انہیں بتایا کہ انہوں نے کیا کیا کہا تھا اور کیا سازش کی تھی۔ اس پر ان لوگوں نے اللہ کے نام پر حلف اٹھا کر ان باتوں سے انکار کیا کہ نہ ہم نے یہ باتیں کیں اور نہ یہ سازش کی۔

رازدار رسول

حضرت حذیفہ بن یمان کو رسول اللہ ﷺ کا رازدار کہا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی سے اترے تو اسی وقت وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ اس وقت آپ کی اونٹنی بیٹھی ہوئی تھی، وہ اٹھ کر اپنی مہار کھینچتی ہوئی چلنے لگی۔ میں نے فوراً بڑھ کر اس کی مہار پکڑ لی اور اسے آپ کے قریب لے کر آ گیا۔ پھر میں نے اونٹنی کو بٹھایا اور خود بھی اس کے پاس بیٹھ گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ میں فوراً اونٹنی آپ کے پاس لایا تو آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا حذیفہ ہوں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں راز کی ایک بات بتاتا ہوں جس کا کسی سے ذکر مت کرنا۔ مجھے فلاں فلاں آدمیوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

چناں چہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں جب بھی کوئی ایسا شخص مرتا جس کے بارے میں حضرت عمر کا گمان ہوتا کہ یہ اسی جماعت کا فرد ہے تو وہ حضرت حذیفہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اس کی نماز جنازہ کے لیے آگے بڑھا دیتے۔ اگر حضرت حذیفہ ان کے ساتھ چلنے لگتے تو پھر حضرت عمر خود آگے بڑھ کر اس کی نماز پڑھا دیتے۔ اگر حضرت حذیفہ اپنا ہاتھ چھڑا لیتے تو حضرت عمر اس جنازے کی نماز نہیں پڑھاتے تھے، بل کہ

اس کو نماز کے بغیر دفن کرا دیا کرتے تھے۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کو اس وقت کے مسلم معاشرے سے رفتہ رفتہ لاتعلق بھی فرما دیا، اور یہ سب عمل خاموشی سے کرنے کی وجہ سے اس کے نقصان دہ اثرات بھی سامنے نہیں آ سکے۔

مسجد ضرار

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ اسی موقع پر ابو عامر نے انصار کے ایک گروہ سے کہا کہ تم ایک مسجد بناؤ اور جس قدر ممکن ہو سکے اس میں اسلحہ جمع کر لو۔ میں روم کے بادشاہ قیصر کے پاس جا رہا ہوں۔ وہاں سے ایک رومیوں کا لشکر لا کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کروں گا۔ پھر جب وہ لوگ مسجد بنا کر فارغ ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم اپنی مسجد بنا کر فارغ ہو گئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں نماز ادا کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تو مجھے سفر درپیش ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو واپسی پر تمہارے پاس آ کر تمہارے ساتھ اس میں نماز پڑھوں گا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر تبوک سے واپس ہوئے اور مقام ذی اوان پر قیام فرمایا، جو مدینے سے کچھ فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے، تو آپ کو اس مسجد کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ تو سازش کے تحت قائم کی گئی ہے۔ آپ نے مالک بن الدخشم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو بلا کر حکم دیا کہ اس مسجد میں جاؤ، جس کے بنانے والے ظالم ہیں، اس کو منہدم کر دو اور جلا ڈالو۔ چناں چہ وہ تیزی سے اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ بنی سالم بن عوف میں پہنچے جو مالک کا قبیلہ تھا تو مالک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ٹھہرو میں اپنے گھر سے آگ لے کر آتا ہوں۔ وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور کھجور کی ایک خشک شاخ لے کر اس کو جلایا۔ پھر دونوں تیزی سے نکلے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گئے اور مسجد میں منافقین موجود تھے۔ پھر انہوں نے اس کو جلا دیا اور منہدم کر دیا اور منافق وہاں سے منتشر ہو گئے۔ اس مسجد کو بنانے والے بارہ آدمی تھے۔

پیچھے رہ جانے والوں سے ترک تعلق کا حکم

تبوک سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ مدینے کے قریب پہنچے تو مسلمانوں میں جو لوگ غزوے میں شریک نہیں ہوئے، اور اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے وہ آ کر آپ ﷺ سے ملے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا کہ جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں اس وقت تک تم لوگ ان میں سے کسی کے ساتھ نہ بول چال رکھو اور نہ اٹھنا بیٹھنا۔ چناں چہ اس حکم کے بعد سب صحابہ نے ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور بول چال بند کر دی اور خود آپ ﷺ نے بھی ان سے منہ موڑ لیا۔ صحابہ کرام نے آپ کے اس حکم پر اتنی سختی سے عمل کیا کہ اگر ان لوگوں میں کسی کا باپ یا بھائی بھی تھا تو اس نے ان سے بھی بات چیت کرنا اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کر دیا۔

پھر کچھ وقت گزرا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، یوں وہ دوبارہ مدینہ منورہ کے مسلم معاشرے کا حصہ بن گئے۔

سوالات

۱۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حج کے موقع پر کیا کیا اعلانات کرنے کے لئے بھیجا تھا؟

۲۔ غزوہ تبوک کے لیے جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے مدینے کا والی اور اپنا قائم مقام کس صحابی کو مقرر کیا؟

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا منافقین کے ساتھ کیسا رویہ ہوا کرتا تھا؟

حجۃ الوداع

ذی الحجہ ۱۰ ہجری قمری (۶ مارچ ۶۳۲ء) بہ روز جمعہ

حج کا اعلانِ عام

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کرنے کا ارادہ کیا تو مدینہ منورہ کے ارد گرد رہنے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج ادا کرنے کی تیاری شروع کر دی، چناں چہ مدینے میں لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی، تمام راستے لوگوں سے بھر گئے، ان کی تعداد کا کوئی شمار نہ تھا۔ اندازاً ان صحابۂ کرام کی تعداد کی ایک لاکھ چوبیس ہزار تک پہنچتی ہے، لیکن یہ تعداد صرف ان صحابۂ کرام کی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، جن لوگوں نے آپ کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، کیوں کہ اس میں وہ صحابۂ کرام شامل نہیں ہیں، جو مکے میں مقیم تھے، اسی طرح یمن سے حضرت علی اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کی ہم راہی میں آنے والے صحابۂ کرامؓ بھی ان کے علاوہ ہیں۔ ان دنوں چیچک کی وبا پھیل رہی تھی، اس کی وجہ سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس سفر میں شریک نہ ہو سکے۔

روانگی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابودجانہ ساعدی رضی اللہ عنہ کو اور ایک روایت کے مطابق سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا، اور ۲۵ ذی قعدہ کو آپ روانہ ہوئے۔

مدینے سے روانگی

مدینہ منورہ سے روانگی سے قبل آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے خطبہ دیا، جس میں انہیں مناسکِ حج کی تعلیم دی اور انہیں آئندہ پیش آنے والے مسائل

اور احرام اور اس کے سنن وواجبات کی تعلیم دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی چار رکعات مدینہ منورہ میں ادا فرمائیں، پھر آپ نے بالوں میں کنگھا کیا، تیل لگایا اور ازار (نیچے کی چادر) اور چادر اوڑھی اور ظہر وعصر کے مابین مدینے سے نکلے پھر ذوالحلیفہ میں پہنچے اور وہاں عصر کی دو رکعتیں ادا کیں، پھر وہاں رات بھر آرام کیا۔ ذوالحلیفہ مدینے سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز کی مغرب، عشا اور اگلے دن کی فجر اور ظہر کی نمازیں بھی ذوالحلیفہ میں ہی ادا کیں، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں پانچ نمازیں ادا کیں، تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کے ساتھ تھیں۔

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کا ارادہ کیا تو غسل کیا۔ مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت سنت احرام ادا کیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر سوار ہو کر اور قبلہ رو ہو کر تلبیہ پڑھا۔ تلبیہ کے یہ کلمات تھے:

لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك

میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں، بلاشبہ تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، نعمت اور ملک بھی تیرے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کی منزلیں اس طرح سے ہیں: پہلی منزل ذوالحلیفہ تھی، یہاں سے روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روحا تشریف لائے۔ روحا مدینہ منورہ سے دو دن کے فاصلے پر ہے۔ مدینے سے اس کا فاصلہ ۷۴ کلومیٹر ہے۔ روحا سے روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اثایہ مقام پر پہنچے، یہ جحفہ کے راستے میں مدینے سے ۷۷ میل کے فاصلے پر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی منزل عَرْج تھی، یہ مدینہ منورہ اور مکے کے درمیان ایک گھاٹی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں منزل ابوا تھی، اس کے اور جحفہ کے درمیان ۲۳ میل (تقریباً ۳۷ کلومیٹر) کا فاصلہ ہے۔ چھٹی منزل وادئ عُسفان تھی، عُسفان رابغ سے ۸۴ کلومیٹر اور مکہ سے ۱۰۳ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتویں منزل مقام سَرِف تھی، یہ مکے سے ۱۰ میل (۱۶ کلومیٹر) کے

فاصلے پر ہے۔ سَرِف سے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴ ذی الحجہ کو وادئ ذی طویٰ میں پہنچے یہ آپ کی آٹھویں اور آخری منزل تھی۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی نماز ادا کی، غسل فرمایا اور پھر چلتے ہوئے دن کے وقت ثنیۃ العلیاء کی طرف سے مکے کی اوپر کی جانب سے شہر میں داخل ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم میں چاشت کے وقت باب عبد مناف سے داخل ہوئے جو آج کل باب السلام کے نام سے معروف ہے۔ آپ کی نظر جب بیت اللہ پر پڑی تو آپ نے اس کی طرف رخ کر کے اپنے ہاتھ بلند کیے، اور تکبیر کہی پھر یہ دعا کی:

اللھم انت السلام و منك السلام، فحينا ربنا با لسلام، اللّٰھم زدھذا البيت تشريفاً و تعظيما و تكريما و مهابة وزدمن عظمه و ممن حجه، اواعتمره تكريمًا و تشريفا و تعظيما و براً

اے اللہ! تو سلامتی کا مالک ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے، پس اے اللہ! تو ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ، اے اللہ تو اس گھر کی شرافت، عظمت، تکریم، اور ہیبت میں اضافہ فرما، اور حج وعمرہ کرنے والوں میں سے جو شخص اس گھر کی تعظیم کرے تو اس کی تکریم، شرافت، عظمت اور بھلائی میں اضافہ فرما۔

طواف اور سعی

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف شروع کیا اور حجر اسود کے بالمقابل کھڑے ہوئے اور اس کا استلام کیا، پھر دائیں جانب سے طواف شروع کیا اور بیت اللہ کو اپنی بائیں جانب رکھا۔

رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا پڑھی:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ (البقرة: ۲۰۱)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا، یعنی چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر اور کندھے ہلا کر جلدی جلدی چلے، اور اپنی چادر سے اضطباع کیا، یعنی احرام کی چادر کو

دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کے دوران جب بھی حجر اسود کے سامنے سے گزرتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے یا چھڑی سے استلام کرتے۔

طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور پھر دو رکعت ادا کیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا کی طرف چلے اس کے قریب پہنچ کر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۵۸)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

اور فرمایا کہ ہم اسی مقام سے ابتدا کرتے ہیں، جس سے اللہ نے ابتدا کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا پر چڑھ گئے، جب بیت اللہ نظر آنے لگا تو اس کی جانب منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور تکبیر کہی پھر فرمایا:

لا اله الا الله وحده لا شريك له. له الملك وله الحمد و هو على كل شئٍ قدير لا اله الا الله وحده وانجز و عده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے حمد مخصوص ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور ساری جماعتوں کو تنہا شکست دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات تین بار فرمائے، اس کے علاوہ اور دعائیں بھی کیں، اس کے بعد آپ عام چال سے مروہ کی جانب چلے، اس حصے میں جہاں آج کل سبز ستون بنے ہوئے ہیں آپ تیز چلے، اس کے بعد پھر عام چال سے چلے۔ جب آپ مروہ پر پہنچے تو آپ نے وہاں بھی قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہی اور اللہ کی بزرگی بیان کی، اور دعائیں کیں۔ پھر آپ صفا کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسی طرح آپ نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر پورے کیے۔

سعی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ چار روز تک مکے سے باہر قیام فرمایا۔ ۸ ذی الحجہ تک وہیں رہے، اس عرصے میں آپ قصر نماز ادا فرماتے رہے۔

۸ ذی الحجہ کو صبح کے وقت آفتاب بلند ہونے کے بعد آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ منیٰ میں آپ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں پڑھیں اور رات کو وہیں قیام کیا۔

منیٰ سے عرفات روانگی

۹ رذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد جب آفتاب طلوع ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضبّ کے راستے سے عرفات کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں بعض لوگ تلبیہ کہتے تھے اور بعض تکبیر، آپ نے کسی کو منع نہیں فرمایا۔ عرفات کے مشرقی جانب نَمِرَہ مقام پر آپ کے حکم سے آپ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ سورج ڈھلنے تک آپ نے یہیں قیام فرمایا۔ سورج ڈھلنے کے بعد آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر عرفہ کے بطن وادی میں آئے اور اونٹ ہی پر وہ عظیم خطبہ ارشاد فرمایا جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے فرمایا:

> تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی حمد کرتے ہیں۔ اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہم اپنے نفسوں کی شرارت اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گم راہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گم راہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس کی اطاعت پر ابھارتا ہوں اور جو خیر کی بات ہے اس سے شروع کرتا ہوں۔

اما بعد! اے لوگو میری بات غور سے سنو! میں تمہارے سامنے کھول کر بیان کرتا ہوں، کیوں کہ میرا خیال ہے کہ شاید میں اس سال کے بعد اس موقف (میدان عرفات) میں تم سے کبھی نہ مل سکوں گا۔ اے لوگو! بلاشبہ تمہارے خون (جانیں) اور تمہارے اموال اور عزت و آبرو اپنے رب سے تمہاری ملاقات ہونے تک

(قیامت تک) تم پر قابل احترام ہیں، جیسا کہ تمہارے اس دن (۹ ذی الحجہ یوم عرفہ) کی حرمت، تمہارے اس (ذی الحج کے) مہینے میں، تمہارے اس محترم شہر (مکہ) میں واجب ہے۔ اور تم لوگ عن قریب اپنے رب سے ملاقات کرو گے۔ وہ (قیامت میں) تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔ کیا میں نے (اللہ کا پیغام) پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔

جس کے پاس کوئی امانت ہو اس کو چاہیے کہ وہ امانت رکھوانے والے کو دے دے اور بلاشبہ زمانۂ جاہلیت کا ہر سود ختم کیا جاتا ہے مگر (سود کی رقم کے علاوہ) اصل مال تمہارا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا ہے کہ اب کوئی سود نہیں ہوگا۔ اور بے شک سب سے پہلا سود جس کے ختم کرنے کا آغاز میں کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے جو تمام کا تمام کالعدم ہے۔ اور بتحقیق زمانۂ جاہلیت کے تمام خون معاف کیے جاتے ہیں اور تمہارا سب سے پہلا خون جس کو معاف کرنے کی میں ابتدا کرتا ہوں وہ عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ اس نے بنی لیث میں دودھ پیا تھا اور اس کو ہذیل نے قتل کیا تھا۔ تمام عہدے سوائے سَدَانَہ (بیت اللہ کی خدمت) اور سِقَایَہ (حاجیوں کو پانی پلانا) کے ختم کر دیے گئے۔ قتل عمد میں قصاص ہے اور جو لاٹھی اور پتھر سے قتل کیا جائے وہ قتل عمد کے مشابہ ہے اور اس میں سو اونٹ دیت ہے۔ جس نے زیادتی کی وہ اہل جاہلیت سے ہے۔

اے لوگو! بے شک شیطان ہمیشہ کے لیے اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین پر کبھی اس کی پرستش کی جائے گی، لیکن وہ اس بات سے خوش ہے کہ عبادات کے سوا ان اعمال میں اس کی اطاعت کی جائے گی، جن کو تم حقیر خیال کرتے ہو۔ تم اپنے دین کو اس کے شر سے بچائے رکھنا۔

اے لوگو! بے شک مہینوں کا سرکا دینا کفر کی زیادتی کا سبب ہے۔ اس سے کافر گم راہ ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اس حرام مہینے کو کسی سال (اپنی کسی غرض کے لیے)

حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) اس کو حرام خیال کرتے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کیے ہیں صرف ان کی گنتی پوری کر لیں۔ پھر اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حلال کیے ہوئے مہینے کو حرام کر لیتے ہیں۔ اور بلاشبہ زمانہ اب اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا ہے، جیسا کہ وہ اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا۔ اور یقیناً شمار کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک (سال میں) بارہ مہینے ہیں، جن میں سے چار مہینے خاص طور پر قابلِ احترام ہیں: تین مہینے (ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) تو متواتر ہیں اور رجب کا مہینہ الگ ہے، جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔ کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔

اے لوگو! تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔ اور تمہارا ان پر حق ہے۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے سوا کسی آدمی کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں اور وہ کسی ایسے آدمی کو جس کو تم پسند نہیں کرتے، اس کو تمہاری اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہونے دیں اور نہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کا کام کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم انہیں تنگ کرو۔ ان کے سونے کی جگہ اپنے سے الگ کر دو اور ان کو ہلکی مار مارو، جس سے بدن پر نشان نہ پڑیں۔ پس اگر وہ باز آ جائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم انہیں دستور کے مطابق کھانا اور لباس دو۔ تمہارے پاس عورتیں بہ طور مددگار کے ہیں۔ وہ اپنی ذات کی کچھ بھی مالک نہیں اور تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنے قبضہ میں لیا ہے۔ اور تم نے اللہ کے کلمات کے ذریعے ان کی شرم گاہوں کو اپنے لیے جائز و حلال کیا ہے، پس تم لوگ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ ہمیشہ خیر کا سلوک کرو۔ کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

اے لوگو! میری بات سنو اور اس کو سمجھو اور تمہیں ضرور جاننا چاہیے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے۔ مگر وہ جو خوش دلی سے اس کو

دے دے۔تم اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔
تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، پس بلاشبہ میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم اس کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہے۔کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔
اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ سے۔کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔
انہوں نے کہا ''جی ہاں'' پھر آپ نے فرمایا: جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ باتیں پہنچا دے۔
اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا حصہ میراث سے تقسیم (مقرر) کر دیا ہے۔اب کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں اور (کسی اور کے لیے بھی) ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔لڑکا صاحب فراش ہی کا کہلائے گا اور بدکار کے لیے پتھر ہے۔جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف دعویٰ (نسبت) کیا یا اپنے آقا کے علاوہ دوسرے کی غلامی اختیار کی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔اس سے توبہ اور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔تم پر اللہ کی سلامتی ہو اور اس کی رحمت۔

خطبے کے بعد حضرت بلالؓ نے آپ کے حکم سے پہلے اذان، پھر اقامت کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ظہر کی دو رکعت نماز پڑھی۔یہ جمعہ کا روز تھا مگر آپ نے جمعہ نہیں پڑھا۔پھر دوسری اقامت سے آپ نے عصر کی دو رکعت پڑھیں۔نماز کے بعد آپ پہاڑ کے نیچے صخرات کے پاس قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو کر نہایت گریہ وزاری کے ساتھ غروب آفتاب تک دعا کرتے رہے۔پھر فرمایا کہ عرفات کا تمام میدان موقف ہے۔یہیں سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ (المائدۃ: ۳)

مزدلفہ روانگی

سورج غروب ہونے کے بعد آپ ﷺ عرفات سے مزدلفہ روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ کے اونٹ کی چال متوسط تھی۔ آپ تمام راستے تلبیہ کہتے رہے، وہاں پہنچ کر آپ نے وضو کیا اور پہلے مغرب عشا کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ سو گئے، پھر آپ صبح کی نماز کے لیے اٹھے۔ فجر طلوع ہونے کے بعد اوّل وقت میں آپ نے اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ سوار ہو کر موقف میں مشعر حرام کے پاس تشریف لائے اور دعا، تکبیر و تہلیل کہنے میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمام مزدلفہ موقف ہے۔

منیٰ روانگی

سورج طلوع ہونے سے قبل اجالا ہونے کے بعد آپ ﷺ مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہو گئے۔ آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ میرے لیے یہاں سے سات کنکریاں چن لو۔ آپ نے ان کنکریوں کو اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا کہ اسی طرح کی کنکریوں سے رمی جمار کرو اور دین میں غلو سے بچو، پہلی قومیں دین میں غلو کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں۔

جمرۂ کبریٰ کی رمی

پھر مزدلفہ سے منیٰ کے لیے جاتے ہوئے جمرہ کبریٰ پہنچ کر آپ نے جمرہ کی طرف اس طرح رخ کیا کہ منیٰ آپ کے داہنی طرف اور بیت اللہ آپ کے بائیں طرف تھا۔ پھر اسی حالت میں اونٹ ہی پر سے آپ ﷺ نے جمرہ کو کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری پھینکتے وقت آپ تکبیر کہتے تھے۔ رمی کے بعد آپ نے تلبیہ کہنا بند کر دیا۔ پھر آپ منیٰ تشریف لے گئے اور جہاں آج کل مسجد خیف بنی ہوئی ہے، اس جگہ قیام فرمایا۔

یہاں پر بھی آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں آپ ﷺ نے انہیں مناسکِ حج کی تعلیم بھی دی نیز فرمایا کہ کنکریوں سے جمرات کی رمی کرو۔

قربانی اور حلق

رمی کے بعد آپ قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر مبارک کے مطابق تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے۔ پھر آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ باقی اونٹ تم نحر کردو اور گوشت اور چمڑہ وغیرہ سب صدقہ کردو اور کھال اتارنے والے اور گوشت بنانے والے کی اجرت اس میں سے نہ دی جائے۔ قربانی سے فارغ ہو کر آپ نے حلق کروایا۔

طواف افاضہ اور منیٰ سے واپسی

اس کو طواف زیارت، طواف فرض، طواف رکن اور طواف یوم النحر بھی کہتے ہیں، یہ حج کا رکن اعظم ہے۔ اس کے بغیر حج پورا نہیں ہوتا۔ حلق کے بعد آپ سوار ہو کر اسی روز یعنی ہفتے کے دن منیٰ سے مکہ معظّمہ تشریف لائے اور ظہر سے پہلے سواری پر ہی طواف افاضہ کیا۔

پھر اسی روز آپ منیٰ تشریف لے گئے اور رات کو وہیں ٹھہرے۔ دوسرے روز زوال کے بعد آپ پیدل چل کر پہلے جمرہ اولیٰ کے پاس تشریف لے گئے جو مسجد خیف کی طرف ہے۔ آپ نے کھڑے ہو کر ایک ایک کر کے اس کو سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر تکبیر پڑھی۔ پھر آپ اسی جمرہ کے اور قریب ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر طویل دعا کی۔ پھر جمرہ وسطیٰ کے پاس گئے وہاں بھی اسی طرح کیا۔ پھر جمرہ عقبیٰ کے پاس گئے، یہاں بھی سات کنکریاں ماریں، مگر دعا نہیں کی، بل کہ رمی کے فوراً بعد واپس آ گئے۔

وسط ایامِ تشریق کا خطبہ

منیٰ میں قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو خطبے ارشاد فرمائے، ایک تو یوم النحر یعنی ۱۰/ذی الحجہ کو، اور دوسرا یا تو ۱۱/ذی الحج اتوار کو ارشاد فرمایا یا ۱۲ کو۔

مدینے روانگی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسرے روز بھی رمی کی اور منگل کے روز ۱۳/ذی الحجہ کو بعد ظہر یعنی زوال کے بعد منیٰ سے چلے اور محصب میں پہنچے، اسے ابطح بھی کہتے ہیں۔ یہ مکے کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشا ادا کیں۔ حضرت ابو

رافع رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے اپنی مرضی سے ایک قبہ نصب کر دیا تھا، جس میں آپ نے قیام کیا اور تھوڑی دیر آرام کیا۔ پھر رات ہی کے کسی حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل کر مکہ مکرمہ آئے اور طواف وداع کیا، اس طواف کو طواف صدر بھی کہتے ہیں، اس طواف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمل نہیں کیا۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے کی نچلی جانب سے مدینے کو روانہ ہو گئے۔

غَدِیرِ خُم کا خطبہ

غدیر خم رابغ کے قریب مکے اور مدینے کے درمیان ایک مقام ہے۔ یہاں ایک غدیر (تالاب) ہے جہاں مکے سے واپسی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر اہل ایمان کو وعظ و نصیحت کی، اس کے بعد فرمایا:

> اے لوگو! بے شک میں بھی انسان ہوں، شاید میرے پاس میرے رب کا قاصد آئے گا (موت کا فرشتہ) اور میں قبول کرلوں گا اور میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ان میں سے پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس تم اللہ کی کتاب کو پکڑے رہو اور اسی سے دلیل لیا کرو۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو اللہ کی کتاب کی طرف بہت رغبت دلائی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔

اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر صحابہ سے فرمایا:

> کیا میں مؤمنین کی جانوں سے قریب تر نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں مؤمنین کی جانوں سے قریب تر نہیں ہوں؟ انہوں نے پھر جواب دیا: کیوں نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس یہ علی ان کے ولی ہیں، جن کا میں مولا ہوں۔ اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے، تو اسے دوست رکھ، (اور) جو اس سے عداوت رکھے، تو اس سے عداوت رکھ۔

اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مبارک ہو! آپ تو ہمیشہ کے لیے ہر مؤمن اور مؤمنہ کے مولا بن گئے۔

سوالات

۱۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے لیے مدینے سے مکہ آتے ہوئے کتنے مقامات پر پڑاؤ ڈالا؟

۲۔خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات بیان کریں۔

۳۔خطبہ حجۃ الوداع میں انسانیت کی بھلائی کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔

وقت رخصت

مرض کی ابتدا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس آ کر مدینہ منورہ میں تقریباً تین ماہ یعنی ذی الحجہ کا بقیہ حصہ اور محرم وصفر میں مقیم رہے، اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بھی مقرر فرمایا، پھر ایک روز جب کہ ماہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں یا یکم ربیع اول تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت جنت البقیع تشریف لے گئے، اور اسی روز صبح کو آپ کے مرض کی ابتدا ہوئی۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سر میں درد کی شکایت ہوئی پھر آپ کو تیز بخار ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کپڑے کے اوپر سے آپ پر ہاتھ رکھا تو آپ کے بخار کی تپش کو محسوس کیا، میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے اس قدر شدید بخار کسی کا نہیں دیکھا جس قدر شدید بخار میں آپ مبتلا ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح ہمارا اجر بھی زیادہ ہوگا، لوگوں میں سے سب سے زیادہ ابتلا انبیا پر آتی ہے، پھر صالحین پر۔

علالت کے باوجود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باری باری ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض زیادہ شدید ہو گیا تو آپ کی خواہش کے مطابق تمام ازواج مطہرات نے حضرت عائشہ کے مکان پر بیماری کے ایام گزارنے کو اختیار کر لیا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت جب خراب ہونا شروع ہوئی تو آپ نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بلایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دیکھا تو اشک بار ہو گئے اور فرمایا کہ جدائی کا وقت قریب آ گیا

ہے، پھر آپ نے اپنی وفات کی خبر دی، پھر فرمایا:

اللہ تمہیں خوش رکھے، اللہ تمہیں ہدایت دے، اللہ تمہاری نصرت فرمائے، اللہ تمہیں نفع دے، اللہ تمہیں (نیک کاموں کی) توفیق دے، اللہ تمہیں راہِ راست پر رکھے، اللہ تمہیں (برائیوں اور آزمائشوں سے) بچائے، اللہ تمہاری مدد فرمائے، میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں، میں اللہ کی طرف سے تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں، تمہیں اللہ کے بندوں اور اس کے شہروں میں ہرگز تکبر نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اور تمہارے لیے فرمادیا ہے:

یہ آخرت کا گھر ہم ان کو دیں گے جو زمین میں نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ فساد مچاتے ہیں، اور (اچھا) انجام تو متقیوں کے لیے ہی ہے۔

مرض الموت کا خطبہ

وفات سے پانچ دن پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپ پر ڈالی جائیں۔ غسل کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے اور ایک خطبہ دیا جو آپ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا۔ آپ نے مہاجرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ میرے جسم و جان ہیں، انھوں نے اپنی تمام ذمے داریاں پوری کر دیں، لیکن انہیں اس کا جو بدلہ (جنت) ملنا چاہیے تھا وہ ملنا ابھی باقی ہے۔ پس اور لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے، اس لیے تم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، ان میں سے جو محسن اور نیکوکار ہو، اس کے ساتھ احسان کرو اور ان میں سے جو غلطی کرے اس سے درگزر کرو۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس جو کچھ ہے اسے قبول

کرے۔(یعنی آخرت کی نعمتوں کو) لیکن اس بندے نے خدا ہی کے پاس کی نعمتوں کو قبول کرلیا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ آپ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کر رہے ہیں، یہ رونے کی کون سی بات ہے؟ مگر رازدارِ نبوت سمجھ گئے تھے کہ وہ بندہ خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آں حضرت ﷺ نے اپنی تقریر جاری رکھی اور مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دریچے کھلے ہوئے تھے ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

> ابوبکرؓ کے دریچے کے سوا سب دریچے بند کردیے جائیں۔ جان و مال، محبت و رفاقت کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا ابوبکر ہے۔ ابوبکرؓ سے بڑھ کر میرا کوئی محسن نہیں۔ جس جس نے میرے ساتھ کوئی احسان کیا، میں نے اس کا بدلہ دے دیا سوائے ابوبکرؓ کے کہ اس کا صلہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہی اس کو دے گا۔ اگر میں اپنے پروردگار کے سوا اپنی امت میں سے کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن دوستی کے لیے اسلام کا رشتہ جو سب سے افضل و برتر ہے کافی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی امامت

جب تک طاقت رہی آں حضرت ﷺ مسجد میں تشریف لاکر نماز پڑھاتے رہے، آپ نے آخری نماز جمعرات کے روز مغرب کی نماز پڑھائی۔ اس کے چار روز بعد آپ کا وصال ہوگیا۔ جمعرات ہی کے روز عشا کے وقت مرض میں شدت آگئی تھی۔ جب مرض میں افاقہ نہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ چناں چہ حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

ہفتہ یا اتوار کے روز مرض میں کمی ہوئی تو آپ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کی آہٹ پاکر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے تو آپ نے اشارے سے روکا اور پھر ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اب آپ امام تھے اور حضرت ابوبکرؓ آپ کی اقتدا کر رہے تھے اور باقی

نمازی حضرت ابوبکرؓ کی تکبیروں پر نماز ادا کر رہے تھے۔ پھر آپ مسجد نہیں جا سکے۔

حضرت فاطمہؓ کا رونا اور ہنسنا

پیر کے دن آپ ﷺ نے اپنی پیاری صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا، اور آہستہ سے ان سے کوئی بات کہی، جس پر وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ آہستہ سے کوئی بات کہی، جس پر وہ ہنسنے لگیں۔ پھر ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آں حضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ کی وفات اسی مرض میں ہو جائے گی۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ دوسری مرتبہ جب آپ نے مجھ سے سرگوشی کی تو یہ فرمایا کہ آپ کے گھر کے افراد میں سب سے پہلے میں ہی آپ سے جا ملوں گی تو اس پر میں ہنسی تھی۔

مال کا صدقہ اور غلام کا آزاد کرنا

آخری وقت میں آں حضرت ﷺ کے پاس سات دینار تھے جو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوائے تھے، جب آپ بیمار ہوئے تو آپ نے حضرت عائشہؓ کو کہا کہ یہ دینار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دو، (تاکہ وہ صدقہ کر دیں) یہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی تیمارداری میں مشغول ہوگئیں اور وہ دینار حضرت علیؓ کو نہ دے سکیں، کہ وہ صدقہ کر دیتے، آپ ﷺ جب ہوش میں آئے تو پھر سوال کیا انہوں نے پھر کہا کہ نہیں، آپ نے وہ دینار منگوائے اور پھر انہیں شمار کیا، پھر فرمایا کہ تمہارا کیا گمان ہے کہ محمد (ﷺ) اپنے رب سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس یہ کچھ ہوگا؟ پھر آپ نے وہ سب خرچ (صدقہ) کر دیے، اور اسی روز آپ کا وصال ہو گیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے مرضِ وفات میں چالیس غلام آزاد کیے۔ اور دوسری جانب یہ عالم تھا کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی۔

آپ ﷺ کا آخری کلام

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکرؓ آں حضرت ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں ایک تازہ مسواک تھی۔ آں حضرت ﷺ مسواک کی طرف دیکھ رہے تھے، چناں چہ میں نے ان سے مسواک لے لی اور اسے اپنے دانتوں سے چبا کر اچھی طرح جھاڑنے اور صاف کرنے کے بعد آپ کو دے دی۔ آپ ﷺ نے وہ مسواک استعمال کی۔ مسواک سے فارغ ہو کر آپ نے اپنا ہاتھ یا انگلی اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا:

فی الرفیقِ الاعلیٰ

اسی وقت جسم اطہر سے روح انور پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

یہ جاں گداز اور روح فرسا واقعہ جس نے دنیا میں نبوت و رسالت کے فیوض و برکات اور وحی ربانی کے انوار و تجلیات کی آمد کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا، مشہور قول کے مطابق ۱۲؍ ربیع اول پیر کے روز دو پہر کے وقت پیش آیا۔

صحابہؓ پر وفات کا اثر

آں حضرت ﷺ کی وفات کی خبر سے صحابہ کرامؓ کو ایسا نا قابل برداشت صدمہ ہوا کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھے، عقلیں گم ہو گئیں، آوازیں بند ہو گئیں، کچھ حیران و سرگرداں تھے۔ کوئی جنگل کو نکل بھاگا۔ کوئی ششدر ہو کر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پر سکتہ طاری تھا۔ وہ آتے جاتے تھے، مگر کوئی بات نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت علیؓ بیٹھ گئے تھے ان میں حرکت کی سکت نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے تو اس کو قتل کر دوں گا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آ گئے۔

حضرت ابوبکرؓ آتے ہی حضرت عائشہؓ کے حجرے میں گئے اور آں حضرت ﷺ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چہرۂ مبارک کھولا اور جھک کر بوسہ لیا اور رونے لگے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

> میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت طاری نہیں کرے گا۔ جو ایک موت آپ کے مقدر میں تھی وہ آپ پر طاری ہو چکی۔ زندگی میں بھی آپ اچھے رہے اور موت بھی آپ نے بہ خوشی قبول کی۔

آپ کی وفات سے وہ چیز منقطع ہوگئی جو انبیا میں سے کسی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی۔ (یعنی نبوت) آپ تعریف سے بڑھ کر ہیں، گریہ وزاری سے بے نیاز ہیں۔ زندگی بھر برگزیدہ رہے اور ایسے عام تھے کہ ہم آپ کی نظروں میں برابر تھے۔ اگر آپ کی موت آپ کے اختیار میں ہوتی تو ہم اپنی جانوں کا نذرانہ آپ کی موت کے عوض پیش کر دیتے، اگر آپ نے رونے سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم آنکھوں کا پانی آپ پر ختم کر دیتے۔ جس کو ہم خود سے دفع کرنے پر قادر نہیں ہیں وہ حالات کا تغیر اور فنا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں، اور ٹلتے نہیں۔

پھر آپ لوگوں کی طرف نکلے جو شدید اضطراب اور عظیم ملال میں تھے اور آپ نے ایک خطبہ دیا۔ انہوں نے فرمایا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کتاب ویسی ہی ہے جیسے نازل ہوئی اور بلاشبہ دین بھی ویسا ہی ہے جیسا شروع ہوا اور حدیث بھی ویسی ہی ہے جیسا کہ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے) بیان کی اور قول وہی ہے جو اللہ نے کہا اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی واضح حق ہے۔

اے لوگو! جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادت کرتا تھا (جان لے کہ) بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وفات پا چکے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا (وہ جان لے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے۔ اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اللہ کے ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم

(اپنے دین سے) پھر جاؤ گے، اور جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اللہ عن قریب شکر گزاروں کو انعام دے گا۔

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! ایسا محسوس ہوا کہ جیسے لوگوں کو پہلے سے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے اور جب حضرت ابوبکرؓ نے اس آیت کی تلاوت کی تو سب نے آپؓ سے یہ آیت سیکھی۔ اب لوگوں کا یہ حال تھا کہ جو بھی سنتا تھا وہ اس کی تلاوت کرنے لگ جاتا تھا۔

غسل اور کفن

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا اور حضرت فضل بن عباسؓ اور قثم بن عباسؓ کروٹ بدلنے میں مدد دیتے تھے۔ اسامہ بن زیدؓ اور شقرانؓ پانی دیتے تھے، یہ لوگ پردے سے باہر تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین بار بیری کے پانی سے غسل دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے لیے قبا کے غرس نامی کنویں سے پانی لایا گیا تھا، یہ کنواں سعد بن خیثمہؓ کی ملکیت تھا، اور آپ اس کا پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا، کپڑوں کے اوپر ہی پانی ڈالا جاتا تھا اور پھر اوپر ہی سے آپ کے جسمِ اطہر کو ملا جاتا تھا۔

غسل سے فارغ ہو کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا، اور وہ لباس جس میں آپ کو غسل دیا گیا تھا اتار لیا گیا۔

نماز جنازہ

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب لوگ آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو آپ کو ایک تخت پر گھر ہی میں رکھا گیا۔ پھر ایک گروہ حجرے میں جاتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر واپس آ جاتا تھا۔ کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا۔ مرد اس عمل سے فارغ ہو گئے تو عورتیں گئیں۔ عورتوں کے بعد بچے گئے۔

لوگوں نے صدیق اکبرؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے۔ آپؓ نے فرمایا کہ ہاں جنازہ پڑھو۔ لوگوں نے کہا کہ کس طرح پڑھیں۔ حضرت

ابوبکرؓ نے فرمایا کہ لوگوں کا ایک ایک گروہ حجرہ میں جائے اور تکبیر کہے۔ پھر درود اور دعا پڑھے اور باہر آ جائے۔ پھر دوسرا گروہ داخل ہو اور اسی طرح تکبیر کہیں اور پھر درود اور دعا کے بعد واپس آ جائیں۔ اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔

تدفین

حضرت عباسؓ اور عکرمہؒ کی روایتوں میں ہے کہ پیر کے روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا۔ منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، اور ان کے دونوں صاحب زادوں فضل بن عباسؓ اور قثم بن عباسؓ نے آپ کو قبر میں اتارا۔ ابوطلحہؓ زید بن سہیل انصاری نے لحد تیار کی۔ دوسری روایت میں قثم کی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام صالحؓ کا ذکر ہے، بعض روایات میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی آتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی جانشینی کا معاملہ بھی پیدا ہوا، آپ کی وفات کے فوراً بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اکھٹے ہوئے، باقی مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو گئے تھے اور انصار حضرت سعد بن عبادہ کے پاس سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع تھے۔ اسی دوران کسی شخص نے آ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اطلاع دی کہ انصار کے ہاں سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا معاملہ زیرِ بحث ہے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر انصار کی طرف روانہ ہوے۔ اس موقع پر حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہم راہ تھے۔ وہاں پہنچے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ چادر اوڑھے ہوئے موجود تھے، ان کی طبیعت ناساز تھی۔ ان کے وہاں پہنچنے کے بعد انصار کے خطیب نے اپنا موقف بیان کیا اور خلافت کے لیے اپنا حق ظاہر کیا۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنا موقف بیان کیا، انہوں نے مہاجرین اولین کے فضائل بیان کیے، اس کے بعد انصار کی فضیلت اور اسلام پر ان کے

احسانات کا ذکر کیا، پھر فرمایا کہ عرب سوائے قریش کے کسی کو تسلیم نہیں کریں گے، اس لیے قریش سے امرا ہونے چاہییں اور تم ہمارے مشیر اور وزرا ہو، اس لیے تمہیں اختیار ہے کہ ان دو افراد میں سے کسی ایک پر اتفاق کرلو، یہ کہہ کر آپؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور درمیان میں بیٹھ گئے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ بن جراح کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہ کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ آپؓ پر کسی کو فوقیت دے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یارِ غار ہیں، ثانی اثنین ہیں، اور بیماری کے ایام میں حضور نے آپؓ ہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، اس لیے اس کام (خلافت) کے لیے بھی آپؓ ہی زیادہ حق دار ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار نے (اس موقع پر) کہا کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے انصار کے لوگو! کیا تم اس سے واقف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کے لیے خود آگے فرمایا تھا، تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ابوبکرؓ سے آگے بڑھے؟ یہ سن کر انصار نے کہا کہ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم ابوبکر سے آگے بڑھیں۔

حمید بن عبدالرحمن کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا تھا کہ قریش ہی اس امر خلافت کے والی ہوں گے، ان میں سے اچھے اچھوں کے تابع ہوں گے اور برے بروں کے، یہ سن کر سعدؓ بولے کہ آپؓ نے سچ کہا، ہم وزرا ہیں اور تم ہی امرا ہو۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے ابوبکرؓ! آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے، انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا پھر سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی، پھر مہاجرین نے بیعت کی، ان کے بعد انصار نے آپؓ کی بیعت کی، اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیعت کی غرض سے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا تو اُسید بن حُضیر انصاری رضی اللہ عنہ اور بشر بن سعد رضی اللہ عنہ، کھڑے ہوئے اور بیعت کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش کرنے لگے، اور حضرت عمرؓ ان سب سے سبقت لے گئے۔ اور ابن سعد کی روایت میں

ہے کہ بشرؓ سبقت لے گئے۔ اس کے بعد لوگ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔

اگلے روز پھر مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی اور ان حضرات نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی جو سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت نہیں کر سکے تھے، بیعت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ

اے لوگو! میں تمہارا ولی مقرر کیا گیا ہوں اور میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں، اگر تم مجھے حق پر دیکھو تو میری مدد کرنا اور اگر مجھے باطل پر دیکھو تو میری اصلاح کرنا، جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرنا اور اگر میں اللہ کی نافرمانی کرنے لگوں تو میری ہرگز اطاعت نہ کرنا، تم میں سے قوی میرے نزدیک ضعیف ہے جب تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کرلوں اور جو تم میں سے ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے نہ دلا دوں، مجھے بس یہی کہنا ہے، میں اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے مغفرت کا طلب گار ہوں۔

لیکن اس کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے انتخاب کو قطعی نہ سمجھا، بل کہ شہر میں مسلسل تین روز تک منادی کروائی کہ لوگوں پر اس بیعت کی پابندی لازم نہیں، وہ خلافت کے لیے کسی اور موزوں شخص کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

سوالات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں کیا اہم نکات بیان فرمائے؟

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتنی نمازوں کی امامت فرمائی۔

۳۔ خلیفہ بن جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے پہلے خطبے کا مرکزی نکتہ بیان کریں۔

شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حلیۂ مبارک

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (قد کے لحاظ سے) نہ زیادہ طویل تھے اور نہ پستہ قد (بل کہ آپ کا قد درمیانہ تھا) اور رنگ کے اعتبار سے نہ تو آپ چونے کی مانند بالکل سفید تھے اور نہ ایسے گندمی کہ جس میں سانولہ پن آ جائے (بل کہ آپ سرخ وسفید تھے) آپ کے بال نہ تو بالکل سیدھے تھے اور نہ بہت پیچ دار (بل کہ آپ کے بالوں میں ہلکا سا خم تھا) وصال کے وقت آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک میانہ قد آدمی تھے۔ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا۔ آپ کے بال گنجان تھے اور کانوں کی لو تک آتے تھے۔ آپ پر ایک سرخ دھاری دار جوڑا (ایک چادر اور ایک تہبند) تھا۔ میں نے آپ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا، آپ نے سرخ جوڑا پہنا ہوا تھا، میں (کبھی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا تھا اور (کبھی) چاند کو، سو میری نظر میں آپ چاند سے زیادہ حسین تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور خوب صورتی تلوار کی مانند تھا؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، چاند کی مانند (گولائی اور ملاحت لیے ہوئے) تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نہ بہت لمبے تھے نہ پست قد تھے، بل کہ درمیانے قد کے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال نہ بہت گھنگھریالے تھے نہ بالکل سیدھے، بل کہ تھوڑے گھنگھریالے تھے، آپ کے چہرۂ مبارک

میں قدرے گولائی تھی، رنگ سرخ وسفید، آنکھیں سیاہ، پلکیں لمبی، جوڑ بڑے اور شانہ چوڑا تھا، ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی، ہتھیلیاں اور تلوے بھرے بھرے تھے، جب چلتے تو پیر زمین پر گاڑ کر چلتے گویا کہ نیچے اتر رہے ہیں۔ اگر کسی کی جانب دیکھتے تو پوری طرح متوجہ ہو کر دیکھتے۔ آپ ﷺ کے کاندھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی، وہ خاتم النبیین تھے، آپ سب سے اچھے سینے والے، (حسد، کینے وغیرہ سے پاک) سب سے سچے لہجے والے، سب سے نرم طبیعت والے، اور بہترین معاشرت والے تھے، جو آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا تو ڈر جاتا اور جو آپ سے اچھی طرح گھل مل جاتا تو محبت کرنے لگتا، آپ کی تعریف کرنے والا کہتا ہے کہ نہ میں نے آپ سے پہلے کوئی آپ جیسا دیکھا نہ آپ کے بعد۔ ﷺ۔

حضرت انس بن مالک ؓ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے بال درمیانے تھے، نہ بالکل سیدھے لٹکے ہوئے اور نہ خم دار۔ دونوں کانوں کے درمیان اور شانوں تک تھے۔

مہرِ نبوت

حضرت جابر بن سمرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی مہرِ نبوت کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان دیکھا جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی۔

ریش مبارک

آپ ﷺ کی ریش مبارک گھنی تھی۔ آپ اسے بالکل نہیں کترواتے تھے، البتہ موچھیں کترواتے تھے۔

لباس مبارک

آں حضرت ﷺ بھی اسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اس زمانے میں عرب میں رواج تھا۔ کرتا بھی پہنتے تھے اور ٹوپی اور عمامہ بھی استعمال فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا لباس عام طور پر نہایت سادہ اور سوتی ہوتا تھا۔ کبھی کبھی دوسرے ملکوں کے بنے ہوئے قیمتی جبے بھی پہن لیتے تھے، جن پر ریشمی حاشیہ بنا ہوا ہوتا تھا۔ اسی طرح کبھی کبھی بہت خوش نما یمنی چادریں بھی زیب تن فرماتے تھے، جو اس زمانے کے خوش پوشوں

کا لباس تھا۔

دائیں طرف سے شروع کرنا

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں تک ممکن ہوتا داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے، کنگھا کرنے اور وضو کرنے میں بھی۔

سفید کپڑوں کی تاکید

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سفید کپڑا پہنا کرو، اس لیے کہ وہ زیادہ پاک وصاف رہتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔

انگوٹھی مبارک

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش ''محمد رسول اللہ'' اس طرح تھا کہ ''محمد'' ایک سطر میں ''رسول'' دوسری سطر میں اور ''اللہ'' تیسری سطر میں۔

تلوار

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے قبضے کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

زِرہ

حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ احد کی لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک پر دو زِرہیں تھیں (ایک کا نام ذات الفضول اور دوسری کا نام فضہ تھا)۔

خود

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر (مکے) میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود تھا۔

عمامہ اور ٹوپی

حضرت عمرو بن حریثؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر (خطبہ دیتے ہوئے) دیکھا۔ اس وقت آپ پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا اور اس کا کنارہ (شملہ) آپ کی پشت پر دونوں شانوں کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ جب عمامہ باندھتے تھے تو اس کے شملہ کو دونوں کندھوں کے درمیان (پچھلی جانب) ڈال لیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

آپ ﷺ کا پسینہ

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خوش بو یا آپ کے پسینے سے زیادہ بہتر اور پاکیزہ کوئی خوش بو یا عطر نہیں سونگھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے سے بھی گزرتے، آپ کے بعد جانے والا شخص آپ ﷺ کے پسینے کی خوش بو سے پہچان جاتا تھا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔

رفتار

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا۔ چمک اور روشنی ایسی گویا کہ آفتاب آپ ہی کے چہرۂ انور میں چمک رہا ہے۔ میں نے آپ سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا، گویا زمین لپٹی جاتی تھی۔ ہم لوگ چلنے میں مشقت کے ساتھ آپ کا ساتھ دیتے تھے اور آپ گویا اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے۔

نشست

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں تشریف رکھتے تھے تو گوٹ مار کر بیٹھتے تھے۔ (یعنی گھٹنوں کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھتے اور دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں پر حلقہ بنا لیتے تھے)۔

کھانے میں عیب نہ نکالنا

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر پسند ہوا تو کھالیا اور اگر ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا۔

پیاز و لہسن کی ممانعت

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لہسن کے بارے میں کچھ فرماتے نہیں سنا، البتہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص (لہسن) کھائے (اور اس کے منہ میں اس کی بدبو ہو) تو ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

کھانا بسم اللہ سے شروع کرنا

عمر بن ابی سلمہؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: بیٹا قریب ہو جاؤ اور بسم اللہ کہہ کر داہنے ہاتھ سے اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔

برتن کے بیچ میں برکت نازل ہونا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ثرید سے بھری ہوئی ایک لگن آئی۔ آپ نے (لوگوں کو اس میں شریک فرما کر) فرمایا کہ اس کے اطراف سے کھاؤ اور بیچ میں سے نہ کھاؤ، کیوں کہ برکت بیچ میں نازل ہوتی ہے۔

ہاتھ یا انگلیاں چاٹنا

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ (کھانے کے بعد) انگلیوں کو چاٹ لیا جائے اور برتن کو صاف کرلیا جائے اور آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کس ذرے میں برکت ہے۔

کھانا

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک آپ کے اہل و

عیال نے کبھی مسلسل دو دن جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ (یعنی کھجوروں سے اگر چہ اس کی نوبت آ گئی ہو، مگر روٹی سے کبھی یہ نوبت نہیں آئی)۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی چپاتی (پتلی روٹی) نہیں کھائی اور نہ بھنی ہوئی بکری کھائی یہاں تک کہ (آپ) اللہ سے جا ملے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کو مدینے آنے کے بعد کبھی تین دن متواتر گیہوں کھانے کے لیے نہیں ملا تھا، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

سالن

حضرت عمر اور حضرت ابو اسید کی روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل کھانے میں بھی استعمال کرو اور مالش میں بھی، اس لیے کہ یہ بابرکت درخت کا تیل ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کدوؔ (لوکی) بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس کھانا آیا جس میں کدو تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ چوں کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ کو کدو مرغوب ہے اس لیے میں اس کے قتلے ڈھونڈ کر آپ کے سامنے کر دیتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کہیں سے گوشت آیا، اس میں سے دست آپ کے سامنے پیش ہوئی۔ آپ کو دست کا گوشت پسند تھا۔ آپ نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا۔

حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا کہ یہ اس کا سالن ہے۔ پھر آپ نے اس کو نوش فرمالیا۔

پینے کی چیزیں

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو پینے کی سب چیزوں میں میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور خالد بن ولیدؓ دونوں آں حضرت ﷺ کے ساتھ حضرت میمونہؓ کے گھر گئے (ام المؤمنین میمونہؓ ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں) وہ ایک برتن

میں دودھ لے کر آئیں، آپ نے اس میں سے تناول فرمایا۔

زم زم کھڑے ہو کر پینا

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زم زم کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

دو یا تین سانس میں پینا

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقے سے پینا زیادہ خوش گوار اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔

کھڑے کھڑے پینے کی ممانعت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کھڑے پینے سے منع فرمایا۔

برتن میں سانس لینا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پینے کے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا۔

خوش بو لگانا

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں واپس نہیں کرنی چاہییں: ا۔ تکیہ، ۲۔ خوش بو، ۳۔ دودھ۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردانہ خوش بو وہ ہے جو پھیلتی ہوئی ہو اور جس کا رنگ غیر محسوس ہو اور زنانہ خوش بو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوش بو مغلوب۔

انداز گفت گو

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفت گو تم لوگوں کی طرح لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی، بل کہ صاف صاف اور ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا۔ پاس

بیٹھنے والے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی متانت اور ترتیل سے گفت گو فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص (آپ کے الفاظ) شمار کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

ہنسی اور مسکراہٹ

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہیں دیکھا۔

مزاح

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ مزاحاً یاذالاذنین (اے دو کان والے) فرمایا۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔

بستر مبارک

امام محمد باقرؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ چمڑے کا تھا۔ جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے ہم آپ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ بہتر ہو جائے گا، چناں چہ میں نے ایسا ہی کیا، (یعنی چوہرا کر کے بچھا دیا) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کو دریافت فرمایا کہ رات کو میرے نیچے کیا چیز بچھائی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ وہی روزمرہ کا بستر، رات کو اسے چوہرا کر دیا تھا، تا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو پہلی والی حالت میں رہنے دو، اس کی نرمی نے رات کو مجھے تہجد پڑھنے سے روک دیا۔

سونے کا طریقہ

حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ جب رات کو بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ کہتے:

اللھم باسمك اموت و احیا

اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور جیتا ہوں۔

اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے:

الحمد الله الذی احیانا بعد ما اماتنا و الیه النشور

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت (نیند) کے بعد زندہ کیا (جگایا) اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تہجد

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ اتنی (نفلی) نماز پڑھتے تھے کہ آپؐ کے قدموں میں ورم آ جاتا تھا۔ آپ سے عرض کیا جاتا (کہ آپ کی خطائیں تو معاف ہیں) تو آپ فرماتے کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ حضرت اسود بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے حضور اکرم ﷺ کی رات کی نماز (تہجد) اور وتر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ (عشا کی نماز کے بعد) رات کے پہلے نصف حصے میں آرام فرماتے تھے اس کے بعد تہجد پڑھتے تھے، یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر جاتا تب وتر پڑھتے۔

روزے

حضرت انسؓ سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے روزوں کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس میں آپ کی عادت شریفہ مختلف تھی۔ کسی ماہ میں تو آپ اتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگتا کہ اس ماہ آپ کا افطار فرمانے کا ارادہ ہی نہیں ہے اور کسی ماہ ایسا مسلسل افطار فرماتے کہ ہمیں یہ خیال ہوتا کہ اس ماہ میں آپ کا روزے کا ارادہ نہیں ہے۔ آپ کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کو رات کو سوتا ہوا دیکھنا چاہتے

ہوتو یہ بھی مل جاتا اور اگر نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی میسر ہو جاتا۔

پیر اور جمعرات کا روزہ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال پیر اور جمعرات کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزے کی حالت میں پیش ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر اور جمعرات کے روزے کا اہتمام فرماتے تھے۔

چھینک

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب چھینک آتی تھی تو آپ اپنے ہاتھ یا کپڑے سے چہرہ مبارک کو ڈھک لیتے تھے اور اس کی آواز کو دبا لیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الحمد للہ کہے اور اس کا بھائی یا اس کا ساتھی یرحمك الله کہے تو اس کے جواب میں چھینکنے والا کہے: یھدیکم الله و یصلح بالکم (اللہ تمہیں سیدھے راستے پر رکھے اور تمہارے حالات درست کرے)۔

جمائی کو روکنا

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ہاتھ رکھ کر منہ بند کر لے، کیوں کہ (کھلے منہ میں) شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

سوالات

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارکہ بیان کریں۔

۲۔ کھانا کھانے سے متعلق آداب نبوی بیان کریں۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے آداب گفت گو بیان کریں۔

کتابیات

اصح السیر ۔ مولانا حکیم عبدالرؤف دانا پوری
تدوین سیر ومغازی ۔ مولانا قاضی اطہر مبارک پوری
درسِ سیرت ۔ سید عزیز الرحمٰن
رحمۃ للعالمین ۔ علامہ سید سلیمان منصور پوری
الرحیق المختوم ۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری
سیرتِ مصطفیٰ ﷺ ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی
سیرت النبی ﷺ ۔ علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی
ضیاء النبی ﷺ ۔ پیر سید کرم شاہ الازہری
محاضراتِ سیرت ۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی
محسنِ انسانیت ﷺ ۔ نعیم صدیقی
ہادیِ اعظم ﷺ ۔ سید فضل الرحمٰن

اردو میں منظوم سیرت نگاری

ایک تعارفی جائزہ

پاکستان میں اردو سیرت نگاری ایک تعارفی مطالعہ

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز
اے-۴/۱۸، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی-۷۴۶۰۰ فون: ۳۶۶۸۴۷۹۰
info@rahet.org - www.rahet.org
Zawwar academy publication
زوار اکیڈمی پبلیکیشنز